مکتبہ قادریہ سکندریہ حزب الاحناف گنج بخش روڈ۔ لاہور

اَلدَّلَائِلُ الْقَاطِعَۃُ

فِی رَدِّ مُجَلَّۃِ الدَّعْوَۃِ لِلْوَھَابِیَّۃِ

مصنّف عبدِ مصطفےٰ غلام رضا
محمد محبت علی قادری ابنِ محمد علی کھرل
الساکنے
گہنہ گڑھی تحصیل وضلع ننکانہ نزد سیّد والہ

از خُدّام سیّد السادات فخر الصلحاء پیرِ طریقت
رہبرِ شریعت سیّد اعجاز علی شاہ گیلانی زیب
سجّادہ آستانہ عالیہ حجرہ شاہ مقیم

نام کتاب : الدلائل القاطعہ
فی رد مجلۃ الدعوۃ للوھابیہ
مصنف : محمد محبت علی قادری کھرل
صفحات : ۴۵۷
بار اوّل مارچ ۱۹۹۶ء
تعداد : پانچ سو
کتابت : محمد اکرم معرفت ظفر دار الکتابت
مطبع : شیخ ہندی سٹریٹ داتا گنج بخش روڈ لاہور
مطبع : الامان پرنٹنگ پریس اردو بازار لاہور
قیمت : مبلغ ۱۸۰/- روپے

تقریظ سعید مفتی اعظم پاکستان شیخ الحدیث والتفسیر ابو العلا مولانا محمد عبداللہ قادری اشرفی رضوی برکاتی مدظلہ العالی۔ شیخ الجامعہ حنفیہ قصور

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ اما بعد۔ میں نے فاضل جلیل علامہ محبت علی خاں صاحب قادری دامت برکاتہم العالیہ خطیب پاکستان، استاد دارالعلوم صابریہ سراجیہ بکرمنڈی لاہور فاضل دارالعلوم جامعہ حنفیہ قصور کی تصانیف جلیلہ جو مسئلہ وحدت الوجود، مسئلہ تصوف، مسئلہ قرآۃ القرآن فی قبرستان، مسئلہ حدیث لولاک کے موضوعات پر مشتمل ہیں ان کو ملاحظہ کیا۔ سنی حضرات کے لیے ان کو بہت ہی مفید اور شاندار پایا۔ علامہ صاحب نے ان کو جامع اور مدلل اور مفصل طور پر لکھا ہے اور اچھی خاصی حل مسائل میں سعی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے محبوب کا صدقہ ان کی سعی بلیغ پر دین و دنیا و آخرت کی نعمتوں، عظمتوں، شرافتوں اور برکتوں سے اور درجاتِ عالیہ اور کمالات علیہ سے مشرف فرمائے۔ آمین

مسئلہ حدیثِ لولاک کے متعلق دیابنہ کے قطب الاقطاب مولوی رشید احمد گنگوہی نے فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا ہے کہ حدیث لولاک لما خلقت الافلاک یہ حدیث بالمعنیٰ صحیح ہے۔ انا اقول حضرت مجدد الف ثانی سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں حدیث لولاک لما اظھرت الربوبیۃ اگر محبوب تجھے پیدا کرنا منظور نہ ہوتا تو میں اپنا رب ہونا ہی ظاہر نہ کرتا۔ جو ذکر کی ہے یہ تو بفضلہ تعالیٰ باللفظ صحیح ہے! اسے تو تسلیم کیا جائے۔

مسئلہ وحدت الوجود: اصل وجود تو وہی وجود ہے جو واجب الوجود ہے۔

ازلی ابدی قدیم ذات ہے دوسرے وجود تو ممکن الوجود ہیں جو حادث اور فانی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سارے وجود اللہ ہیں معاذاللہ بلکہ وجود کی وحدت وہی ہے جو واجب الوجود ہے۔ اللّٰہ عَلَمٌ لِلذَّاتِ الواجب الوجود المستجمع لجميع الصفات الكمال۔

(فائدہ) موجودات میں سات اشیاء فانی نہیں وہ ابدی ہیں۔ یہ خصّ عنہا البعض۔ عرش عظیم۔ کرسی۔ قلم۔ لوح محفوظ۔ جنت۔ دوزخ۔ روح۔ (تمہید لابی الشکور السالمی رحمۃ اللہ علیہ)

مسئلہ قراۃ القرآن فی المقابر: قرآن حکیم میں ہے واذا قُرِئَ القرآنُ فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون اذا ظرفِ زمانی ہے۔ جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور چپ رہو تاکہ تم رحم کیے جاؤ۔ جس زمانہ میں پڑھا جائے اور جہاں پڑھا جائے یہ آیت قراءتِ قرآن میں عموم پر دلالت کرتی ہے۔

جس زمانے میں پڑھا جائے۔

اب وہ زمانہ! مسجد میں قرآن پڑھنے سے متعلق ہو۔
اب وہ زمانہ! گھر میں قرآن پڑھنے سے متعلق ہو۔
اب وہ زمانہ! دکان میں قرآن پڑھنے سے متعلق ہو۔
اب وہ زمانہ! مقابر میں قرآن پڑھنے سے متعلق ہو۔
اب وہ زمانہ! دارالعلوم (درس) میں قرآن پڑھنے سے متعلق ہو۔
اب وہ زمانہ! مسجد نبوی میں قرآن پڑھنے سے متعلق ہو۔
اب وہ زمانہ! مسجد حرام میں قرآن پڑھنے سے متعلق ہو۔
اب وہ زمانہ! جنت البقیع میں قرآن پڑھنے سے متعلق ہو۔

اس آیت میں کوئی قید نہیں کہ فلاں جگہ پڑھو اور فلاں جگہ نہ پڑھو۔ آداب ملحوظ رکھنا لازمی ہے۔

قبرستان میں بھی قرآن پڑھا جا سکتا ہے۔

مسئلہ تصوف: احکام شرعیہ پر عمل کر کے دل کی صفائی کرنا۔ تزکیہ نفس کرنا یہ ہی تصوف ہے۔ اس سے قلب صاف و صفا ہوتا ہے۔ اور

قال را بگذار مرد حال شو
زیر پائے کاملے پامال شو

——— یہ تصوف ہے۔

گر تو سنگِ صخرہ و مرمر شوی　　چو بصاحب دل رسی جوہر شوی

باقی جو اصطلاحاتِ تصوف ہیں لِکُلٍّ اَن یَّصْطَلِحَ۔ مگر وہ احکامِ شرعیہ اور شریعتِ نبویہ کے خلاف نہیں ہیں فقط و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

فقیر ابو العلا محمد عبد اللہ قادری اشرفی رضوی برکاتی قصوری

مُہر

شیخ الحدیث و ناظم اعلیٰ
دار العلوم جامعہ حنفیہ رجسٹرڈ
قصور

تقریظ سعید ترجمان اہلِ سنّت الحاج مولانا ابوداؤد محمد صادق صاحب مدظلہ العالی خطیب زینۃ المساجد گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

فقیر نے نجدیوں وہابیوں کی تنظیم نام نہاد "الدعوۃ والارشاد" کے رسالہ 'الدعوۃ' کے اہلِ سنت پر اعتراضات کے رد میں حضرت مولانا محبت علی خاں صاحب کی کتاب کو بعض مقامات سے دیکھا اور اسے بہت مدلل و مفصل پایا۔ مولانا موصوف نے بڑی متانت و سنجیدگی اور دلائل و حوالہ جات کے ساتھ نجدیوں کا رد فرمایا ہے اور مذہب اہلِ سنت و مسلک بزرگانِ دین کی تائید و تقویت فرمائی ہے۔ اگر کوئی غیر متعصب انصاف پسند شخص اس کتاب کو پڑھے گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ بوسیلہ مصطفےٰ (علیہ التحیۃ والثناء) مولانا موصوف کی اس محنتِ شاقہ کی جزائے خیر دے اور بدمذہبوں گستاخوں کے رد میں اسے مقبول و نافع بنائے۔

اس میں فقیر نے بھی نجدیوں کی مذکورہ تنظیم کے متعلق کتاب 'الدعوۃ' کی نقاب کشائی لکھی ہے۔ اگر کوئی دوست "الدعوۃ والارشاد" کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنا چاہیں تو مکتبہ رضائے مصطفےٰ چوک دارالسلام گوجرانوالہ سے رابطہ فرمائیں۔

الفقیر ابوداؤد محمد صادق

—— زینۃ المساجد، گوجرانوالہ

تقریظ سعید فخر اہلسنّت رئیس العلماء و

الصلحاء علامہ ابو محمد محمد عبد الرّشید مدظلہ العالی سمندری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی لَا یَسِیَّمَا عَلَی الشَّارِعِ الْمُصْطَفٰی وَمُقْتَضِیْہِ فِی الْمَشَارِعِ اہلِ الصِّدْقِ وَالصَّفَا۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے یہ مبارک کتاب "الدلائل القاطعہ فی رد مجلۃ الدعوۃ للوہابیہ" تالیف لطیف فاضل جلیل علامہ محبت علی خان صاحب قادری دامت البرکاتہ العالیہ کا بعض مقامات سے مطالعہ کیا۔ الحمد للہ مسائل صحیحہ محققہ منقحہ پر مشتمل پایا۔ اس کتاب میں سنی عقائد کو دلائل قاہرہ سے ثابت کیا گیا ہے اور عقائد باطلہ کی تردید بھی عمدہ دلائل سے کی گئی ہے۔

مولیٰ عزوجل مؤلف مصنف کی عمر و علم و فیض میں برکت دے اور انہیں ہر باب میں کافی و وافی و صافی تالیف کرنے کی توفیق بخشے اور انہیں اہلسنت میں شائع و معمول اور دنیا و آخرت میں مقبول فرمائے۔ آمین والحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی سیدنا مولانا محمد وآلہ وصحبہ و ابنہ وحزبہ اجمعین آمین۔

۱۰/۷/۱۶ ۱۴۱ھ فقیر ابو محمد محمد عبد الرشید غفرلہ خادم

اہلِ سنت و جماعت مدرسہ غوثیہ رضویہ منظر اسلام رجسٹرڈ سمندری فیصل آباد۔

ہمارے مدرسہ غوثیہ رضویہ سمندری میں ہر سال دورہ تفسیر حدیث و تجوید و قرأت پر طلباً کرام کو کچھ پرچے لکھوائے جاتے ہیں۔ عقائد اہل سنت کی تاکید و باطل عقائد کی تردید کے لیے۔ اگر مؤلف کتاب حفظہ مذکور مناسب سمجھیں تو اپنی کتاب کے اوّل یا آخر ان کو درج فرمالیں اور اشتہار مناظرہ بھی اگر درج کیا جائے تو نہایت مفید ہو بعونہ تعالیٰ۔

تقریظ سعید اُستاذ العلما جامع المنقول و معقول الحافظ القاری حضرت علامہ مولانا ابو الضیا عبد الرشید صاحب سیالوی قادری مہتمم دار العلوم جامعہ حنفیہ غوثیہ، شیر اکوٹ لاہور۔

حضرت علامہ مولانا صوفی محبت علی قادری صاحب دامت علمہ و قدرہ کی تصنیف الدلائل القاطعہ فی رد مجلۃ الدعوۃ للوہابیہ فقیر نے حرفاً حرفاً پڑھی مولانا نے جس دیانت اور امانت سے وہابیہ کی عبارتیں من وعن نقل کر کے دلائل باہو سے تردید کی ہے یہ مولانا کا اپنا ہی حصہ ہے۔ پھر جوابی دلائل میں پوری عبارتوں کا نقل کرنا اور سلیس اردو ترجمہ کر کے قاری کے ذہن کو مطمئن کرنا فن تحریر اور تصنیف کا حق ادا کرنا یہ مولانا موصوف کی کاوش کا حظ وافر ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو مزید خدمت مسلک اہلسنت وجماعت کی توفیق عطا فرمائے اور تحقیق کی کوشش میں اضافہ فرمائے آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین۔

نیز مولانا عبد الرشید رضوی قادری آف سمندری کے قبر پہ اذان کے ثبوت اور غیر اللہ سے مدد مانگنے کا ثبوت ایصال ثواب کا ثبوت دعا بعد از جنازہ کا ثبوت اور دیگر اہم مسائل کے اقتباس بطور ضمیمہ کو جو شامل کتاب کیا ہے یہ فرقہ اہل حدیث وہابیہ دیوبند وہابیہ کے لیے اور مودودیہ وہابیہ سلفیہ وہابیہ اسراریہ وہابیہ پنج پیریہ وہابیہ غلام خانیہ وہابیہ کی موت کا پیغام ہے۔

احقر ابو الضیاء حافظ عبد الرشید سیالوی القادری عفی عنہ خادم الحدیث والافتاء دار العلوم جامعہ حنفیہ غوثیہ شیر اکوٹ لاہور۔

تقریظ سعید علامہ مولانا محمد عبدالستار نقشبندی قادری خطیب اعظم دفتوہ ضلع قصور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد۔

میں نے فاضل جلیل عالم نبیل حضرت علامہ محبت علی خاں صاحب قادری مدظلہ العالی خطیب استاد دارالعلوم صابریہ سراجیہ بکرمنڈی لاہور کی تصنیف لطیف الدلائل القاطعہ فی رد مجلۃ الدعوۃ للوھابیہ کا بغور مطالعہ کیا جو کہ اسم بامسمیٰ ہے۔ جس میں مسئلہ قرأت القرآن فی المقابر کا جواز قرآن و سنت اور مخالفین کے اکابرین کی کتب سے دیا گیا ہے اور مسئلہ تصوف کے محاسن اور صوفیاء کرام کے پاکیزہ اعمال و شستہ خیال و صدق مقال و اعلیٰ کردار کو قرآن و حدیث سے مزین کیا ہے اور مسئلہ وحدۃ الوجود کو احسن پیرایہ پر بیان کیا ہے کیونکہ اس مسئلہ میں علماء کا مسلک یہ ہے کہ لا الٰہ الا ہو کے معنی لا معبود الا ہو اور صوفیاء کا مشرب یہ ہے کہ لا موجود الا ہوٗ وہی موجود ہے باقی سب اس کے ظل و پرتو ہیں۔

محی الدین ابن عربی اپنی کتاب تفسیر القرآن زیر آیۃ الکرسی فرماتے ہیں:

لَا اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ فِی الۡوُجُوۡدِ اِذۡ لَا مَعۡبُوۡدَ وَلَا مَوۡجُوۡدَ سِوَاہُ۔

اور اسماعیل حقی بروسوی تفسیر روح البیان زیر آیۃ الکرسی فرماتے ہیں:

لِاَنَّ الۡحَقَّ ھُوَ الَّذِیۡ بِذَاتِہٖ یَجِبُ وُجُوۡدُہٗ وَاَمَّا مَاعَدَاہُ فَمُمۡکِنٌ۔ اور اولیاء کرام کے اس کلام پر جو مثل متشابہات کے ہیں وہابیوں نے اعتراضات کیے ہیں یہ وہ اولیاء کاملین ہیں جن کو امت مسلمہ نے ہر زمانہ میں

اولیاء اللہ اور واصل باللہ شمار کیا اور ان کتب میں جو اولیاء اللہ کے سوانح حیات کرامات و کمالات میں لکھیں ان بزرگوں کا تذکرہ پیش کیا ان میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

الشیخ الاکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جلال الدین رحمت اللہ علیہ رومی صاحب مثنوی حضرت عبداللہ شاہ عرف سید بلھے شاہ قصوری رحمۃ اللہ علیہ ——— مولانا موصوف نے ان بزرگوں کے کلام کی ایسی احسن طریقہ سے وضاحت کی ہے کہ اگر معترضین کے قلوب میں حق بات قبول کرنے کی کوئی بھی رمق باقی ہو تو بعید نہیں کہ اعتراض کنندگان اپنی لولی لنگڑی عقل کی پیروی چھوڑ کر حق بات اہل سنت والجماعت کو قبول کریں جس میں شروع سے لے کر آج تک اولیاء کاملین و بزرگانِ دین کی تشریف آوری ہوتی رہی ہے اور وہابیوں نے بعض اولیاء کرام کے مزارات پر اعتراضات کیے خاص کر حضرت فریدالدین گنج شکر کے بہشتی دروازہ پر جو بیہودہ گوئی کرتے رہتے ہیں حضرت علامہ موصوف نے ان کے متعلق کافی و دافی وشافی جوابات دیئے ہیں اور اہل سنت والجماعت جو یہ کہتے ہیں کہ ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے پیار ہے عشق ہے تو وہابی کہتے ہیں کہ عشق کی نسبت نبی کی طرف کرنا اس میں نبیؐ کی توہین ہے۔ مولانا نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ عشق کا لفظ توہین کا لفظ ہی نہیں ہے بلکہ انتہا درجے کی محبت پر اس کا استعمال ہوتا ہے۔

حدیث لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ کو بھی وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ موضوعات میں سے ہے۔ علامہ صاحب نے اس پر جامع، مدلل و مفصل وضاحت فرمائی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث موضوعات میں سے نہیں بلکہ

یہ حدیث بالمعنی صحیح ہے۔

الحاصل مولانا کی اس تصنیف کے مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشمس ثابت ہوتی ہے کہ آپ کا طریقۂ تحریر عالمانہ فاضلانہ محققانہ مناظرانہ صوفیانہ ہے گویا آپ بحر العلوم ہیں، اور اہل سنت والجماعت کے لیے آپ کی یہ تصنیف گراں قدر سرمایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس سعی بلیغہ کو قبول فرمائے اور اس کو دوام بخشے اور اپنے حبیب رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین کے طفیل علامہ موصوف کے علم و عمل میں برکت فرمائے اور دین و دنیا کی کامیابی اور خوشحالی و نعم البالی سے نوازے آمین ثم آمین۔

المُقرِظ فقیر محمد عبد الستار نقشبندی قادری بن حضرت مولانا حکیم برکت علی رحمۃ اللہ علیہ، ساکن دفتوہ تحصیل و ضلع قصور۔

۷ر فروری ۱۹۹۶ء ———

اعترافِ تشکّر منجانب مُصنّف

میں تمام علمائے حق اہل سنت و جماعت ورثاءُ الانبیاء علیہم السلام داعیان الی الحق مصداقین آیہ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماءُ۔ کا جنہوں نے دینی مصروفیات و مشغولیات کے باوجود اپنا قیمتی وقت صرف کرکے کتاب ہذا کا مطالعہ فرمایا اور اس کے سقم و خامی کی نشاندہی فرما کر اسے دور کیا اور دین متین و مسلک حق کے ساتھ اپنے قلبی خلوص و محبت کا اظہار فرما کر اور انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام سے والہانہ محبت و عقیدت کا ثبوت دے کر اپنی تقریظوں اور کلماتِ دعائیہ سے نوازا اور اس کتاب پر اعتماد و اطمینان کا اظہار فرما کر اور بندہ ناچیز کی اس مساعی کو مستحسن و اہلِ سنت کے لیے مفید کہہ کر حوصلہ افزائی کی لساناً قلباً ظاہراً باطناً مشکور و ممنون ہوں بالخصوص امیرِ شریعت واقف حقائق و دقائقِ شریعت امام الصلحاء و رئیس العلماء مفتی اعظم پاکستان شیخ الحدیث والتفسیر الحاج مولانا ابو العلا محمد عبداللہ قادری اشرفی رضوی برکاتی مد اللہ ظلہ العالی کا مشکور ہوں جنہوں نے نہ صرف کتاب ہذا کا مطالعہ کیا بلکہ اس ادنیٰ خادم پر شفقت فرماتے ہوئے اور سنیت سے والہانہ محبت کا اظہار اور نجدیت سے دلی نفرت کا ثبوت دیتے ہوئے بعض مقامات پر بندہ کی رہنمائی اور بعض پر خود اپنی طرف سے بحث علمیہ مفیدہ کو اس میں شامل کیا اور محسنِ اہلِ سنت و ترجمانِ اہل سنت رئیس الخدام مسلک امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ اور رئیس العلماء و الصلحاء جناب مولانا ابو داؤد، محمد صادق صاحب قادری رضوی خلیفہ مجاز محدثِ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد

قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ کا ممنون ہوں جنہوں نے دین و مسلک حق کی خدمت کی بنا پر بندہ ناچیز پر نہایت شفقت و محبت کا اظہار فرماتے ہوئے قلیل وقت میں ضخیم کتاب کا مطالعہ بھی فرمایا اور ساتھ ہی وہابیوں کے خود ان کے خلاف بیانات و تحریرات پر مبنی چند صفحات دے کر اس کتاب کے آخر میں لگانے کا حکم بھی دیا اور استاذ العلماء عالم باعمل مناظر اہل سنت جماعت فاتح نجدیت حضرت علامہ مولانا ابو محمد محمد عبدالرشید رضوی مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم غوثیہ رضویہ مظہر الاسلام ضلع فیصل آباد سمندری کا دلی مشکور ہوں کہ جب خادم الفقراء مصنف اس کتاب کی تصحیح کرانے اور اس پر تقریظ لکھانے آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا تو آپ کو سراپائے شفقت و محبت اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سرشار و مستغرق پایا۔ آپ نے رغبت و شوق سے کتاب کا مطالعہ بھی فرمایا اور مفید و نافع مشورے بھی دیئے۔ نیز فاضلانہ تقریظ بھی لکھ دی۔

میں استاذ العلماء و قراء فخر اہلِ سنت عالم جلیل حضرت علامہ مولانا الحافظ القاری ابوالضیاء محمد عبدالرشید سیالوی قادری شیخ و مہتمم جامعہ حنفیہ شیر اکوٹ لاہور کا نہایت ہی ممنون ہوں جنہوں نے اپنی تمام دینی مصروفیات کے باوجود کافی وقت نکال کر اس کتاب کا مسلکی و دینی فرض سمجھ کر حرفاً حرفاً مطالعہ فرمایا اور اپنی عالمانہ تقریظ سے بھی نوازا۔ اور میں سرمایۂ اہلِ سنت سند العلمائے عالم باعمل فاضل جلیل حضرت علامہ مولانا محمد عبدالستار صاحب نقشبندی قادری خطیبِ اعظم دفتوہ ضلع قصور مدظلہ العالی کا نہایت ہی ممنون و مشکور ہوں جن کا اس کتاب کی تصنیف کے دوران بھی حوالہ جات تلاش کرنے میں اور کتب فراہم کرنے میں بہت مخلصانہ تعاون رہا اور اس کی طبعات و اشاعت

کے لیے بھی آپ نے وسعتِ قلبی سے مالی تعاون فرمایا جس کی جزا قوان کو اللہ تعالیٰ ہی دے گا، بندہ فقط دعا گو ہے۔

اسمائے گرامی علماءِ مصححین

۱۔ پیرِ طریقت رہبرِ شریعت عارف باللہ فخر السادات سید پیر نذر حسین شاہ صاحب قادری بخاری مرحوم و مغفور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سابقہ سجادہ صاحب اور اب صاحبِ مزار آستانہ عالیہ سید آباد شریف چوہنگ ملتان روڈ لاہور۔

۲۔ استاذ العلماء عالم باعمل الحاج صاحبزادہ مفتی محمد سعادت علی صاحب قادری، استاد درسِ نظامی و نائب ناظم جامعہ حنفیہ قصور۔

۳۔ استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر دار العلوم ___________ صابریہ سراجیہ بکر منڈی لاہور و خطیب اعظم سانڈہ کلاں بند روڈ لاہور حضرت علامہ مولانا محمد سعید قادری صاحب۔

۴۔ فخرِ اہلِ سنت رئیس العلماء و زبدۃ الصلحاء حضرت علامہ مولانا حاجی محمد حسین صاحب رضوی خطیب اعظم موڑ کھنڈا۔

۵۔ استاذ العلماء جامع المنقول والمعقول حضرت علامہ مولانا محمد حنیف خاں صاحب چشتی صدر مدرس دار العلوم صابریہ سراجیہ بکر منڈی و خطیب اعظم جامع مسجد عثمان اسلام پورہ لاہور۔

۶۔ استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا محمد یعقوب صاحب استاد درسِ نظامی دار العلوم جامع حنفیہ غوثیہ شیر اکوٹ لاہور۔

۷۔ فاضل جلیل حضرت علامہ مولانا شیر محمد صاحب نقشبندی خطیب جامع مسجد

سلطان کے ضلع لاہور۔

۸۔ استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا محمد انور صاحب صدر مدرس جامع حنفیہ قصور۔

۹۔ استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا محمد غلام یاسین صاحب استاد درس نظامی دار العلوم جامع حنفیہ قصور۔

۱۰۔ حضرت علامہ مولانا حافظ محمد فضل الحق صاحب ظہوری خطیب جامع مسجد مدنی و مہتمم جامعہ اکبریہ انوار مدینہ چوہنگ ملتان روڈ لاہور۔

۱۱۔ اہلِ سنت و جماعت کے عظیم خطیب حضرت علامہ مولانا محمد اشرف قادری صاحب خطیب جامع مسجد حیات النبیؐ اک مینار والی، چوہنگ لاہور۔

۱۲۔ جناب مولانا میاں منیر احمد ڈبل ایم اے سینئر ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول چوہنگ لاہور۔

۱۳۔ خطیب اہلِ سنت جناب مولانا حاجی نذیر احمد مرتضائی صاحب چوہنگ۔

۱۴۔ خطیب اہلِ سنت جناب مولانا محمد عارف صاحب خطیب اعظم للوہ ضلع لاہور۔

۱۵۔ خطیب اہلِ سنت جناب مولانا نور حسن صاحب خطیب اعظم جامع مسجد چک نمبر ۶۰ ضلع قصور۔

۱۶۔ جناب محترم رائے محمد شریف صاحب کھرل بی اے برادر اصغر مصنف گہنہ گڑھی نزد سید والہ ضلع شیخوپورہ تحصیل ننکانہ۔

۱۷۔ اہل سنت و جماعت کے قابلِ فخر خطیب حضرت علامہ مولانا محمد حفیظ جاوید حیدری ناظم تنظیم افاضل جامع حنفیہ نظام پورہ قصور

۱۸۔ خطیب اہلسنت فاضل جلیل حضرت علامہ حافظ محمد امین صاحب خطیب جامعہ مسجد محلہ گجراں والہ قصور۔

فہرست

Marfat.com

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۱۶۲	فصل اوّل، وہابیوں کے رسالہ کی عبارت کے بیان میں۔	۱۱۵
۱۶۷	دعوۃ تصوّف کے داعیان اولیاء اللہ و علماء ربانی ہیں۔	۱۱۶
۱۶۸	باطنی صفائی کا نام تصوّف ہے۔	۱۱۷
〃	وہابیوں کی تصوّف کے متعلق بیہودہ گوئی۔	۱۱۸
〃	تصوّف کی اصل دینِ اسلام ہے۔	۱۱۹
۱۶۹	وہابیوں کا صوفیاء کرام پر بہتانِ عظیم۔	۱۲۰
〃	لباسِ صوف سے حلاوتِ ایمان حاصل ہوتی ہے۔	۱۲۱
۱۷۱	حلول کی دو قسمیں ہیں۔	۱۲۲
۱۷۰	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس صوف تھا۔	۱۲۳
۱۷۲	بزرگانِ دین کے اقوال میں حضرت منصور بن حلاج کا ذکر خیر۔	۱۲۴
۱۸۴	ہر شخص کو آئینہ مین اپنی صورت نظر آتی ہے۔	۱۲۵
۱۸۸	یہ محال ہے کہ محیط اپنے محاط کا محاط بن جائے۔	۱۲۶
۱۸۹	متشابہات کی تفسیر میں سلف و خلف کے طریقہ کا بیان۔	۱۲۷
۱۹۱	اس بات کا یہ معنی کرنا کہ اللہ عرش پر رہتا ہے مقصد کلام اور تفاسیر کے خلاف ہے۔	۱۲۸
۱۹۲	باب چہارم تصوّف کے بیان میں۔	۱۲۹
۱۹۲	فصل اوّل ضرورت تصوّف کے بیان میں۔	۱۳۰
۱۹۴	معنوی اعتبار سے بھی تصوّف میں عظیم خوبی ہے۔	۱۳۱
۱۹۵	فصل دوم تصوّف کی تعریف۔	۱۳۲
۱۹۶	علمِ تصوف کی تعریف۔	۱۳۳

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱۵۰	اسم نور کی تفسیر۔	۲۱۲
۱۵۱	قرب معنوی کی مثال قرب حسِ صوری سے۔	۲۱۵
۱۵۲	فصل وحدۃ الوجود کے متعلق حدیث اور اس کی شرح کے بیان میں	۲۱۶
۱۵۳	اللہ اپنے ولی کے دشمن کو اعلانِ جنگ دیتا ہے۔	۲۱۷
۱۵۴	معنی قرب کا بیان۔	۲۱۸
۱۵۵	اللہ تعالیٰ کی صفات کی حقیقتوں کا بیان۔	۲۲۰
۱۵۶	اللہ سب جگہ موجود ہے۔	۲۲۲
۱۵۷	انانیّت حجابِ اکبر ہے۔	۲۲۳
۱۵۸	وحدۃ الوجود کے متعلق صوفیاء کرام کا عقیدہ۔	۲۲۴
۱۵۹	ظہورِ ظاہر کے لیے مظہر کا ہونا ضروری ہے۔	〃
۱۶۰	میں اللہ کے نور سے ہوں، اور سب میرے نور سے۔	۲۲۵
۱۶۱	علم حق کی اقسام کا بیان۔	〃
۱۶۲	کائنات کی بنیاد دانہ کن ہے۔	۲۲۶
۱۶۳	کلامِ الٰہی قدیم ہے۔	〃
۱۶۴	مختلف نسبتوں اور معلقات سے ذات واحدہ میں کثرتِ لازم نہیں آتی۔	۲۳۰
۱۶۵	کثرت اسمآء کثرت صفات پر دلالت کرتے ہیں۔	۲۳۱
۱۶۶	ذاتِ حق اور موجودات کے درمیان نسبت عینیت و غیریت دونوں محقق ہیں۔	〃
۱۶۷	باب ششم، وہابیوں کے رسالہ مجلۃ الدعوۃ کی بعض گستاخانہ و	۲۳۳

سببِ تالیف

فرقہ وہابیہ کی جدید تنظیم اَلدَّعْوَۃُ وَالْاِرْشَادُ جو کہ سعودی نجدی حکومت کے غلاموں کا ٹولہ انہیں کے ریالوں سے ان کے مقصد اور اپنے پیشوا محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مشن کی تکمیل کے لیے سرگرم عمل ہے۔ اسی تنظیم کے زیرِ اہتمام ایک ماہنامہ رسالہ مسمیٰ بہ مُجَلَّۃُ الدَّعْوَۃ شائع ہوتا ہے جس کے چند شمارے اس خَادِمِ خُدَّامُ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ وَ اَوْلِیَاءِ کرام کی نظر سے گزرے جن کو پڑھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس رسالہ کے سپرد صرف دو کام کیے گئے ہیں۔ ایک اپنی تنظیم ناسلیم کو مجاہدوں کی تنظیم ثابت کرنا، دوسرا سُنّی، حنفی، بریلوی مسلمانوں کو مشرک و بدعتی قرار دینا۔ ان کے نزدیک بُت پرست چھوٹے مشرک اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء عظام کے مزارات پر حاضری دینے والے بڑے مشرک ہیں۔ ان کے نزدیک خلافت و امارت کے وہی حقدار ہیں جو امام طائفہ نجدیہ محمد بن عبدالوہاب کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اوّلاً مزارات کو منہدم کریں۔

الغرض انھوں نے اسی مذکورہ رسالہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ قبرستان میں قرآن کو پڑھنا درست نہیں، مزید بقول ان کے اس کا کوئی شرعی ثبوت ہے اسی طرح کہیں بزرگانِ دین کے عرسوں پر طعن طنز کر رہے ہیں کہیں صوفیاء کرام کے عارفانہ کلام کو بے ہودہ گوئیں اور بد کلامیوں کا نشانہ بنا رہے ہیں اور کہیں آیات و احادیث کی من گھڑت تفسیر و تشریح کر کے اپنے عزائم مذمومہ کو پورا کر رہے ہیں، لہٰذا

ان کی عیاریوں، فریب کاریوں اور دین دشمنیوں کو بے نقاب کرنے کے لیے اور جو یہ خود تو جہالت یا ضد و عناد کی بنا پر قرآن و حدیث کا انکار کر رہے ہیں اور اہلسنت کو خواہ مخواہ مشرک و بدعتی کہہ رہے ہیں ان کے اس نامناسب رویّے کا رد اور مسلک حق اہلسنت وجماعت کے عقائد کو دلائل شرعیہ سے ثابت کرنے کے لیے اس کتاب مُسمّٰی بہ اَلدَّلَائِلُ الْقَاطِعَۃُ فِیْ رَدِّ مُجَلَّۃِ الدَّعْوَۃِ لِلْخُوْھَابِیَّۃِ کی تالیف کا عزم کیا ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ!

پر بھروسہ ہے تو اس ذات تعالیٰ قادر مطلق پر ہے جو ہر عجز و نقص و عیب سے پاک و منزہ ہے اور فخر ہے تو دامن مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ و صحابہ وسلم پر ہے جو دارین میں کام آنے والا ہے۔ حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔

خطبۂ کتاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ کِتَابَ الْمُبِیْنَ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْمُبَلِّغِ الْاَمِیْنِ وَجَعَلَہٗ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ط وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ ط وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ م بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ط (پ ۲۸ ع ۴) وَفِیْ مَقَامٍ اٰخَرَ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ط

بحث مقابر کے پاس تلاوتِ قرآن اور اذکار کے مشروع ہونے میں بابِ اوّل وہابیوں کے رسالہ مجلۃ الدعوۃ کی مندرجہ ذیل عبارت کے رد میں

وہابیوں کی چال ایک کا سوال دوسرے کا جواب

اس مذکورہ رسالہ میں ایک وہابی سوال کر رہا ہے اور دوسرا اس کا جواب دے رہا ہے جبکہ مقصد دونوں سائل و مجیب کا لوگوں کو دھوکے میں ڈال کر غلط فہمی میں مبتلا کرنا ہے۔ سوال اس مسئلہ کی کتاب و سنّت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ حدیث میں آتا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ یَقُوْلُ اِنْ مَاتَ اَحَدُکُمْ فَلَا تَحْبِسُوْهُ وَاَسْرِعُوْا بِهٖ اِلٰی قَبْرِهٖ وَلْیُقْرَءْ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَاتِحَةُ الْبَقَرَةِ وَعِنْدَ رِجْلِهٖ بِخَاتِمَةِ الْبَقَرَةِ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ قَالَ وَاَیْضًا اِنَّهٗ مَوْقُوْفٌ۔

اس حدیث کی وضاحت کریں کہ کیا یہ پڑھنا کسی صریح مرفوع حدیث سے ثابت ہے جب کہ دوسری طرف نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر قرآن پڑھنے سے منع کیا کہ قبروں کو عبادت گاہ نہ بنایا جائے اور ایک حدیث میں آتا ہے، گھروں میں سورۃ بقرہ پڑھو اور انہیں قبریں نہ بناؤ۔ برائے مہربانی اس کی وضاحت فرمائیں۔ آپ کا شکریہ، مجلۃ الدعوۃ صفحہ ۵ نومبر ۱۹۹۴ء۔

مذکورہ سوال میں اوّل تو یہ دھوکہ دیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک یعنی مرفوع حدیث ہی حجت شرعی ہو سکتی حالانکہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم کا ارشاد ہے، اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ نَبِاَیِّهِمْ

اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ۔ دوم اس سوال میں غلط بیانی کی گئی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابر میں قرآن پڑھنے سے منع کیا حالانکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم نے قبروں کو سجدہ کرنے سے منع کیا اور اہلِ مقابر (اموات المسلمین) کے لیے قرآن پڑھنے کا حکم دیا جو کہ انشاء اللہ تعالیٰ آگے اس کا بیان آئے گا۔

سوم اس میں یہ فریب دیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور کے پاس عبادت کرنے سے منع کیا حالانکہ یہ ان کا اِفْتِرَا فِی الدِّیْن ہے اس لیے کہ حدیث پاک کا تو یہ مقصد ہی نہیں جو یہ بیان کر رہے ہیں۔ نیز عبادت کا مفہوم عام ہے، جو نیک کام بھی بندۂ مومن لغرض طلب رضاء مولائے تعالیٰ کرے وہ شامل عبادت ہے۔ پھر عبادت کئی انواع پر مشتمل ہے۔ عبادت بدنی عبادت مالی، عبادت مرکب من المال والبدن

اب یہ سمجھنے کے بعد کہ عبادت کا مفہوم عام ہے صرف سجدہ کا نام ہی عبادت نہیں۔ اب دیکھیں کچھ وہ عبادت بھی ہے جو مقابر میں مشروع ہے جیسا کہ جب کوئی مسلمان فوت ہو جائے تو ہم اس کے لیے قبرستان میں قبر کھودتے ہیں، یہ بھی عبادت، پھر مسلمان میت کو قبرستان دفنانے کے لیے اٹھا کر لاتے ہیں، یہ بھی عبادت نمازِ جنازہ اور تدفین میں شرکت کا ثواب۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا فَلَهٗ قِيْرَاطٌ وَمَنْ شَهِدَهَا حَتّٰى تُدْفَنَ فَلَهٗ قِيْرَاطَانِ وَقِيْلَ وَمَا الْقِيْرَاطَانِ قَالَ مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيْمَيْنِ۔

"جو جنازہ پڑھنے میں شریک ہوا اس کے لیے ایک قیراط ثواب ہے اور جو ساتھ ہی رہا یہاں تک کہ میت کو دفن کیا گیا تو اس کے لیے دو قیراط ثواب ہے"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ دو قیراط کیا ہیں؟ فرمایا دو بڑے پہاڑوں کے برابر ہیں۔ اسی طرح میت کو سنت طریقہ کے مطابق قبر میں داخل کرنا بھی عبادت، میت کو قبر میں داخل کرتے وقت یہ دُعا پڑھنا بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ اور مٹی ڈالنا اور قبر پر پانی چھڑکنا سب مسنون عبادت ہے۔ اسی طرح بعد از دفن میت کو تلقین اور اس کے لیے استغفار کرنا بھی مسنون عبادت ہے۔

حضرت عثمان ابن عفان سے منقول ہے: کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَیِّتِ وَقَفَ عَلَیْہِ وَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِیْکُمْ وَسَلُوْا لَہُ التَّثْبِیْتَ فَاِنَّہُ الْاٰنَ یُسْئَلُ۔

ترجمہ: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میت کو دفن سے فارغ ہوتے اس کی قبر کے پاس ٹھہر جاتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرو۔

پس تحقیق ابھی اس سے سوالوں کا جواب پوچھا جائے گا۔

اس بیان کا مقصد یہ تھا، اگر ان وہابیوں کے بقول حدیث پاک سے مُراد مقابر میں نفس عبادت ہی ممنوع ہو تو پھر یہ سب جس کا بیان گزرا اور اس کے علاوہ بھی جس کا مشروع و مستحب ہونا سنّتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت صحابہ رضوان اللہ اجمعین اور اجماعِ امت سے ثابت ہے ناجائز معصیت ٹھہرے گا اور دین میں تضاد و عدم موافقت پیدا ہو جائے گی۔

حتیٰ کہ ان کی تشریح کے مطابق دین میں بے شمار خرابیاں اور مفاسد پیدا ہونگے، اب یہ مبلغین نجد یہ بتائیں کہ یہ تبلیغ دین کر رہے ہیں یا تبلیغ کے نام پر فساد فی الدین کر رہے ہیں ؟

برادرانِ اسلام اس حدیث کا ماشاء اللہ یہ مقصد ہرگز نہیں جو یہ بیان کر رہے ہیں۔

حدیث کی اصل مُراد

حقیقتاً اس کا مقصود مراد یہ ہے کہ نہ قبروں کو سجدہ کرو اور نہ ہی قبروں کی طرف منہ کر کے سجدہ کرو۔ تو اس کے بفضلہٖ تعالیٰ ہم سنی حنفی بریلوی بھی قائل و معترف ہیں۔ مسئلہ جب نمازی اور قبور کے درمیان کوئی چیز دیوار وغیرہ حائل ہو تو قبور کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں بھی حرج نہیں ہے۔

سوال کے بعد اب دوسرے وہابی کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔ جواب آپ نے عبداللہ ابن عمر کی جو روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جب تم میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے تو اسے روک کر نہ رکھو اور اسے اس کی قبر کی طرف جلدی لے جاؤ اور اس کے سر کے پاس سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات پڑھی جائیں اور اس کے پاؤں کے پاس سورۃ بقرہ کی آخری آیات پڑھی جائیں۔

اس روایت کی وجہ سے یہ رواج عام پایا جاتا ہے کہ میت کی قبر کے سرہانے سورۃ بقرہ کی ابتدائی اور اس کے پاؤں کے پاس سورۃ بقرہ کی آخری آیات پڑھی جاتی ہیں۔ کئی اہلِ حدیث حضرات بھی اس پر عمل کرتے ہیں حالانکہ یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

مشکوۃ کے باب دفن المیت میں اس روایت کے ساتھ لکھا ہے کہ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ عبداللہ ابن عمر پر موقوف ہے یعنی ان کا اپنا قول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ عبداللہ بن عمر سے' شیخ ناصر الدین البانی نے مشکوۃ کی تعلیق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب روایت کے متعلق لکھا ہے کہ اسے بیہقی کے علاوہ طبرانی نے معجم کبیر (۳/ ۲۰۸/ ۳) میں اور خلال نے کتابُ الْقِرَاءَةِ عِنْدَ الْقُبُوْرِ۔ (ق ۲/۲۵) میں بہت ہی ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے' اس میں ایک راوی یحیٰی ضحاک یا بلتی ہے جو ضعیف ہے اس نے اسے ایوب نہیک سے روایت کیا ہے جسے ابو حاتم وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور ازدی نے کہا ہے وہ متروک اور ابن عمر پر موقوف روایت کے متعلق کہا ہے کہ اس کی سند بھی صحیح نہیں کیونکہ اس میں عبدالرحمٰن بن علاء بن حلاج ہے اور وہ مجہول ہے۔ (مجلۃ الدعوۃ صفحہ ۵۰ تا ۵۱، نومبر ۱۹۹۴ء)

مذکورہ حدیث شریف جو سوال میں لکھی گئی ہے۔ اب جواب ناصواب میں اس سے انکار و فرار کے لیے کئی بہانے تراش رہے ہیں۔ اوّل تو یہ بہانا بنایا کہ محدث بیہقی نے اس حدیث کو موقوف کہا ہے تو بندہ ناچیز اس مقام کے مناسب یہ بیان کرتا ہے کہ ہمیں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر تو کوئی اعتراض یا اس سے انکار نہیں' اس لیے کہ وہ بلند پایا محدث اور احادیث اور اصول حدیث سے واقف تھے مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ اس حدیث شریف میں مرفوع ہونے کی صراحت ہے چونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اسے یوں بیان فرما رہے ہیں سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اس جملہ میں واضح طور پر سماعت حدیث کی اضافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے جو صریح مرفوع کی علامت ہے جیسا کہ اصول حدیث کی معتبر کتاب نُزْهَةُ النَّظَرِ فِي تَوْضِيحِ نُخْبَةِ الْفِكَرِ میں الحافظ احمد بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں۔

حدیث مرفوع کا بیان

اِمْثَالُ الْمَرْفُوْعِ مِنَ الْقَوْلِ اَنْ يَقُوْلَ الصَّحَابِيُّ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ بِكَذَا۔

حدیث مرفوع صریح قولی کی مثال یوں ہے کہ صحابی کہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحابہ وسلم کو ایسا بیان فرماتے سنا ہے۔ یعنی سماعت کی اضافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرے، دوم یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ حدیث اس لیے بھی مرفوع ہے کہ اس کے مرفوع ہونے کی تائید دوسری کئی احادیث سے ہوتی ہے کیونکہ اس حدیث مبارکہ میں دو کاموں کا حکم ہے۔ ایک تو یہ کہ جب کوئی فوت ہو جائے تو اسے جلدی دفنایا جائے دوسرا اس کی قبر پر قرآن مجید پڑھنے کا۔ قرآن پاک پڑھنے کے متعلق تو انشاء اللہ عنقریب دوسرے باب میں متعدد احادیث و آثار بیان کیے جائیں گے جو اس حدیث مذکورہ کے مُؤَیِّدات متابعات ہیں جو حدیثِ ضعیف کو قوی کرتے ہیں تو جلد دفنانے کے متعلق کتب احادیث میں متن کے کچھ فرق کے ساتھ حدیث بیان کی گئی ہے جسے صاحب مشکوٰۃ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں:

میّت کو جلد دفنانے کا حکم

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَۃِ فَاِنْ کَانَتْ صَالِحَۃً قَدِّمُوْھَا اِلَی الْخَیْرِ وَاِنْ کَانَ غَیْرُ ذٰلِکَ شَرٌّ تَضَعُوْنَہٗ عَنْ رِقَابِکُمْ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں فرماتے سنا کہ جنازہ لے جانے میں جلدی کرو۔ پس اگر میت صالحہ ہے تو اسے خیر کے قریب کردو اور اگر علاوہ ازیں بری ہے تو اسے جلدی اپنی گردنوں سے اتار دو۔ تو اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث میں کوئی نئی بات نہیں جس کا ثبوت حدیث مرفوع سے نہ ملتا ہو جس وجہ سے اسے موقوف کہا جائے اگر حدیث موقوف بھی ہو تو قابلِ عمل و قابلِ استدلال ہے، پھر یہ کسی قوی حدیث کے یا نصِ قرآنی کے مخالف بھی نہیں جس وجہ سے اس کی تاویلیں کی جائیں بلکہ احادیثِ مرفوعہ سے اس کی تائید و تصدیق ہو رہی ہے۔ نیز اگر ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث کو موقوف بھی مان لیا جائے تو پھر بھی ہمارے لیے حجّت اور قابل عمل ہونے میں کچھ مانع نہیں۔

اقسامِ حدیث

بریں بنا کہ محدثین کی اصطلاح میں حدیث کا اطلاق تین اقسام پر ہوتا ہے۔

(۱) مرفوع (۲) موقوف (۳) مقطوع

مقدمہ مشکوٰۃ میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے:

اِعْلَمْ اَنَّ الْحَدِیْثَ فِیْ اِصْطِلَاحِ جُمْھُوْرِ الْمُحَدِّثِیْنَ

يُطْلَقُ عَلٰى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِعْلِهٖ وَتَقْرِيْرِهٖ وَمَعْنَى التَّقْرِيْرِ اِنَّهٗ فَعَلَ اَحَدٌ اَوْ قَالَ شَيْئًا فِىْ حَضْرَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُنْكِرْهُ وَلَمْ يَنْهَهُ عَنْ ذَالِكَ بَلْ سَكَتَ وَقَرَّرَ وَكَذٰلِكَ يُطْلَقُ عَلٰى قَوْلِ الصَّحَابِىِّ وَفِعْلِهٖ وَتَقْرِيْرِهٖ وَعَلٰى قَوْلِ التَّابِعِىِّ وَفِعْلِهٖ وَتَقْرِيْرِهٖ۔

جان کہ تحقیق جمہور محدثین کی اصطلاح میں حدیث کا اطلاق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور تقریر پر ہوتا ہے اور معنی تقریر یہ ہے کہ تحقیق کسی آدمی نے کام کیا یا کوئی بات کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اسے برا جانا اور نہ اسے اس سے منع کیا بلکہ سکوت فرمایا اور اسے ثابت رکھا اور اسی طرح اطلاق حدیث قول صحابی اور اس کے فعل و تقریر پر ہوتا ہے اور تابعی کے قول اور اس کے فعل و تقریر پر ہوتا ہے اور مقدمہ بخاری میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے:

اَلْمَرْفُوْعُ مَا اُضِيْفَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً لَا يَقَعُ عَلٰى غَيْرِهٖ مُطْلَقَةً سَوَاءٌ كَانَ مُتَّصِلًا اَوْ مُنْقَطِعًا وَاَمَّا الْمَوْقُوْفُ فَمَا اُضِيْفَ اِلَى الصَّحَابِىِّ قَوْلًا لَهٗ اَوْ فِعْلًا اَوْ نَحْوَهٗ مُتَّصِلًا كَانَ اَوْ مُنْقَطِعًا وَاَمَّا الْمَقْطُوْعُ فَهُوَ الْمَوْقُوْفُ عَلَى التَّابِعِىِّ قَوْلًا لَهٗ اَوْ فِعْلًا مُتَّصِلًا كَانَ اَوْ مُنْقَطِعًا۔

حدیث مرفوع وہ ہے جس کی خاص کر اضافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو ماسوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کی طرف اس کی

اضافت مطلق" واقع نہ ہو۔ مرفوع ہونے میں برابر ہے خواہ متصل ہو یا منقطع اور
حدیث موقوف وہ ہے جس کی اضافت صحابی کی طرف ہو اس کا قول ہو یا فعل
یا اس کی مثل متصل ہو خواہ منقطع اور بہرحال حدیث مقطوع پس وہ تابعی پر
موقوف ہے اس کا قول ہو یا فعل عام ازیں متصل ہو یا منقطع اسی کی مثل
ہی مقدمہ مسلم میں حدیث مرفوع و موقوف اور مقطوع کی تعریف لکھی گئی ہے۔

حدیث موقوف بھی قابلِ قبول و حجّتِ شرعی ہے

اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ حدیث موقوف بھی ہمارے لیے قابلِ قبول
اور حجتِ شرعی ہے اب اسی پر اور دلائل پیش کرتا ہوں:

اَلْمَوْقُوْفُ مَا اُضِیْفَ اِلَی الْاَصْحَابِ وَ قُصِرَ عَلَیْهِمْ فَلَمْ
یَتَجَاوَزِ الرَّاوِیُ بِهٖ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
سَوَاءٌ کَانَ مُضَافًا قَوْلًا اَوْ فِعْلًا لَهُمْ وَخَلَا عَنْ قَرِیْنَةِ
الرَّفْعِ بِاَنْ کَانَ لِلرَّاْیِ فِیْهِ مَجَالٌ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ
لِلْاِجْتِهَادِ فِیْهِ مَجَالٌ ظَاهِرٌ فَهُوَ مَرْفُوْعٌ۔

(ابن عساکر جلد دوم، ص۲۶)

حدیث موقوف وہ ہے جس کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف
مضاف کیا جائے اور انہیں پر اس کا حصر کیا جائے تو راوی حدیث نبی پاک
صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت نہ کرے اس میں فرق نہیں کہ مضاف
ان کی طرف قَوْلًا ہو یا فِعْلًا، بشرطِ قرینہ رفع سے خالی ہو اور یہ
کہ رائے کو اس میں کچھ دخل ہو۔ پس اگر اجتہاد کو ظاہراً اس میں کچھ دخل نہ ہو
وہ حدیث مرفوع ہے۔

وضاحت مذکورہ عبارت میں حدیث موقوف ہونے کے لیے دو امر لازم قرار دیے گئے ہیں، اوّل یہ کہ اس کی اضافت صرف صحابہ کی طرف ہے دوم یہ کہ ایسے قرینے سے خالی ہو جو اسے مرفوع بنا دے۔ فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ جس حدیث میں اجتہاد ورائے کو ظاہری واسطہ نہ ہو خواہ اس کی سند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تک ہی پہنچے وہ مرفوع ہے۔ اس کو مرفوع حکمی کہتے ہیں۔

اب اسی مضمون کی تائید میں کہ سند حدیث اگرچہ صحابی تک ہی پہنچے مگر اجتہاد ورائے کو جب تک دخل نہ ہو وہ مرفوع ہی شمار ہوگی۔ ایک اور عبارت پیش کرتا ہوں۔

حدیث مرفوع صریح اور مرفوع حکمی کا بیان

اَمَّا اَنْ یَّنْتَهِیَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ وَیَقْتَضِیْ تَلَفُّظُهٗ اَمَّا صَرِیْحاً اَوْ حُکْماً اِنَّ الْمَنْقُوْلَ بِذَالِکَ الْاِسْنَادِ مِنْ قَوْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ اَوْ مِنْ فِعْلِهٖ اَوْ مِنْ تَقْرِیْرِهٖ مِثَالُ الْمَرْفُوْعِ مِنَ الْقَوْلِ تَصْرِیْحاً اَنْ یَّقُوْلَ الصَّحَابِیُّ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ کَذَا اَوْ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ بِکَذَا اَوْ یَقُوْلُ هُوَ اَوْ غَیْرُهٗ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ کَذَا اَوْ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ

وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ قَالَ كَذَا وَنَحْوَ ذَالِكَ وَمِثَالُ
الْمَرْفُوْعِ مِنَ الْفِعْلِ تَصْرِيْحًا اَنْ يَّقُوْلَ الصَّحَابِيُّ رَءَيْتُ
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ
فَعَلَ كَذَا اَوْ يَقُوْلُ هُوَ اَوْ غَيْرُهٗ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ كَذَا وَمِثَالُ الْمَرْفُوْعِ
مِنَ التَّقْرِيْرِ تَصْرِيْحًا اَنْ يَّقُوْلَ الصَّحَابِيُّ فَعَلْتُ بِحَضْرَتِ
النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ كَذَا اَوْ
يَقُوْلُ هُوَ اَوْ غَيْرُهٗ فَعَلَ فُلَانٌ بِحَضْرَتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ كَذَا وَلَا يَذْكُرُ اِنْكَارَهٗ
بِذَالِكَ وَمِثَالُ الْمَرْفُوْعِ مِنَ الْقَوْلِ حُكْمًا لَا صَرِيْحًا
مَا يَقُوْلُ الصَّحَابِيُّ الَّذِيْ لَمْ يَاْخُذْ عَنِ الْاِسْرَائِيْلِيَّاتِ
مَا لَا اِجْتِهَادَ فِيْهِ وَلَا لَهٗ تَعَلُّقٌ بِبَيَانِ لُغَةٍ اَوْ شَرْحٍ
غَرِيْبٍ كَالْاَخْبَارِ عَنِ الْاُمُوْرِ الْمَاضِيَةِ مِنْ بَدْءِ الْخَلْقِ
وَاَخْبَارِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اَوِ الْاٰتِيَةِ كَالْمَلَاحِمِ
وَالْفِتَنِ وَاَحْوَالِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَكَذَا الْاَخْبَارُ يَحْصِلُ
بِفِعْلِهٖ ثَوَابٌ مَخْصُوْصٌ اَوْ عِقَابٌ مَخْصُوْصٌ وَاِنَّمَا كَانَ
لَهٗ الْمَرْفُوْعِ ۔ نُزْهَةُ النَّظَرِ فِيْ تَوْضِيْحِ نُخْبَةِ الْفِكَرِ ۔
لِلشَّيْخِ الْاِسْلَامِ الْحَافِظُ اَحْمَدَ بْنِ حَجَرِ الْعَسْقَلَانِيْ رَحْمَةُ
اللّٰهِ عَلَيْهِ ۔

اس طویل کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث مرفوع کی دو قسمیں ہیں ، مرفوع
صریح اور مرفوع حکمی قسم اوّل کی مثال قول سے صحابی کہے کہ میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم کو یوں فرماتے سنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے ہمیں یوں خطاب فرمایا۔

یا صحابی یا غیر صحابی بیان کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم نے ایسے ارشاد فرمایا۔ یا کہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم سے منقول ہے کہ اس نے یوں فرمایا اور حدیث مرفوع صریح فعل سے مثال یوں دی گئی ہے کہ صحابی کہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا۔ یا صحابی یا غیر صحابی کہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم کو میں نے دیکھا یوں کیا کرتے تھے اور تقریر سے حدیث مرفوع کی مثال یوں دی گئی ہے کہ صحابی بیان کرے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم کی موجودگی میں ایسا کیا۔ یا صحابی یا غیر صحابی بیان کرے فلاں شخص نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم کی موجودگی میں یہ کام کیا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اسے برا جاننے یا منع کرنے کا ذکر نہ کرے۔

دوسری قسم یعنی مرفوع حکمی کی مثال قول سے جسے وہ صحابی بیان کرے جس نے اسرائیلیوں سے روایات کو حاصل نہ کیا ہو نہ ہی روایت میں اجتہاد کو کچھ دخل ہو اور بیان لغت اور شرح غیر معروف نہ کی گئی ہو جیسا کہ امورِ ماضیہ کی خبریں ابتداء خلق سے اور انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کرنا یا آنے والے واقعات جیسا کہ حوادثات و فتنوں کی اطلاع دینا یا احوالِ قیامت کی خبریں بتانا اور اسی طرح ایسے افعال کی اطلاع جس پہ ثواب مخصوص یا سزائے مخصوص بیان ہو۔ لہٰذا مذکورہ اشیاء میں سے جن کا حدیث مرفوع حکمی کے لیے نہ ہونا شرط ہے جیسے اجتہاد کو دخل نہ

ہونا اسرائیلیوں سے روایات کو حاصل نہ کرنا بیان لغت اور شرح غریب کا اس سے تعلق نہ ہونا ان کی عدم موجودگی میں جن کا موجود ہونا شرط ہے جیسے کہ زمانہ ماضی و استقبال کی خبریں دینا احوالِ قیامت کو بتانا اور ایسے کاموں کی خبریں جن پر ثواب و عقاب مخصوص کا بیان ہے ان کی موجودگی کی صورت میں وہ حدیث مرفوع حکمی ہوگی۔

مندرجہ بالا عبارت سے ثابت ہوا کہ اگرچہ متن حدیث میں صراحت مرفوع نہ بھی ہو مگر کنایۃً ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے تو پھر بھی وہ خارج از مرفوع نہیں بلکہ وہ حدیث مرفوع حکمی کہلائے گی۔

اب ذرا اصولِ حدیث کی معتبر کتاب 'نخبۃ الفکر' کے اس مذکورہ اصول کو بھی دیکھیں اور حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کردہ حدیث پاک کے الفاظ بھی زیر غور لائیں تو واضح ہو جائے گا کہ اس میں علامتِ رفع کس قدر صراحت سے موجود ہے وہ یہ کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ اس میں نبی پاک صاحب لَوْلَاکَ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کا واضح ثبوت ہے جو مرفوعِ صریح کی واضح دلیل ہے مگر صد افسوس ان نام نہاد اہل حدیثوں پر جو کہ اس حدیث سے راہِ فرار اختیار کرنے کے لیے طرح طرح کے بہانے اور من گھڑت تاویلیں بنا رہے ہیں۔ ایک بہانا تو یہ بنایا کہ امام بیہقی نے اسے موقوف کہا ہے۔ اب تک بفضلہ تعالیٰ اس کا رد تو احسن طریقہ سے ہو چکا ہے اور یہ بھی حوالہ جات سے ثابت ہو چکا کہ حدیث موقوف بھی قابل قبول اور حجت شرعی ہے اور محدثین کرام رضوان اللہ

تعالیٰ علیہم اجمعین نے حدیث موقوف یعنی قول و فعل اور تقریر صحابہ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اقسام حدیث میں شمار کیا ہے۔

حدیث موقوف حجّت شرعی ہونے کی وجہ

اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ عظام رضوان اللہ علیہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ و تربیت یافتہ قابلِ اعتماد و لائق اعتبار ہستیاں ہیں جن کے متعلق یہ ہی یقین کیا جا سکتا ہے کہ ان حضراتِ قدسیہ سے قولاً و فعلاً وہی صادر ہوا جو کچھ انھوں نے اپنے آقاء و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ وصحبہ وسلم سے دیکھا و سنا۔ دوسرا بہانا اس سے فرار ہونے کے لیے یہ بنایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اب بفضلہٖ تعالیٰ ان کے رد و ابطال میں یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ فضائل اعمال میں علماء محدثین و فقہاء کے نزدیک حدیث ضعیف بھی قابلِ عمل ہے جیسا کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کتابُ الاذکار (ص۷) پر بیان کرتے ہیں۔

فضائلِ اعمال اور ترغیب و ترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل مستحب ہے

قَالَ الْعُلَمَاءُ مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ وَالْفُقَهَاءِ وَ غَيْرُهُمْ يَجُوْزُ وَيُسْتَحَبُّ الْعَمَلُ فِي الْفَضَائِلِ وَ التَّرْغِيْبِ وَالتَّرْهِيْبِ بِالْحَدِيْثِ الضَّعِيْفِ مَالَمْ يَكُنْ مَوْضُوْعًا۔ علماء محدثین اور فقہاء اور ان سے علاوہ نے

بھی کہا ہے کہ فضائلِ اعمال اور ترغیب و ترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز و مستحب ہے بشرطِ وہ موضوع نہ ہو۔ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ فضائلِ اعمال اور ترغیب و ترہیب میں محدثین کرام کے نزدیک حدیث ضعیف پر عمل صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے۔ مزید اس پر تفسیر روح البیان سے حوالہ ملاحظہ ہو۔

حدیث ضعیف کے عملیات میں

قابلِ قبول ہونے پر دُوسرا حوالہ

يَقُولُ الْفَقِيرُ قَدْ صَحَّ عَنِ الْعُلَمَاءِ تَجْوِيزُ الْأَخْذِ بِالْحَدِيثِ الضَّعِيفِ فِي الْعَمَلِيَاتِ۔

صاحبِ تفسیر علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عملیات میں حدیث ضعیف پر عمل کا جائز ہونا علماء نے صحیح قرار دیا ہے فتاویٰ شامی جلد اوّل کی عبارت یوں ہے۔

تیسرا حوالہ

حَيْثُ قَالَ هَلْ يَجُوزُ لِلْإِنْسَانِ الْعَمَلُ بِالضَّعِيفِ مِنَ الرِّوَايَةِ فِي حَقِّ نَفْسِهِ نَعَمْ اذا كَانَ لَهُ رَأْيٌ أَمَّا اذا كَانَ عَامِيًّا فَلَمْ أَرَهُ لَكِنَّ مُقْتَضَى لِتَقْيِيدِهِ بِذِي الرَّأْيِ إِنَّهُ لَا يَجُوزُ لِلْعَامِي ذَالِكَ قَالَ فِي خَزَانَةِ الرِّوَايَاتِ الْعَالِمُ الَّذِي

يَعْرِفُ مَعْنَى النُّصُوْصِ وَالْاَخْبَارِ وَهُوَ مِنْ اَهْلِ الدِّرَايَةِ يَجُوْزُ لَهُ الْعَمَلُ عَلَيْهَا۔

اس سوال کے جواب میں کہ کیا انسان کو اپنی نفس ذات کے لیے ضعیف روایت پر عمل کرنا جائز ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، ہاں جائز ہے بشرطِ عامل صاحبِ رائے ہو۔ بہرحال جبکہ عمل کرنے والا عام آدمی ہو جس کے پاس رائے فی الدین کی اہلیت ہی نہ ہو لیکن اس کا حال مقتضی ہے، صاحبِ رائے سے پوچھنے کی قید لگائی جائے اس لیے کہ عامی کو اس پر عمل جائز نہیں۔ خزانۃ الروایات میں کہا ہے:

عالمِ دین ہونے کی کیا شرط ہے؟

عالم دین وہ ہے جو نصوص واخبار یعنی قرآن و حدیث کا معنی سمجھتا ہو اور وہ اہلِ درایہ سے ہے اسی کو اس پر عمل جائز ہے۔

وضاحت: فتاویٰ شامی کی اس عبارت میں دو شرطوں کے ساتھ ضعیف روایت پر عمل کو جائز رکھا گیا ہے۔ اوّل یہ کہ جس کام پر عمل کر رہا ہے اس کا تعلق اس کی ذات سے ہو یعنی اس کا تعلق تعزیرات و حقوق یا مشترکہ معاملات یا حرام وحلال اور اعتقادیات سے نہ ہو۔ دوم یہ کہ ضعیف روایت پر عمل کرنے والا خود صاحب الرائے ہو جو کہ قرآن و حدیث پر پوری طرح دسترس رکھتا ہو تاکہ ضعیف روایت پر عمل کرنے سے کسی نص یا قوی روایت کی مخالفت کا ارتکاب نہ کر بیٹھے۔ نیز اگر عامل خود رائے کا اہل نہ ہو تو ضروری ہے کہ کسی عالم، صاحب الرائے سے پوچھ کر اس پر عمل کرے۔

بندۂ عاجز یہاں پر یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ جب کسی ضعیف روایت پر عمل عام ہو کہ خاص و عام سب کرتے ہوں تو اس صورت میں عمل کرنے کے لیے صاحب رائے ہونا یا صاحب رائے سے پوچھنا بھی ضروری نہیں ہے۔ اب اپنے اس قول کی تائید کے لیے فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز و درست ہے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق کتاب فَتْحُ الْمُبِیْنَ کی عبارت پیش کرتا ہوں۔

چوتھا حوالہ

فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے پر علماء کا اتفاق ہے۔

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰی جَوَازِ الْعَمَلِ بِالْحَدِیْثِ الضَّعِیْفِ فِیْ فَضَائِلِ الْاَعْمَالِ۔

فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کو علماء نے اتفاق سے جائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح مولوی قطب الدین صاحب نے 'مظاہر الحق' میں چھ رکعت صلوٰۃ الاوّابین کے متعلق لکھا ہے۔ اگرچہ ترمذی وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن فضائل اعمال میں عمل کرنا حدیث ضعیف پر جائز ہے۔

مخالفین سے حدیثِ ضعیف پر جواز عمل کا ثبوت

پانچواں حوالہ

اب اسی پر خود منکرین کے مولوی حافظ محمد لکھوی کی عبارت ملاحظہ ہو۔

لکھتے ہیں حدیث ضعیف فضائل عملاں وچہ قبول ن آئی بھی وچہ اخبار قیامت برزخ جنت دوزخ بھائی۔ احوال الآخرۃ اب تک مذکورہ دلائل وبیان سے روز روشن کی طرح واضح ہو چکا کہ فقہاء محدثین اور علماء اصولین کے نزدیک فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب میں حدیث ضعیف قابلِ قبول ہے، جب تک اس کا موضوع ہونا ثابت نہ ہو بلکہ مذکورہ اشیاء میں حدیث ضعیف پر عمل کو علمائے مستحب کہا ہے حتّٰی کہ ہمارا یہ مدعا کہ حدیث ضعیف پر عمل فضائلِ اعمال اور ترغیب وترہیب میں جائز ہے۔ اس کا ثبوت خود مخالفین کی کتابوں سے دیا جا چکا ہے، مگر صد حیف ان متعصب فرقہ پرستوں پر جو اہلِ حق اہلِ سنّت وجماعت کے عقائد ومعمولات کو غیر شرعی ثابت کرنے کے لیے بے باکی وبے خوفی سے نصوص قویہ و دلائلِ واضح کا انکار کر دیتے ہیں، نہ اصول کی پاسداری نہ قواعد کی پابندی بلکہ اپنے مقاصد ومطالب کے حصول میں اس قدر سرگرداں وخود رفتاں ہو جاتے ہیں کہ ان کو حقائق کی سوجھ ہی نہیں رہتی یہ ہی وجہ ہے کہ جن حقیقتوں اور صداقتوں پر دلالت قرآن وحدیث کر رہے ہیں اور جن پر کتبِ اصول اور کتبِ کلام اور کتب فقہ اور تفاسیر وشروحات سے بے شمار شواہد موجود ہیں یہ ان سے انکار کر رہے ہیں اور طریقہ مسلوکہ فی الدین کو احداث فی الدین کہہ رہے ہیں اور معمولاتِ قدیمہ کو رسوم جدیدہ کہہ رہے ہیں اور کارِ خیر کو کارِ شر کہہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسوں کے مکرو فریب اور احداث فی الدین وفتنہ فی الدین سے اہلِ ایمان کو محفوظ رکھے آمین ثمّ آمین بحرمتِ رسولہ الکریم۔

(باب دوم)

قبرستان میں تلاوت قرآن اور اذکار کے جائز و مشروع ہونے کے بیان میں اس میں پانچ فصلیں آئیں گی۔ فصل اوّل میں تلاوت قرآن کا احادیث مبارکہ سے دوم میں ذکر و اذکار کا احادیثِ مبارکہ سے ثبوت سوم میں دیگر کتب دینیہ سے ثبوت چہارم میں ان علماء کی کتب سے ثبوت جن کو منکرین بھی مانتے ہیں۔ پنجم میں خود منکرین کی کتب سے ثبوت۔

فصلِ اوّل

مقابر میں اموات مسلین کے لیے قرآن خوانی اوّل نص۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيْ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْ قُبُوْرَ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ رَأْسِ الْحَوْلِ فَيَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارُ۔ قَالَ كَانَ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ يَفْعَلُوْنَ ذَالِكَ۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۵۷۳)

محمد بن ابراہیم تیمی سے منقول ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کی ابتداء میں شہداء کرام کی قبور پر تشریف لاتے تھے تو پڑھتے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارُ۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفائے ثلٰثہ ابوبکر و عمر و عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کی سنت کے مطابق یوں ہی ہر سال جایا کرتے تھے۔ اس حدیث پاک میں مذکورہ آیت پارہ ۱۳ سورہ رعد کی ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم شہداءکرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قبور پُرنور پر پڑھا کرتے تھے۔

حدیث میں تین مسائل کا واضح ثبوت

اس حدیث شریف سے تین مسئلے ثابت ہوئے۔ اوّل یہ کہ قبور پر قرآن پڑھنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (دوم) اہلِ قبور کو مخاطب کرنا اور اعتقاد رکھنا کہ یہ سنتے ہیں، شرک و کفر نہیں کیونکہ مذکورہ بالا حدیث شریف میں خطاب کے صیغے موجود ہیں اگر بقول وہابیہ مخاطب کرنا شرک ہوتا تو حدیث میں ایسا قطعاً نہ کہا جاتا۔

(سوم) بزرگانِ دین کے مزارات کی زیارت کے لیے اور عرسوں کے لیے ایام کا تعین اس حدیث سے استنباط ہو سکتا ہے اس لیے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے ثلثہ رضوان اللہ علیہم کا معمول تھا وہ ہر سال کی ابتداء میں شہداءکرام کی قبور پر تشریف لاتے اور آخر سال یا درمیان میں تشریف نہ لاتے ممکن ہے کہ یہ ایام ان کی شہادت کے ایام کی مناسبت سے معین ہوں۔

نص دُوم

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

يَأْتِي قُبُوْرَ الشُّهَدَآءِ فَاِذَا اَتٰى فُرْضَةَ الشِّعْبِ قَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ ثُمَّ كَانَ اَبُوْبَكْرٍ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ وَكَانَ عُمَرُ بَعْدَ اَبُوْبَكْرٍ يَفْعَلُهٗ وَكَانَ عُثْمَانُ بَعْدَ عُمَرَ يَفْعَلُهٗ۔ قَالَ الْوَاقِدِيُّ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزُوْرُهُمْ كُلَّ حَوْلٍ فَاِذَا بَلَغَ نَقْرَةَ الشِّعْبِ يَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ ثُمَّ كَانَ اَبُوْبَكْرٍ بَعْدَ النَّبِيِّ يَفْعَلُهٗ ذَالِكَ كُلَّ حَوْلٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ وَكَانَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَاْتِيْهِمْ فَتَبْكِيْ عِنْدَهُمْ وَتَدْعُوْلَهُمْ وَكَانَ سَعْدُ يُسَلِّمُ ثُمَّ يُقْبِلُ عَلٰى اَصْحَابِهٖ فَيَقُوْلُ اَلَا تُسَلِّمُوْنَ عَلٰى قَوْمٍ يَرُدُّوْنَ عَلَيْكُمْ ثُمَّ حَكٰى زِيَارَتَهُمْ عَنْ اَبِيْ سَعْدٍ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَاُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَلْبِدَايَةُ وَالنِّهَايَةُ لِلْحَافِظِ اِبْنِ كَثِيْرِ الدِّمَشْقِيْ، جلد ۳ ص۴۵۔

زیارتِ قبور سنتِ رسول اور سنتِ صحابہ ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم شہداء کرام کی قبور پر تشریف لایا کرتے تھے تو جب گھاٹی کے وسط میں آتے تو پڑھتے السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ

عُقْبَى الدَّار۔ پھر بعد از وصال سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسی سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق یونہی جا کر پڑھا کرتے تھے۔ پھر ان کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ یوں ہی کیا کرتے تھے پھر ان کے بعد حضرت عثمان کا بھی یوں ہی معمول رہا تھا۔ واقدی نے کہا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ان کی زیارت کیا کرتے تھے تو جب گھاٹی کے درمیان پہنچتے تو پڑھتے۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّار۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ پھر عمر و عثمان رضی اللہ عنہما اپنے اپنے دورِ خلافت میں یوں ہی کیا کرتے تھے اور حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان شہداء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قبور پر تشریف لایا کرتی اور ان کے پاس گریہ کناں ہوتی اور ان کے لیے دُعا کرتی اور حضرت سعد ان شہداء کو سلام کہتے اور اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوتے تو کہتے، تم انہیں ہرگز سلام نہیں دیتے جس کا وہ تمہیں جواب نہ دیتے ہوں۔

پھر ان ساتھیوں کو حضرت ابوسعید و ابوہریرہ و عبداللہ ابن عمر و ام سلمہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا شہداء کی قبور کی زیارت کرنے کا واقعہ بیان کرتے۔

نص سوم

اَخْرَجَ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَمُحَمَّدِ بْنِ نَصْرٍ وَابْنِ حُبَانَ وَالطَّبَرَانِیُّ وَالْحَاكِمُ وَالْبَيْهِقِیُّ فِی شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ اِنَّ

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ ۔

اللہ کی رضا کے لیے یٰسٓ پڑھنے پر خوشخبری

قَالَ یٰسٓ قَلْبُ الْقُرْاٰنِ لَا یَقْرَءُ ھَا عَبْدٌ یُّرِیْدُ اللّٰہَ وَالدَّارَ الْاٰخِرَۃِ اِلَّا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ فَاقْرَؤُھَا عَلٰی مَوْتٰکُمْ ۔

تفسیر در منشور زیر تفسیر سورۃ یٰسین مذکورہ محدثین نے معقل بن یسار سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سورۃ یٰسین قرآن کا دل ہے نہیں پڑھتا اسے کوئی شخص جو طالب خدا اور طالب دار آخرت ہو مگر اس کے سابقہ تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں پس اسے اپنے فوت شدگان کے پاس پڑھو۔

نص چہارم

اَخْرَجَ اِبْنِ مَرْدَوِیَہٖ وَالدَّیْلَمِیُّ عَنْ اَبِیْ دَرْدَاءِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مَیِّتٍ یُقْرَءُ عِنْدَہٗ یٰسٓ اِلَّا ھَوَّنَ اللّٰہُ عَلَیْہِ ۔

تفسیر در منشور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ نہیں ہے کوئی میت جس کے پاس سورۃ یٰسین پڑھی جائے مگر اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر آسانی فرما دیتا ہے ———

نص پنجم

وَاَخْرَجَ اِبْنُ سَعْدٍ وَاَحْمَدُ فِیْ مُسْنَدِہٖ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَتِ الْمَشْیَخَۃُ یَقُوْلُوْنَ اِذَا قُرِءَتْ یٰسٓ عِنْدَ الْمَیِّتِ خُفِّفَ عَنْہُ بِہَا۔ تفسیر درمنثور۔

ابن سعد نے اور امام احمد نے اپنی مسند میں صفوان ابن عمر سے روایت کی ہے کہ اس نے بیان کیا ہے کہ مشائخ عظام کہتے ہیں کہ جب میت کے پاس سورۃ یٰسین پڑھی جائے اس کی برکت سے اس پر آسانی کی جاتی ہے۔

نص ششم

کھانے پر قرآن پڑھنا باعث برکت ہے۔

وَاَخْرَجَ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ عَنْ اَبِیْ قِلَابَۃَ قَالَ مَنْ قَرَءَ یٰسٓ غُفِرَلَہٗ وَمَنْ قَرَءَھَا عِنْدَ طَعَامٍ خَافَ قِلَّتَہٗ کَفَاہُ وَمَنْ قَرَءَھَا عِنْدَ مَیِّتٍ ھُوِّنَ عَلَیْہِ وَمَنْ قَرَءَھَا عِنْدَ اِمْرَءَۃٍ عُسِرَ عَلَیْھَا وَلَدُھَا یُسِرَ عَلَیْھَا وَمَنْ قَرَءَھَا کَاَنَّمَا قَرَءَ الْقُرْاٰنَ اِحْدٰی عَشْرَ مَرَّۃً وَلِکُلِّ شَیْءٍ قَلْبٌ قَلْبُ الْقُرْاٰنِ یٰسٓ قَالَ الْبَیْہَقِیُّ ھٰکَذَا نُقِلَ اِلَیْنَا عَنْ اَبِیْ قِلَابَۃَ وَھُوَ مِنْ کِبَارِ التَّابِعِیْنَ وَلَا یَقُوْلُ ذَالِکَ اِنْ صَحَّ عَنْہُ اِلَّا بَلَاغَۃً۔ (تفسیر درمنثور)

امام بیہقی نے شعب الایمان میں ابو قلابہ کی سند سے لکھا ہے۔ اس نے کہا، جس نے سورۃ یٰسین کو پڑھا اس کی بخشش ہو جائے گی اور جس نے اس کو کھانے پر پڑھا، جس کی کمی کا اسے خوف ہو وہ اس کو کافی ہو جائے گا، اور جس نے اس کو میت کے پاس پڑھا اس پر معاملہ آسان ہو جائے گا، اور جس نے اسے عورت کے پاس پڑھا، جس کو بچہ پیدا ہونے میں دشواری ہو اس پر آسانی ہو گی اور جس نے اس سورت کو ایک بار پڑھا گویا کہ اس نے گیارہ بار قرآن کو پڑھا اور ہر چیز کے لیے دل ہوتا ہے قرآن کا دل یٰسین ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اسی طرح ہی یہ روایت ابو قلابہ سے ہم کو پہنچی ہے اور ابو قلابہ جلیل القدر تابعین میں سے ہیں، یقیناً وہ اسے نہیں بیان کرتے مگر جس کا پہنچنا اس تک صحیح ہو۔

اس مذکورہ بالا روایت میں مندرجہ ذیل باتیں غور طلب ہیں۔ اوّل یہ کہ امام بیہقی نے اس کے راوی پر پوری طرح اعتماد کا اظہار کیا۔ دوم اس کے راوی ابو قلابہ رضی اللہ عنہ تابعی ہیں اور فقہا و محدثین کے نزدیک تابعی کی بیان کردہ روایت میں اگرچہ بظاہر علامت رفع نہ بھی ہو مگر اس میں اجتہاد و رائے کو دخل نہیں نیز اس میں کسی عمل پر مخصوص ثواب یا عقاب کا ذکر ہے تو اس وقت وہ بھی حکماً حدیث مرفوع شمار ہو گی۔ اب اس مذکورہ اصول کو دیکھیں پھر اس مذکورہ روایت پر غور کریں کہ اسے پڑھنے پر دو مخصوص اجروں کا بیان ہے ایک یہ کہ جو سورۃ یاسین کو پڑھے اس کی بخشش ہو جائے گی، دوسرا یہ کہ جو اسے پڑھے اس کو گیارہ مرتبہ قرآن پڑھنے کے برابر اجر ملے گا۔ سوم اس روایت سے معلوم ہوا کہ کھانے پر قرآن شریف پڑھنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ باعث برکت بھی ہے مگر صد افسوس ان وہابیوں،

دیو بندیوں کی عقل و فہم پر اور صد حیف ان کی ہٹ دھرمی پر جو صدا یہ ہی شور مچاتے آئے ہیں کہ جی کھانے کو سامنے رکھ کر قرآن پڑھنا بدعت ہے اور اسے کھانا ناجائز و حرام ہے اس کا کوئی شرعی ثبوت نہیں۔ اب ان سے پوچھا جائے کیا یہ حدیث تمہارے نزدیک شرعی ثبوت نہیں؟ چلو پھر تم ہی کوئی شرعی دلیل پیش کرو جس سے یہ ثابت ہو جائے وہ حرام ہو جاتا ہے جیسا کہ قاعدہ ہے کہ کسی چیز کی حلت و حرمت کو ثابت کرنے کے لیے دلیل شرعی کا لانا لازمی ہے۔ ہاں البتہ اگر کسی چیز کی حرمت پر کوئی دلیل نہیں اور وہ چیز کسی حرام چیز کے مشابہ بھی نہیں تو وہ حلال ہی ہے اس کی حرمت کا کوئی ثبوت نہ ہونا اور اس کا کسی حرام چیز کے مشابہ نہ ہونا ہی اس کے لیے شرعی دلیل ہے اور کسی نئی دلیل کی حاجت نہیں۔

اب یہ تو وہابی و دیوبندی ہی بتائیں گے کہ کھانا سامنے رکھ کر اس پر قرآنِ پاک پڑھنا یہ کس دلیل قطعی الدلالت شرعی سے حرام ہے۔ یا یہ بتائیں کہ یہ کونسی حرام چیز سے مشابہ ہے؟ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ میرے سنی حنفی بریلوی بھائیو! نہ انھوں نے اب تک اپنے اس دعویٰ لغویہ پر کوئی دلیل پیش کی اور نہ ہی کر سکیں گے۔

درحقیقت یہ لوگ اس ارشادِ خداوندی کے مصداق ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۭ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ۔

تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو وہ جو اللہ نے تمہارے لیے رزق اُتارا، اس میں تم نے اپنی طرف سے حرام و حلال ٹھہرا لیا، تم فرماؤ کیا اللہ نے اس کی تمہیں

اجازت دی یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔

بات ذرا طول میں پڑ گئی، موضوع یہ چل رہا تھا کہ قبرستان میں اہلِ قبور کے لیے قرآن مجید پڑھنا احادیث سے ثابت ہے اور اس کا منکر کاذب ہے۔

ہر جمعہ میں والدین کی قبر کی زیارت کی فضیلت

(نص ششم)

وَاَخْرَجَ ابْنُ النَّجَّارِ فِیْ تَارِیْخِہٖ عَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ زَارَ قَبْرَ وَالِدَیْہِ اَوْ اَحَدَھُمَا فِیْ کُلِّ جُمُعَۃٍ فَقَرَءَ عِنْدَھُمَا یٰسٓ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ بِعَدَدِ کُلِّ حَرْفٍ مِنْھَا۔ (تفسیر درمنثور) لِلْعَلَّامَۃِ جَلَالُ الدِّیْن سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

اس حدیث کو ابن نجار نے اپنی کتاب تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے اپنے والدین دونوں یا ان میں سے ایک کی قبر کی ہر جمعہ کو زیارت کی، پس ان کے پاس سورۃ یٰسین کو پڑھا اللہ تعالیٰ اس سے اتنے گناہ مٹا دے گا جتنے اس کے حروف ہیں۔"

اس حدیث شریف سے بھی ثابت ہوا کہ اہلِ قبور کے پاس تلاوتِ قرآن صرف جائز ہی نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے اس پر بہت بڑے اجر کی خوشخبری و بشارت دی مگر نہ جانے ان بدبختوں

کو اہلِ قبور سے کیا دشمنی و عداوت ہے کہ انہیں اس خیر و برکت سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے سب اہلِ ایمان کو محفوظ رکھے آمین ثم آمین بجاہِ سیّد المرسلین۔

نص ہفتم

عَنْ مُعْقِل بْنِ یَسَارٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَءَ یٰسٓ اِبْتِغَاءَ وَجْہِ اللّٰہِ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ فَاقْرَؤُھَا عِنْدَ مَوْتٰکُمْ (کنز العمال جلد اول صفحہ ۵۸)

معقل بن یسار بیان کرتے ہیں، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جس نے سورۃ یٰسین کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہوں کو مٹا دے گا۔ پس اسے اپنے فوت شدگان کے پاس پڑھو۔"

نص ہشتم

شہداء بدر کی زیارت کا حکم

عَنْ عُبَیْدِ بْنِ عُمَیْرٍ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ انْصَرَفَ مِنْ اُحُدٍ مَرَّ عَلٰی مُصْعَبِ بْنِ عُمَیْرٍ وَھُوَ مَقْتُوْلٌ عَلٰی طَرِیْقَتِہٖ فَوَقَفَ عَلَیْہِ فَدَعَا لَہٗ ثُمَّ قَرَءَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیْہِ الآیَۃَ قَالَ اَشْھَدُ

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ شُهَدَآءُ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأْتُوْا وَزُوْرُوْهُمْ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُسَلِّمُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِلَّا رُدُّوْا عَلَيْهِ۔ اَلْبِدَايَةُ وَالنِّهَايَةُ۔

(جلد ۴، ص ۴۴)

عبید بن عمیر حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگِ احد سے واپس ہوتے تو اس کا گزر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس سے ہوا اور اس کی جائے شہادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی راستہ پر تھی، پس اس کی قبر پر وہ ٹھہر گئے تو ان کے لیے دعا فرمائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتیں تلاوت کیں، مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ آخر تک۔ فرمایا میں گواہ ہوں بلاشبہ یہ لوگ شہید ہیں۔ اللہ کے ہاں روزِ قیامت شہداء ہوں گے۔ تم ان کے پاس آؤ اور ان کی زیارت کرو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، قیامت تک کوئی ایک بھی سلام کہنے والا نہیں جسے وہ جواب نہ دیتے ہوں۔

وضاحت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم کا یہ ارشاد کہ میں گواہ ہوں بے شک یہ لوگ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں شہداء ہوں گے اس کی وجہ ایک تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے آخرت کے مقام کو دیکھ کر اس کی خبر دی کہ یہ اللہ کے ہاں بھی شہید ہیں کیونکہ بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کا ظاہری حال دیکھنے سے تو وہ شہید معلوم ہوتے ہیں مگر روزِ آخرت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا شمار شہیدوں میں نہ ہوگا،

جیسا کہ ریا کاری کے لیے لڑنے والے اور بد عقیدہ لوگ۔ دوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے مراد کہ یہ لوگ اللہ کے ہاں روزِ قیامت شہداً ہوں گے' یہ ہے کہ ــــ روزِ قیامت اپنے زائرین کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں گواہ ہوں گے کہ یا اللہ یہ لوگ دور دراز سے ہماری قبور پہ آکر ہمیں سلام دیتے اور ہمارے لیے ایصالِ ثواب اور دُعائے خیر کرتے تھے گویا کہ ان کی یہ گواہی زائرین کے حق میں خدا تعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں شفاعت ہوگی۔

اموات مؤمنین زائرین قرآن پڑھنے والوں کے لیے روزِ قیامت شفاعت کرینگے

اس کی تائید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے سعد بن زنجانی کی کتاب فوائد کے حوالے سے مخالفین نے بھی اپنے فتاویٰ اہلِ حدیث میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان سے گزرے اور سورۃ فاتحہ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ کر کہے یا اللہ میں نے جو تیرا کلام پڑھا ہے اس کا ثواب اس قبرستان کے مومن مُردوں کو بخشا، وہ مُردے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے حق میں سفارش کریں گے۔ تو لہٰذا جب عام مؤمنین کا اپنے ایصالِ ثواب کرنے والوں کے لیے شفاعت کرنا ثابت ہوا تو جو خاصانِ جناب باری تعالیٰ مثل انبیاء و اولیاء و شہداء وہ اپنے زائرین اور ایصال ثواب کرنے والوں کے لیے کیوں نہیں شفاعت کریں گے؟ لہٰذا اس حدیثِ پاک سے ثابت ہوا کہ شہداءِ کرام رضوانُ اللہ

علیہم اجمعین اپنے حواس سلیمہ کے ساتھ زندہ ہیں۔ پھر اگر جہادِ اصغر میں اپنی جان کو جانِ آفرین کی رضا میں دینے والے زندہ اور قرآن و حدیث کے حوالے سے عند اللہ رزق حاصل کرتے ہیں تو حضرات قدسیہ اولیاء اللہ جہادِ اکبر یعنی جہادِ بالشَّیْطَانَ وَبِالنَّفْسِ الْاَمَّارَۃ میں اپنی جان کو خالقِ جان کے حوالے کرنے والے زندہ کیوں نہ ہوں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً۔ جس نے نیک عمل کیے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو ضرور ہم اسے اچھی زندگی جلائیں گے۔ نیز اگر جہادِ اصغر اور جہادِ اکبر میں اپنی جان دینے والے زندہ ہیں تو جن کے نام پر سر کٹوانا ہی شہادت ہے یعنی انبیاء علیہم السلام وہ خود زندہ کیوں نہ ہوں، اگر کوئی سو جان بھی دے مگر جب تک وہ نبی کا دیا ہوا کلمہ نہیں پڑھتا اور نبی کی صدقِ دل سے تعظیم و توقیر نہیں کرتا تو ہرگز شہید نہیں۔

(نص نہم)

سورۃ یٰسین پڑھنے میں دس برکتیں

وَفِي الْحَدِيْثِ، اِقْرَؤُا يٰسٓ فَاِنَّ فِيْهَا عَشَرَ بَرَكَاتٍ مَا قَرَءَ جَائِعٌ اِلَّا شَبِعَ وَمَا قَرَءَهَا عَارٍ اِلَّا اُكْتُسِيَ وَمَا قَرَءَهَا اَعْزَبُ اِلَّا تَزَوَّجَ وَمَا خَائِفٌ اِلَّا اُمِنَ وَمَا قَرَءَهَا مَسْجُوْنٌ اِلَّا فُرِجَ وَمَا قَرَءَهَا مُسَافِرٌ اِلَّا اُعِيْنَ عَلٰى سَفَرِهٖ وَمَا

قَرَءَهَا رَجُلٌ ضَلَّتْ لَهُ ضَالَّةٌ اِلَّا وَجَدَهَا وَمَا قُرِءَتْ عِنْدَ مَيِّتٍ اِلَّا خُفِّفَ عَنْهُ وَمَا قَرَءَ هَا عَطْشَانٌ اِلَّا رُوِيَ وَمَا قَرَءَهَا مَرِيْضٌ اِلَّا بُرِءَ۔

وَفِي الْحَدِيْثِ، مَنْ دَخَلَ الْمَقَابِرَ وَقَرَءَ سُوْرَةَ يٰسٓ خُفِّفَ عَنْهُمْ يَوْمَئِذٍ وَكَانَ لَهُ بِعَدَدِ مَنْ فِيْهَا حَسَنَاتٌ۔ (تفسیر روح البیان جلد ۷)

[زیر تفسیر سورہ یٰسین ترجمہ :۔]

اور حدیث میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے فرمایا۔ سورۃ یٰسین کو پڑھو، پس تحقیق اس میں دس برکتیں ہیں۔ نہیں پڑھتا اسے کوئی بھوکا مگر سیر کیا جاتا ہے اور نہیں پڑھتا اسے کوئی برہنہ مگر اسے لباس عطا کیا جاتا ہے اور نہیں پڑھتا اسے کوئی غیر شادی شدہ! مگر اس کا نکاح کیا جاتا ہے اور نہیں پڑھتا اسے کوئی خوف زدہ! مگر اسے امن دیا جاتا ہے اور نہیں پڑھتا اسے کوئی قیدی! مگر رہا کیا جاتا ہے اور نہیں پڑھتا اسے کوئی مسافر مگر سفر پر! مدد دیا جاتا ہے اور نہیں پڑھتا اسے کوئی شخص جس کی کوئی چیز گم ہو جائے، مگر اسے پا لیتا ہے اور نہیں پڑھی جاتی یٰسین میت کے پاس! مگر اس سے تخفیف کی جاتی ہے اور نہیں پڑھتا اسے کوئی پیاسا مگر اسے پلایا جاتا ہے اور نہیں پڑھتا اسے کوئی مریض مگر شفاء دیا جاتا ہے۔

قبرستان میں یٰسین پڑھنے سے پورا دن ان سے عذاب میں تخفیف کی جائے گی

اور ایک حدیث میں ہے جو قبرستان میں داخل ہو اور سورۃ یٰسین شریف کو پڑھا اس دن تمام اہلِ قبور سے تخفیف کی جائے گی اور اس پڑھنے والے کو ان سب کے برابر نیکیاں ملیں گی جتنے اس قبرستان میں اہلِ قبور ہیں۔

باپ کی بیٹے کو بوقتِ دفن قبر پر قرآن پڑھنے کی وصیت

(نص دہم)

وَاَخْرَجَ الطِّبْرَانِیُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَلَاجِ قَالَ قَالَ لِیْ اَبِیْ یَا بُنَیَّ اِذَا وَضَعْتَنِیْ فِیْ لَحْدِیْ فَقُلْ بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ثُمَّ سُنَّ عَلَیَّ التُّرَابَ سَنًّا ثُمَّ اِقْرَأْ عِنْدَ رَأْسِیْ بِفَاتِحَۃِ الْبَقَرَۃِ وَخَاتِمَتِھَا فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ ذَالِکَ۔

طبرانی نے عبدالرحمٰن بن علاء بن حلاج سے نقل کیا ہے: عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ میرے باپ نے مجھے وصیت کی کہ اے میرے بیٹے! جب مجھے میری قبر میں اتارا جائے تو پڑھنا بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ پھر مجھ پر مٹی ڈالنا اس کے بعد میرے سر کی طرف سورۃ بقرہ کی اوّل آیات اور اس کی آخری آیات پڑھنا۔ پس تحقیق میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ (شرح الصدور ص ۶۹)

مذکورہ بالا حدیث مرفوع ہے جس سے قبور پر قرآن پاک پڑھنا ثابت ہو رہا ہے۔ مزید تائید کے لیے اسی شرح صدور کے صفحہ ۲۱۰ کی عبارت

لکھی جاتی ہے ملاحظہ ہو۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :۔

مقابر میں قرآن پڑھنا مرفوع حدیثوں سے ثابت ہے

مِنَ النَّوَادِرِ فِي ذَالِكَ مَا تَقَدَّمَ فِي بَابِ مَا يُقَالُ عِنْدَ الدَّفْنِ عَنْ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ وَالْعَلَاءِ بْنِ الْحَلَاجِ مَرْفُوْعًا كِلَاهُمَا۔

اور اس کے متعلق یعنی قبرستان میں قرآت قرآن کے متعلق وارد حدیثیں جو پہلے اس باب میں گزر چکیں کہ دفنِ میت کے وقت کیا پڑھا جائے، حدیث ابنِ عمر اور علاء بن حلاج والی دونوں ہی مرفوع ہیں۔ برادرانِ اسلام خود غور کریں کہ حضرت علامہ جلالِ ملت والدین جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ دونوں حدیثوں کو مرفوع کہہ رہے ہیں اور علاوہ ازیں بھی انشاء اللہ تعالیٰ مرفوع حدیثیں آگے آئیں گی مگر افسوس ان وہابیوں کی عقل وسوجھ پر جو سرے سے ہی مقابر میں قرآت قرآن کے جواز کا انکار کر رہے ہیں۔

نص یازدہم

وَاَخْرَجَ الْخَلَالُ فِي الْجَامِعِ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ كَانَتِ الْاَنْصَارُ اِذَا مَاتَ لَهُمُ الْمَيِّتُ اَخْتَلَفُوْا اِلٰى قَبْرِهٖ يَقْرَؤُنَ لَهُ الْقُرْآنَ۔

اور خلال نے اپنی جامع میں شعبی سے نقل کیا ہے کہ شعبی نے بیان

کیا جب کوئی انصار سے فوت ہوتا تو وہ باری باری اس کی قبر کے پاس ہم جاتے اور اس کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن مجید پڑھتے۔

اس مندرجہ بالا روایت میں لفظ اِذ ظرفیہ ہے جو اپنے معنی عموم پر دلالت کر رہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم انصار کا یہ معمول تھا کہ جب بھی ان میں سے کسی کا وصال ہو جاتا تو اس کے ایصالِ ثواب کے لیے اس کی قبر پر جا کر تلاوتِ قرآن کرتے تھے۔

ایصالِ ثواب کے لیے سورۂ اخلاص گیارہ بار پڑھنے کی فضیلت

نص دوازدہم

وَاَخْرَجَ اَبُوْمُحَمَّدَ السَّمَرْقَنْدِیُّ فِیْ فَضَائِلِ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ عَنْ عَلِیٍّ مَرْفُوْعًا مَنْ مَرَّ عَلَی الْمَقَابِرِ وَقَرَءَ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ اَحَدَ عَشَرَ مَرَّةً ثُمَّ وَهَبَ اَجْرَهٗ لِلْاَمْوَاتِ اُعْطِیَ مِنَ الْاَجْرِ بِعَدَدِ الْاَمْوَاتِ۔

اور ابو محمد سمرقندی قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ کے فضائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ جو اہلِ قبور پر سے گزرا اور سورۂ اخلاص کو گیارہ مرتبہ پڑھا پھر اس کا ثواب اہلِ قبور کو بخشا اس کو ثواب ان فوت شدگان کی تعداد کے برابر دیا جائے گا۔

اموات مسلمین ثواب پہنچانے والے کی شفاعت کریں گے

نص سیزدہم

وَاَخْرَجَ اَبُو الْقَاسِمِ سَعْدُ بْنُ عَلِیِّ الزَّنْجَانِیُّ فِیْ فَوَائِدِہٖ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَخَلَ الْمَقَابِرَ ثُمَّ قَرَءَ فَاتِحَةَ الْکِتَابِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَاَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ جَعَلْتُ ثَوَابَ مَا قَرَءْتُ مِنْ کَلَامِکَ لِاَهْلِ الْمَقَابِرِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ کَانُوْا شُفَعَاءَ لَهٗ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی۔ (شرح الصدور ص۱۳۱)

ابوالقاسم سعد بن علی زنجانی کتاب فوائد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قبرستان میں داخل ہوا پھر سورہ فاتحہ کو اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو اور اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ کو پڑھا پھر کہا اے اللہ جو کچھ میں نے تیرے کلام سے پڑھا اس کا ثواب میں نے اہلِ قبور مؤمنین اور مؤمنات کو بخشا وہ اہلِ قبور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے شفیع ہوں گے۔

اہلِ ایمان سے انصاف کی درخواست

اس مقام پر اہلِ ایمان سے طالبِ انصاف ہو کر انصاف کا سوال کرتا ہوں کہ بتائیں جو دونوں حدیث میں ابھی سابقہ سطور پر لکھی جا چکی ہیں جن میں سے ایک کے راوی امیر المؤمنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جبکہ دوسری کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ دونوں حضرات نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً بیان کر رہے ہیں ان کے علاوہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث

اور علاء بن حلاج کی روایت کردہ حدیث ان سب میں واضح طور پر قبور پر تلاوت قرآن کا ثبوت ہے جنہیں حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الصدور میں مرفوع کہا ہے۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث منقول ہے جسے صاحب تفسیر روح البیان اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل یٰسین میں لکھنے کے بعد مرفوع کہا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کچھ مرفوع حدیثیں بندہ کی زیرِ نظر ہیں جن سب کا ذکر یہاں باعث طول بن جائے گا۔

القصہ سوال اہلِ ایمان سے انصاف کا تھا کہ اس قدر احادیث مرفوعہ کی موجودگی میں اور فقہاء و محدثین ومفسرین اور متکلمین کا اس مسئلہ میں کثیر الاتفاق واتحاد ہونے کے باوجود اس سے انکار وانحراف کرنا دین سے بغاوت اور بد دیانتی نہیں تو اور کیا ہے؟ میرے نزدیک تو مقابر پر تلاوتِ قرآن سے مانعین کا یہ جرم بھی ناقابلِ معافی ہے جو یہ ناعاقبت اندیش زندوں کو ایصال ثواب کی نیکی سے اور اپنے فوت شدہ گان مسلمان بھائیوں سے ہمدردی وخیر خواہی سے محروم رکھنے کی کوشش اور مُردوں کو اس عطیہ ثواب سے محروم رکھنے کی سازش کر رہے ہیں۔

دو حدیثوں سے چھ مسئلوں کا استنباط

نیز ان مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے چند مسائل ثابت ہوتے۔

اوّلاً یہ کہ بعد از تلاوت قرآن مجید دعا کرنا کہ یا اللہ جو کچھ میں نے تیرے کلام سے پڑھا اس کا ثواب فلاں حضرات کی ارواح کو بخشا اسے

قبول فرما۔ یہ حضور نبی کریم رؤف الرحیم کے مطابق بتلاتے ہوئے طریقہ کے مطابق ہے۔ ثانیاً یہ ثابت ہوا کہ دل کی نیت کے علاوہ زبان سے بھی اس کا اظہار کرنا تاکہ دل اور زبان کی آپس میں مطابقت ہو جائے مستحب ہے ثالثاً۔

یہ ثابت ہوا کہ کسی عمل کا ثواب فوت شدگان اہلِ ایمان کو ہبہ کرنا یہ واہب اور موہوب لہٗ دونوں کے لیے مفید ہے۔ واہب کا یہ فائدہ کہ اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے اور موہوب لہٗ کا یہ فائدہ کہ اس کی نجات تخفیفِ عذاب اور بلندی درجات کا ذریعہ بنتا ہے۔ (رابعاً) یہ ثابت ہوا کہ جتنی زیادہ ارواحِ مسلمین و مسلمات کو ایصالِ ثواب میں شامل کیا جائے اتنا ہی اس ثواب پہنچانے والے کا ثواب بھی بڑھے گا (خامساً) یہ ثابت ہوا کہ ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت صرف اہلِ ایمان کے لیے ہے۔ سادساً یہ ثابت ہوا کہ قرآن کی سورتوں کا ایصالِ ثواب کے لیے تعین کرنا بھی جائز ہے۔

فصلِ دوم

ان احادیث کا بیان جن میں تلاوتِ قرآن کے علاوہ اذکار کو بھی اہلِ قبور کے لیے مفید فرمایا گیا ہے۔

ذکر کی برکت سے قبر کشادہ ہوتی ہے

(حدیثِ اوّل) وَاَخْرَجَ اَحْمَدُ وَالْحَكِيمُ التِّرْمِذِيُّ وَالطَّبْرَانِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ

لَمَّا دُفِنَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ سَبَّحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَبَّحَ النَّاسُ مَعَهُ طَوِيْلًا ثُمَّ كَبَّرَ النَّاسُ ثُمَّ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لِمَ سَبَّحْتَ قَالَ لَقَدْ تَضَايَقَ عَلٰى هٰذَا الرَّجُلِ الصَّالِحِ قَبْرُهٗ حَتّٰى فَرَّجَ اللّٰہُ عَنْهُ۔

مذکورہ محدثین نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں:

جب حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کو سپرد خاک کیا گیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح پڑھی اور حاضرین نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طویل وقت تک تسبیح پڑھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر پڑھنا شروع کردی اور لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تکبیر کہنا شروع کردی۔ پھر لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے کس لیے تسبیح پڑھی؟

فرمایا تحقیق اس مرد صالح پر اس کی قبر تنگ ہوگئی تھی بعدازیں اللہ تعالیٰ نے اسے کشادہ کردیا (یعنی تسبیح و تکبیر کی برکت سے) شرح صدور صنف۔

(حدیث دوم) عَنْ عُثْمَانُ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ وَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ وَسَلُوْا لَهُ التَّثْبِيْتَ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْئَلُ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗد۔ (ریاض الصالحین ص ۳۱۳)

حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی

پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب دفنِ میت سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر ٹھہر جاتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے ثابت قدم رہنے کے لیے اللہ سے دعا کرو، پس بیشک ابھی اس سے سوالوں کا جواب پوچھا جائے گا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

ہمارے نبیؐ اہلِ قبور کے احوال کو بھی دیکھتے ہیں

حدیث سوم، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی قَبْرَیْنِ یُعَذَّبَانِ فَقَالَ اِنَّھُمَا لَیُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ اَمَّا اَحَدُھُمَا فَکَانَ لَا یَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَکَانَ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَۃِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِیْدَۃً رَطْبَۃً فَشَقَّھَا بِنِصْفَیْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِیْ کُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَۃً فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لِمَ صَنَعْتَ ھٰذَا فَقَالَ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّخَفَّفَ عَنْھُمَا مَا لَمْ یَیْبَسَا۔

(بخاری جلد اوّل ص ۱۸۲، مسلم جلد اوّل ص ۱۴۱)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر سے گزرے جنہیں عذاب ہو رہا تھا تو فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی کبیرہ گناہ کی وجہ سے نہیں ہو رہا۔ ان میں سے ایک ناپاکی پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا پھرتا تھا پھر ایک تازہ شاخ کو اپنے دستِ اقدس میں لے کر اسے چیر کر دو حصے

کردیا۔ پھر ہر ایک قبر پر ایک کو نصب کر دیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ کے ایسا کرنے میں کیا حکمت ہے۔ پس فرمایا اس لیے تاکہ ان دونوں کے عذاب میں تخفیف ہو جب تک شاخیں خشک نہ ہوں۔

اس مذکورہ بالا حدیثِ پاک کے اس جملہ سے وَمَا یُعَذِّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ سے شبہ پڑتا تھا، شاید یہ دونوں چھوٹے گناہ ہیں حالانکہ چغل خوری گناہِ کبیرہ ہے جس کی قرآن و حدیث میں مذمت کی گئی ہے اور پیشاب بھی ناپاکی غلیظہ ہے اس سے بھی عمداً نہ بچنا بہت برا ہے لہٰذا اس شبہ کو دور کرنے کے لیے شارح مسلم علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علماً کے اقوال یوں پیش کیے ہیں۔

وَقَدْ ذَکَرَ الْعُلَمَاءُ فِیْہِ تَاْوِیْلَیْنِ اَحَدُھُمَا اِنَّہٗ لَیْسَ بِکَبِیْرٍ فِیْ زَعْمِھِمَا وَالثَّانِیْ اِنَّہٗ لَیْسَ بِکَبِیْرٍ تَرْکُہٗ عَلَیْھِمَا وَحَکَی الْقَاضِیْ عِیَاضٌ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ تَاْوِیْلاً ثَالِثًا اَیْ لَیْسَ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ فَقُلْتُ فَعَلٰی ھٰذَا یَکُوْنُ الْمُرَادُ بِھٰذَا الزَّجْرُ وَالتَّحْذِیْرُ لِغَیْرِھِمَا اَیْ لَا یَتَوَھَّمُ اَحَدٌ اِنَّ التَّعْذِیْبَ لَا یَکُوْنُ اِلَّا فِیْ اَکْبَرِ الْکَبَائِرِ الْمُوْبِقَاتِ فَاِنَّہٗ یَکُوْنُ فِیْ غَیْرِھَا۔

تحقیق علماء نے اس میں دو تاویلیں بیان کی ہیں، ایک یہ کہ ان کے گمان میں وہ گناہ کبیرہ نہ تھا دوسری تاویل یہ کہ اس کا ترک ان پر کوئی بڑا مشکل کام نہیں تھا اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی تیسری تاویل یوں بیان کرتے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ یہ کوئی تمام کبائر

گناہوں سے بڑا نہیں ہے۔

شارح فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں پس علیٰ ہذا القیاس ہوگی۔ مراد اس سے زجر اور خوف دلانا ان دونوں کے علاوہ کو یعنی نہ کوئی گمان کر بیٹھے کہ تحقیق عذاب نہیں مگر بڑے سے بڑے گناہ ہلاکت والے میں پس البتہ وہ عذاب اس کے علاوہ میں بھی ممکن ہے۔

مقصد یہ کہ سب سے بڑا گناہ عذاب ہونے کے لیے شرط نہیں بلکہ تمام گناہ کبایر موجبِ عذاب ہیں اگر بخشش خدا اور رحمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم شامل حال نہ ہو۔ اسی حدیث کی شرح میں علامہ نووی علماء کا استدلال اس حدیث سے یوں بیان کرتے ہیں۔

جب شاخ کی تسبیح سے تخفیف عذاب کی امید ہے تو قرأتِ قرآن سے بدرجہ اولیٰ ہے

اَسْتَحَبَّ الْعُلَمَاءُ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ عِنْدَ الْقَبْرِ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ لِاَنَّہٗ اِذَا کَانَ یُرْجَی التَّخْفِیْفُ بِتَسْبِیْحِ الْجَرِیْدَۃِ فَبِتِلَاوَۃِ الْقُرْآنِ اَوْلٰی۔

اور علماء نے اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے قبر کے پاس تلاوتِ قرآن کو مستحب کہا ہے دلیل پیش کی کہ جب شاخ کی تسبیح سے تخفیفِ عذاب کی امید ہے تو تلاوت قرآن سے بدرجہ اولیٰ ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صحیح بخاری جلد اوّل میں لکھا ہے۔

قبر پر شاخیں نصب کرنے کی وصیت کرنا

صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کیا ہے کہ آپ نے وصیت کی تھی کہ بعد از وصال میری قبر پر دو شاخیں نصب کرنا۔ آپ کے اس وصیت کرنے میں بھی تین طرح کے مقصد کا احتمال ہے اول یہ کہ آپ کا مقصد اس وصیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم کے فعل مبارک کی اتباع سے برکت حاصل کرنا ہو۔ دوم یہ کہ آپ کا مقصد ان شاخوں کی تسبیحات سے نفع حاصل کرنا ہو۔ سوم یہ کہ آپ کا مقصد اس وصیت سے عام ہو یعنی مذکورہ دونوں قصدوں کو شامل ہو۔

قبور پر پھول پتیاں ڈالنے کا حدیث سے ثبوت

فائدہ مذکورہ بالا حدیث سے نہ صرف مقابر پر پھول پتیاں ڈالنے کا جواز ملا بلکہ اس کا مستحب ہونا ثابت ہوا کیونکہ جو مقصد تازہ شاخوں کی تسبیح سے تخفیف عذاب ہونے کا حاصل ہے وہی مقصد تازہ پھول پتیوں کی تسبیح سے حاصل۔

سرکار کے علم غیب کا ثبوت

(فائدہ دوم)

اس حدیث شریف میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم کے علم غیب کے منکرین کا صریح رد اور اہل سنت وجماعت کے اس عقیدہ

سعیدہ کا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعطائے خداوند کریم غیب جانتے ہیں واضح ثبوت ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اہلِ مقابر کے عذاب و راحت کا تعلق عالم برزخ سے ہے۔ اسے ظاہری آنکھوں سے دیکھنا یا ظاہری کانوں سے سننا ممکن نہیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان دونوں قبر والوں کے عذاب کو ملاحظہ فرما کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اس سے مطلع کرنا یہ آپ کے علمِ غیب پر صریح دلیل ہے۔

ہمارے نبی اُمّت کے اعمال سے واقف ہیں

(فائدہ سوم)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے اعمال سے بھی واقف ہیں اس کی واضح دلیل یہی حدیث ہے ورنہ عذاب میں گرفتاری کا سبب اور بھی کئی عمل سوء بن سکتے ہیں مگر نبی غیب دان صلی اللہ علیہ وسلم نے معین طور پر نام لے کر ارشاد فرمایا کہ ان دونوں میں سے ایک کو چغلی خوری کے باعث عذاب ہو رہا ہے اور دوسرے کو پلیدیٔ پیشاب سے نہ بچنے کے سبب۔

والدین کے لیے دُعائے مغفرت

کرنے والا بد بھی نیکوں میں شمار کیا جاتا ہے

حدیث چہارم: عَنْ اِبْنِ سِیْرِیْنَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرَّجُلَ یَمُوْتُ وَالِدَاہُ

وَهُوَ عَاقٌ لَّهُمَا فَيَدْعُو اللّٰهَ لَهُمَا مِنْ بَعْدِهِمَا فَيَكْتُبُهُ اللّٰهُ مِنَ الْبَارِّيْنَ اِحْيَاءُ الْعُلُوْم (جلد ۴ صفحہ ۴۹)

ابن سیرین سے ہے، وہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس آدمی کے والدین فوت ہو جائیں اور ان کی زندگی میں وہ ان کا نافرمان رہا پس وہ ان کی موت کے بعد اللہ سے ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اسے نیک کاروں میں لکھ دے گا۔

زندوں کی دُعا سے اہلِ قبور کو پہاڑوں کے برابر ثواب ملتا ہے

حدیث پنجم: وَاَخْرَجَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَالدَّيْلَمِيُّ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْمَيِّتُ فِيْ قَبْرِهٖ اِلَّا شَبَهُ الْغَرِيْقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ وَلَدٍ اَوْ صَدِيْقٍ ثِقَةٍ فَاِذَا لَحِقَتْهُ كَانَتْ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَيُدْخِلُ عَلٰى اَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اِمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدِيَّةَ الْاَحْيَاءِ اِلَى الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ۔ (شرح الصدور ص ۲۰۶)

ترجمہ: بیہقی نے شعب الایمان میں اسے لکھا اور دیلمی نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا، فرمایا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، نہیں ہے میت قبر میں مگر ڈوبتے ہوئے فریاد کرنے والے کی طرح انتظار کرتا ہے وہ دعا کی کہ اسے باپ یا ماں کی طرف سے یا اولاد یا پکے دوست کی طرف سے۔ پس جب اسے پہنچتی ہے زیادہ پسند ہوتی ہے اس کے نزدیک دنیا اور مَا فِیھَا سے اور بے شک اللہ تعالیٰ البتہ داخل کرتا ہے اہلِ قبور پر زمین والوں کی دعاؤں سے پہاڑوں کے برابر خیر و برکت تحقیق زندوں کا ہدیہ فوت شدگان کے ہاں ان کے لیے استغفار ہے۔

اسی حدیث کو حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ إحیاءُ العُلُوم جلد ۴ صد۴۹۲ پر کچھ متن کے فرق سے یوں لکھا ہے۔

میت زندوں کی دُعا کا منتظر رہتا ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا الْمَیِّتُ فِیْ قَبْرِہٖ اِلَّا کَالْغَرِیْقِ الْمُتَغَوِّثِ یَنْتَظِرُ دَعْوَۃً تَلْحَقُہٗ مِنْ اَبِیْہِ اَوْ اَخِیْہِ اَوْ صَدِیْقٍ لَہٗ فَاِذَا لَحِقَتْہُ کَانَتْ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا وَاِنَّ ھَدَایَا الْاَحْیَاءِ لِلْاَمْوَاتِ اَلدُّعَاءُ وَالْاِسْتِغْفَارُ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میت کی مثال قبر میں ڈوبتے ہوئے فریاد کرتے والے جیسی ہے وہ دعا کا منتظر ہوتا ہے کہ اسے باپ یا بھائی یا اس کے دوست کی طرف سے پہنچے۔ پس جب اسے پہنچتی ہے تو دنیا اور جو کچھ اس میں مال و متاع ہے اس سے بڑھ کر وہ اسے پسند ہوتی ہے اور بے شک زندوں کے ہدیے فوت شدگان کے

لیے دعا اور استغفار ہے۔ اس مذکورہ حدیث پاک سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ زندوں کی دعا اہلِ قبور کے لیے راحت و سکون کا سبب بنتی ہے تو دعا کا اطلاق عام ہے جو نماز تلاوتِ قرآن درود شریف اور ذکر اذکار سب کو شامل ہے۔

ڈوبنے والے اور میّت کی مشابہت کا بیان

دوم اس حدیث شریف میں اہل مقابر کو اس شخص سے تشبیہہ دی گئی ہے جو ڈوب رہا ہو اور جان بچانے کے لیے لوگوں سے فریاد کر رہا ہو۔ یہ تشبیہہ اس لیے دی گئی ہے کہ مشبہ لہٗ اور مشبہ بہٖ میں ایک تو یہ صورت مشترک ہے کہ جیسے ڈوبنے والے کے پاس کوئی اپنا ذاتی چارا نہیں ہوتا مصیبت سے نجات کے لیے دوسروں کا محتاج ہوتا ہے وہ اپنی مدد کے لیے اوروں کے سامنے فریاد کرتا ہے اسی طرح اہلِ قبور کے پاس بھی عذاب قبر سے نجات کے لیے کوئی ذاتی چارا نہیں ہوتا اس لیے کہ رفع عذاب کے لیے اعمال صالحہ کی ضرورت ہے اور قبر دار العمل نہیں بلکہ دار الحساب ہے۔ دار الاعمال تو دنیا ہے جسے حدیثِ پاک میں آخرت کی کھیتی کہا گیا ہے۔ تو اب جب وہ عالم برزخ میں گیا تو وہاں اعمال کا محل نہ رہا اور نہ ہی اسے اعمال کا موقعہ دیا جائے گا کہ وہ اپنی نجات کا سبب کرے اب وہ زندوں کی مدد کا اسی طرح محتاج ٹھہرا جیسے بھنور میں ڈوبنے والا۔

دوسری صورت مشبہ لہٗ اور مشبہ بہٖ کے درمیان اس تشبیہہ میں یہ مشترک ہے کہ جیسے پانی میں ڈوبنے والے کی پکار کو سن کر کوئی اسے ڈوبنے سے بچاتا ہے تو وہ بچانے والے کو دل و زبان سے دعائیں دیتا ہے اور اسے

اپنا محسن تسلیم کرتا ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ اس کی پکار سننے کے باوجود اسے غرق ہونے سے نہیں بچاتا تو وہ ڈوبنے والا اسے دل و زبان سے بد دعائیں دیتا ہے۔

اسی طرح حدیث مبارکہ میں ہے جیسے غیر مقلدین کے حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی نے اپنی کتاب احوالُ الآخرت میں اس کا ترجمہ پنجابی اشعار میں یوں کیا ہے ؎

نا اُمیـــد عشاقاں پچھے ہو کر آکھن یا خدایا
رحمت تیری انہاں خالی رکھیں جیون انہاں اسا بھلایا

فائدہ اس مندرجہ بالا حدیث مبارکہ میں دُعا و استغفار کو زندوں کی طرف سے فوت شدگان کے لیے ہدیہ کہا گیا ہے اس میں یہ نکتہ ہے کہ جیسے دنیاوی ہدیہ اہل دنیا غریب و امیر سبھی کو خوش کرتا ہے ایسے ہی اُخروی ہدیہ بھی نبی و ولی یا شہید اور خاص و عام صالح و غیر صالح سبھی کو خوش کرتا ہے اس سے یہ بھی اعتراض اُٹھ گیا جو اہلِ سنت والجماعت پر کیا جاتا ہے کہ تم انبیاء علیہمُ السلام اور اولیاء کرام و شہداء عظام کو ایصالِ ثواب کرتے ہو ان کو تمہارے ایصال ثواب کی کیا ضرورت ہے۔

نبیؐ کا ارشاد کہ میری اُمت قبروں میں گناہوں کے ساتھ داخل ہوگی اور گناہوں سے پاک اُٹھے گی

حدیث ششم: وَاَخرجَ الطِّبْرَانِیُّ فِی الْاَوْسَطِ بِسَنَدِہٖ عَنْ اَنَسٍ مَرْفُوْعًا اُمَّتِیْ اُمَّۃٌ مَرْحُوْمَۃٌ تَدْخُلُ قُبُوْرَهَا بِذُنُوْبِهَا وَتَخْرُجُ لَاذُنُوْبَ عَلَیْهَا یُمَحِّقُ

عَنۡهَا بِاسۡتِغۡفَارِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ۔ (شرح صدور ص۲۰۷)

طبرانی اوسط میں اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً حدیث روایت کی ہے کہ حضور سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت مرحومہ امت ہے قبور میں داخل ہوگی گناہوں کے ساتھ اور جب قبور سے اٹھے گی تو اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ سب ان سے مؤمنین کے استغفار کے باعث دھل جائیں گے۔

(فصل سوم)

احادیث کے علاوہ دیگر کتب سے حوالہ جات کے بیان میں۔

امام احمد بن حنبل حدیث سنتے ہی قرأت قرآن "للاموات" (دلیل اوّل) کے جواز کے قائل ہوگئے

وَلَا بَاسَ بِقِرَاءَةِ الۡقُرۡاٰنِ عَلَی الۡقُبُوۡرِ رُوِیَ عَنۡ عَلِیِّ بۡنِ مُوۡسَی الۡحَدَّادِ قَالَ کُنۡتُ مَعَ اَحۡمَدَ بۡنِ حَنۡبَلَ فِیۡ جَنَازَةٍ وَمُحَمَّدُ بۡنُ قُدَامَةَ الۡجَوۡهَرِیُّ مَعَنَا فَلَمَّا دُفِنَ الۡمَیِّتُ جَاءَ رَجُلٌ ضَرِیۡرٌ یَقۡرَءُ عِنۡدَ الۡقَبۡرِ فَقَالَ لَهٗ اَحۡمَدُ یَا هٰذَا اِنَّ قِرَاءَةَ عِنۡدَ الۡقَبۡرِ بِدۡعَةٌ فَلَمَّا خَرَجۡنَا مِنَ الۡمَقَابِرِ قَالَ مُحَمَّدُ بۡنُ قُدَامَةَ لِاَحۡمَدَ یَا اَبَا عَبۡدِ اللّٰهِ مَا تَقُوۡلُ فِیۡ مُبَشِّرِ بۡنِ اِسۡمَاعِیۡلَ الۡحَلَبِیِّ قَالَ ـــــ ثِقَةٌ قَالَ هَلۡ کَتَبۡتَ عَنۡهُ شَیۡئًا قَالَ نَعَمۡ قَالَ اَخۡبَرَنِیۡ مُبَشِّرُ بۡنُ اِسۡمٰعِیۡلَ عَنۡ عَبۡدِ الرَّحۡمٰنِ بۡنِ الۡعَلَاءِ بۡنِ الۡحَلَاجِ

عَنْ اَبِيْهِ اِنَّهٗ اَوْصٰى اِذَا دُفِنَ اَنْ يُّقْرَءَ عِنْدَ رَءْسِهٖ فَاتِحَةُ الْبَقَرَةِ وَخَاتِمَتُهَا وَقَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يُوْصِىْ بِذَالِكَ فَقَالَ لَهٗ اَحْمَدُ فَارْجِعْ اِلَى الرَّجُلِ نَقُلْ لَهٗ يَقْرَءُ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ الْمُرُوْزِىُّ سَمِعْتُ اَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ يَقُوْلُ اِذَا دَخَلْتُمُ الْمَقَابِرَ فَاقْرَؤُا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَاجْعَلُوْا ثَوَابَ ذَالِكَ لِاَهْلِ الْمَقَابِرِ فَاِنَّهٗ يَصِلُ اِلَيْهِمْ ۔ اِحْيَاءُ الْعُلُوْمِ ۔ (جلد چہارم ص ۴۹۲)

اہلِ قبور پر تلاوت قرآن میں مذائقہ نہیں۔ علی بن موسٰی حداد سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھا اور محمد بن قدامہ جوہری بھی ہمارے ساتھ تھے تو جب میت کو دفن کر لیا، ایک آدمی نابینا آیا اس نے قبر کے پاس قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا تو اسے امام احمد نے فرمایا۔

اے یہ قرآن پڑھنے والے تحقیق قبر کے پاس تلاوت قرآن کرنا بدعت ہے۔ پس جب ہم قبرستان سے باہر نکلے محمد بن قدامہ نے امام احمد سے کہا۔ اے ابو عبداللہ مبشر بن اسمٰعیل حلبی کے متعلق تو کیا کہتا ہے۔ کہا وہ ثقہ مرد ہے۔ اس نے کہا کیا آپ نے اس سے کچھ روایت لکھی ہیں؟ امام احمد نے کہا ہاں محمد بن قدامہ نے کہا کہ مبشر بن اسماعیل نے مجھے خبر دی ہے اس نے اپنے باپ عبدالرحمٰن بن علاء بن حلاج سے سنا کہ اس نے وصیت کی کہ جب اسے دفن کیا جائے اس کے سرہانے کی طرف سورۂ بقرہ کی ابتدائی و آخری آیات کو پڑھا جائے اور اس نے کہا کہ میں نے حضرت

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اسی کی وصیت کرتے سنا ہے پس یہ سنتے ہی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کہا ابھی لوٹ اس شخص کی طرف پس اسے کہے کہ قرآن مجید قبر کے پاس پڑھا کرے اور محمد بن احمد المروزی نے کہا کہ میں نے احمد بن حنبل کو کہتے سنا کہ جب تم قبرستان میں داخل ہو تو سورۃ فاتحہ اور قرآن پاک کے دونوں آخری قل اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو پڑھو اور اس کا ثواب اہلِ قبور کو بخشو پس یقیناً وہ انہیں پہنچتا ہے۔

علماء ربانی کو حق تسلیم کرنے سے دنیاوی عار مانع نہیں ہوتی

اس مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس واقعہ سے قبل مقابر کے پاس قرآن پاک پڑھنے کے متعلق کوئی حدیث نہ پہنچی تھی اسی لیے آپ نے اس نابینا قرآن پاک پڑھنے والے کو کہا کہ یہ بدعت ہے، مگر جب آپ کو معلوم ہوا کہ جلیل القدر صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے وصیت فرمائی کہ بعد از دفن اس کی قبر کے پاس سورۃ بقرہ کا اوّل و آخر پڑھا جائے تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف اپنے قول سے رجوع فرمایا بلکہ آپ قبل ازیں جسے منع فرما چکے تھے اب آپ حق بات کو تسلیم کرتے ہوئے اسے کہلا بھیجا کہ قرآن مجید کو مقابر کے پاس پڑھا کرے۔ ذرا غور کریں کہ ان علماء حق کو کس قدر خوف خدا تھا اور کتنے حق پسند تھے کہ حق بات خواہ اپنی رائے کے خلاف ہی کیوں نہ ہو مگر اسے تسلیم کرنے سے کوئی خفت و عار انہیں مانع نہ ہوتی اور دنیاوی عار کو آخرت کی عار کے خوف

سے حق گوئی میں حائل نہ ہونے دیتے تھے اور علی الاعلان حق کا اقرار کرتے تھے لیکن دورِ حاضر کے فِرَقِ باطلہ کے مبلغین و مصنفین اور مفسرین شارحین کو دیکھو جو کچھ بھی یہ کہہ دیں یا لکھ دیں خواہ وہ قرآن و حدیث کے سراسر مخالف و متضاد ہی کیوں نہ ہو۔ لاکھ جتن کرنے کے باوجود بھی اپنی غلطی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتے بلکہ اسی کو درست ثابت کرنے کے لیے من گھڑت دلائل کے انبار لگا دیتے ہیں اور اپنی کہی ہوئی یا لکھی ہوئی غلطی کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوتے اور اپنے پیروکاروں کو مطمئن رکھنے کے لیے ہم چوں دیگر نیست کی رٹ لگائے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسوں کے دام فریب سے ہر مسلمان کو بچائے آمین ثم آمین۔

جو قبروں میں جا کر بھی ان کے حق میں دُعا نہ کرے وہ خائن ہے

دلیل دوم: اسی احیاء العلوم جلد ۴ صفحہ ۴۸۶ پر ہے۔

وَقَالَ حَاتِمُ الْاَصَمُّ مَنْ مَرَّ بِالْمَقَابِرِ فَلَمْ يَتَفَكَّرْ لِنَفْسِهٖ وَلَمْ يَدْعُ لَهُمْ فَقَدْ خَانَ نَفْسَهٗ وَخَانَهُمْ۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جو شخص قبرستان کے پاس سے گزرا پس اس نے اپنی جان کے بھلے کو کچھ نہ سوچا اور نہ ہی اہلِ قبور کی مغفرت کے لیے کچھ دعا کی تو بلاشبہ اس نے اپنے حق میں بھی خیانت کی اور اہلِ قبور کے حق میں بھی۔

اس قول کے قائل حضرت حاتم اصم ہیں جو کہ بلند پایہ کے ولی اللہ

ہیں - ان کے نزدیک مقابر کے پاس سے گزر کر ان کے حق میں دعا نہ کرنے والا خود اپنی جان کا بھی خائن ہے کہ جو نفع دعا سے اس کی جان کو حاصل ہونا تھا اس نے اسے محروم رکھا اور جو اہلِ قبور کا اس گزرنے والے پر حق تھا کہ ان کے ایصال ثواب کے لیے کچھ پڑھتا یا دعائے مغفرت کرتا اس نے انہیں اس حق سے محروم رکھا لہذا ان کے حق میں بھی خائن ہوا۔

بعد از دفن میت کے پاس بیٹھ کر کچھ پڑھنا مستحب ہے

دلیل سوم : وَيُسْتَحَبُّ إِذَا دُفِنَ الْمَيِّتُ أَنْ يَجْلِسُوْا سَاعَةً عِنْدَ الْقَبْرِ بَعْدَ الْفَرَاغِ بِقَدْرِ يُنْحَرُ جُزُوْرٌ وَيُقْسَمُ لَحْمُهَا يَتْلُوْنَ الْقُرْآنَ وَيَدْعُوْنَ لِلْمَيِّتِ كَذَا فِي الْجَوْهَرَةِ الْمُنِيْرَةِ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ عِنْدَ الْقُبُوْرِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا تُكْرَهُ وَمَشَائِخُنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى أَخَذُوْا بِقَوْلِهٖ وَهَلْ يَنْفَعُ وَالْمُخْتَارُ إِنَّهٗ يَنْفَعُ هٰكَذَا فِي الْمُضْمَرَاتِ۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۱۶۶)

اور مستحب ہے کہ جب میت کو قبر میں دفن کیا جائے۔ بعد از فراغت اس کی قبر کے پاس کچھ دیر بیٹھ جائیں اس قدر کہ اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جا سکے، قرآن پڑھتے رہیں اور میت کے لیے دعا کرتے رہیں۔ اسی طرح اس مسئلہ کو جوہرۃ المنیرہ میں بیان کیا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبور کے پاس قرأت قرآن میں کوئی کراہت نہیں اور ہمارے مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے اسی کے قول کو ہی اختیار کیا ہے

اور یہ سوال کہ کیا تلاوتِ قرآن اہلِ قبور کو فائدہ دیتی ہے۔ مختار یہی ہے
بلا شبہ وہ فائدہ دیتی ہے اسی طرح اسے مضرات میں بیان کیا ہے۔

(دلیل چہارم)

وَقَالَ شَافِعِیٌّ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَیُسْتَحِبُّ
اَنْ یُّقْرَءَ عِنْدَہٗ شَیْئٌ مِّنَ الْقُرْآنِ وَاِنْ خَتَمُوا الْقُرْآنَ
کَانَ حَسَنًا۔ (ریاض الصّٰلحین ص ۳۱۴)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قبر کے پاس قرآن مجید کا حصہ پڑھا
جائے یہ مستحب ہے اور اگر ختم قرآن کریں تو خوب تر ہے۔

(دلیل پنجم)

اس میں شرح صدور سے کچھ عبارت پیش کرتا ہوں جس میں اسی موضوع
پر بحث کی گئی ہے۔

باب

فِیْ قِرَاءَۃِ الْقُرْآنِ لِلْمَیِّتِ اَوْعَلَی الْقَبْرِ اُخْتُلِفَ
فِیْ وَصُوْلِ ثَوَابِ الْقِرَاءَۃِ لِلْمَیِّتِ فَجُمْھُوْرُ السَّلَفِ
وَالْاَئِمَّۃُ الثَّلٰثَۃِ عَلَی الْوَصُوْلِ وَخَالَفَ فِیْ ذَالِكَ اِمَا
مُنَا الشَّافِعِیُّ مُسْتَدِلًّا بِقَوْلِہٖ تَعَالٰی وَاَنْ لَّیْسَ
لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَجَابَ الْاَوَّلُوْنَ عَنِ الْاٰیَۃِ
بِاَوْجُہٍ اَحَدُھَا اِنَّھَا مَنْسُوْخَۃٌ بِقَوْلِہٖ تَعَالٰی
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْھُمْ ذُرِّیَّتُھُمْ اَلْاٰیَۃَ۔ اَلثَّانِیْ
اِنَّھَا خَاصَّۃٌ بِقَوْمِ اِبْرَاھِیْمَ وَقَوْمِ مُوْسٰی صَلَوَاتُ
اللّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْھِمَا فَاَمَّا ھٰذِہِ الْاُمَّۃُ

الْمَرْحُوْمَةُ فَلَهَا مَا سَعَتْ وَمَا سَعٰى لَهُ قَالَهُ عِكْرَمَةُ - الثَّالِثُ اَنَّ الْمُرَادَ بِالْاِنْسَانِ هُنَا الْكَافِرُ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَلَهُ مَا سَعٰى وَمَا سُعِىَ لَهُ قَالَهُ الرَّبِيْعُ بْنُ اَنَسٍ - اَلرَّابِعُ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى مِنْ طَرِيْقِ الْعَدْلِ فَاَمَّا مِنَ الْفَضْلِ فَجَائِزٌ اَنْ يَّزِيْدَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَا شَاءَ قَالَهَا لْحُسَيْنُ بْنُ الْفَضْلِ - اَلْخَامِسُ اَنَّ اللَّامَ فِى الْاِنْسَانِ بِمَعْنٰى عَلٰى اَىْ لَيْسَ عَلَى الْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى وَاسْتَدَلُّوْنَ عَلَى الْوَصُوْلِ بِالْقِيَاسِ عَلٰى مَا تَقَدَّمَ مِنَ الدُّعَاءِ وَالصَّدَقَةِ وَالصَّوْمِ وَالْحَجِّ وَالْعِتْقِ فَاِنَّهُ لَا فَرْقَ فِىْ نَقْلِ الثَّوَابِ بَيْنَ اَنْ يَّكُوْنَ عَنْ حَجٍّ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ وَقْفٍ اَوْ دُعَاءٍ اَوْ قِرَاءَةٍ وَبِالْاَحَادِيْثِ -

مسلمان ہمیشہ اموات کے لیے جمع ہوکر قرآن پڑھتے رہے ہیں

اَلْاٰتِىْ ذِكْرُهَا وَهِىَ اِنْ كَانَتْ ضَعِيْفَةً فَمَجْمُوْعُهَا يَدُلُّ عَلٰى اِنَّ لِذَالِكَ اِصْلًا وَبِاَنَّ الْمُسْلِمُوْنَ مَا زَالُوْا فِىْ كُلِّ عَصْرٍ يَجْمَعُوْنَ وَيَقْرَءُوْنَ لِمَوْتَاهُمْ مِنْ غَيْرِ نَكِيْرٍ فَكَانَ ذَالِكَ اِجْمَاعًا ذَكَرَ ذَالِكَ كُلَّهُ الْحَافِظُ شَمْسُ الدِّيْنِ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ الْمُقَدَّسِىُّ الْحَنْبَلِىُّ فِىْ جُزْءٍ اَلَّفَهُ فِى الْمَسْئَلَه وَقَالَ قُرْطَبِىُّ وَقَدْ

كَانَ الشَّيْخُ عِزُّ الدِّيْنِ بْنُ عَبْدِ السَّلَامِ يُفْتِيْ بِأَنَّهُ لَا يَصِلُ إِلَى الْمَيِّتِ ثَوَابُ مَا يُقْرَءُ لَهُ وَيُهْدٰى إِلَيْهِ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَاٰهُ بَعْضُ أَصْحَابِهٖ فَقَالَ لَهُ إِنَّكَ كُنْتَ تَقُوْلُ إِنَّهُ لَا يَصِلُ إِلَى الْمَيِّتِ ثَوَابُ مَا يُقْرَءُ وَيُهْدٰى إِلَيْهِ فَكَيْفَ الْأَمْرُ قَالَ لَهُ كُنْتُ أَقُوْلُ ذَالِكَ فِيْ دَارِ الدُّنْيَا وَالْآنَ فَقَدْ رَجَعْتُ عَنْهُ لِمَا رَءَيْتُ مِنْ كَرَمِ اللّٰهِ فِيْ ذَالِكَ وَإِنَّهُ يَصِلُ إِلَيْهِ ذَالِكَ وَأَمَّا الْقُرْآنُ عَلَى الْقَبْرِ فَجَزَمَ بِمَشْرُوْعِيَّتِهَا أَصْحَابُنَا وَغَيْرُهُمْ قَالَ الزَّعْفَرَانِيُّ سَئَلْتُ الشَّافِعِيَّ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَنِ الْقِرَاءَةِ عِنْدَ الْقَبْرِ فَقَالَ لَا بَأْسَ بِهٖ۔

زائر قبور کے لیے قرأت قرآن اور اس کے بعد دعا کرنا مستحب ہے علامہ نووی کا فتویٰ

وَقَالَ النَّوَوِيُّ فِيْ شَرْحِ الْمُهَذَّبِ يُسْتَحَبُّ لِزَائِرِ الْقُبُوْرِ أَنْ يَّقْرَءَ مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ وَيَدْعُوْ لَهُمْ عَقْبَهَا نَصَّ عَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ وَاتَّفَقَ عَلَيْهِ الْأَصْحَابُ وَزَادَ فِيْ مَوْضِعِ الْآخَرِ وَإِنْ خَتَمَ الْقُرْآنُ عَلَى الْقَبْرِ كَانَ أَفْضَلُ وَكَانَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلَ يُنْكِرُ ذَالِكَ أَوَّلًا حَيْثُ لَمْ يَبْلُغْهُ فِيْهِ أَثَرٌ ثُمَّ رَجَعَ حِيْنَ بَلَغَهُ مِنَ الْوَارِدِ فِيْ مَا تَقَدَّمَ فِيْ بَابِ مَا يُقَالُ عِنْدَ الدَّفْنِ

عَنْ حَدِیْثِ اِبْنِ عُمَرَ وَ الْعَلَاءِ بْنِ حَلَّاجَ مَرْفُوْعًا۔

اس طویل کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب شرح صدور میں ایک باب باندھا ہے جس میں میت کے لیے اس کی قبر پر یا کسی اور جگہ پر ایصالِ ثواب کے لیے قرآن پڑھنے کا شرعی حکم بیان کرتے ہوئے اس پر شرعی دلائل کی روشنی میں علماءِ اُمت فقہاء و مجتہدین کا فیصلہ بیان کیا ہے کہ جمہور علماءِ سلف اور آئمہ ثلاثہ یعنی امام اعظم ابو حنیفہ اور مالک و احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک قرأتِ قرآن کا ثواب اہلِ قبور کو پہنچتا ہے اور امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے وہ قرآن پاک کی یہ آیت برائے دلیل پیش کرتے ہیں وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی، انسان کے لیے وہی ہے جو اس نے کمایا۔ تو جمہور علماءِ سلف نے اس آیت کے یوں جواب دیتے ہیں۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ
اس آیت کے متعلق علماء کی تاویلیں

اوّل اس آیت کو اس آیت سے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ الْاٰیَۃُ منسوخ کیا گیا ہے۔

دوم اس آیت کا حکم قومِ ابراہیم اور قومِ موسیٰ صلوٰتُ اللہ تعالیٰ علیٰ نبینا و علیہما کے ساتھ مخصوص تھا مگر امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی خاص رحمت ہے اسے اپنے اعمال کا بھی اجر ملے گا اور جو اسے ایصالِ ثواب کیا جائے اس کا ثواب بھی۔

سوم اس آیت میں جو انسان کا ذکر ہے اس سے مُراد انسان کافر ہے بہرحال مومن کو اپنے عمل کا بھی اجر ملے گا اور عمل غیر جو اسے ایصالِ ثواب کیا جائے۔

چہارم اِلّا ما سعٰی سے مُراد طریق عدل ہے یعنی اگر فضل تعالیٰ شاملِ حال نہ ہو تو سب کو وہی ملے جو وہ کمائیں۔

پنجم اس آیت میں جو انسان پر لام داخل ہے وہ بمعنی علیٰ یعنی نہیں ہے مطالبہ انسان پر مگر اس کے اپنے کیے کا۔

اس مندرجہ بالا عبارت میں یہ بیان کیا گیا کہ علماءُ و فقہاء نے وصولِ ثواب اہلِ قبور پر جو نصوصِ شرعی دوسری عبادات کے وصول ثواب کے لیے وارد ہوئی ہیں ان سے استدلال کیا ہے کہ نفسِ وصول میں کوئی فرق نہیں خواہ ثواب حج و صدقہ کا ہو، خواہ وقف و دعا کا ہو یا قرأتِ قرآن کا ہو۔ نیز یہ دلیل پیش کی کہ مسلمان ہر شہر میں فوت شدہ گان کے لیے جمع ہو کر قرآن مجید کو پڑھتے رہے ہیں اور کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔

اور علامہ قرطبی نے بیان کیا کہ شیخ عبدالسلام دنیاوی زندگی میں میّت کو عملِ غیر سے ثواب کے عدم وصول کے قائل تھے مگر جب ان کا وصال ہوا تو اس کے ساتھیوں سے بعض نے اسے خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ آپ تو کہتے تھے میّت کے لیے جو پڑھا جائے یا کسی چیز کا اسے ثواب پہنچایا جائے تو اسے نہیں پہنچتا۔ اب بتائیں کہ اس امر کی حقیقت کیا ہے؟

اس نے جواب دیا کہ یہ بات میں دنیاوی زندگی میں کہا کرتا تھا اور اب جو میں نے اپنے رب کا کرمِ عظیم دیکھا ہے کہ ثواب اہلِ قبور کو پہنچتا

ہے تواب میں نے اس عدم وصول ثواب کے قول سے رجوع کر لیا ہے اور اقرار کرتا ہوں کہ اہلِ قبور کو ثواب پہنچتا ہے۔

اسی عبارت میں زعفرانی کے متعلق بیان کیا گیا ہے انھوں نے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا حکم دریافت کیا تو اس نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی شرح صدور کی عبارت میں علامہ نووی کے حوالہ سے لکھا کہ انہوں نے شرح مہذب میں بیان کیا کہ زیارت قبور کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ جتنا ہو سکے قرآن پڑھے اور ان کی مغفرت کے لیے دعا کرے نیز اس میں بیان کیا گیا ہے کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے وصول ثواب قرأت پر نص پیش کی ہے اور اصحاب شافعی وصول ثواب پر متفق ہیں بلکہ ایک مقام پر کہا کہ اگر قبر پر پورا قرآن ختم کیا جائے تو افضل ہے اور امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق بیان کیا کہ جب تک انہیں وصول ثواب پر کوئی شرعی دلیل نہ پہنچی تو وہ اس کا انکار کرتے رہے مگر جب اسے اس کے ثبوت میں وارد شدہ احادیث پہنچی تو آپ اہلِ قبور کو وصول ثواب کے قائل ہو گئے تھے۔

تمام علماء و فقہاء و محدثین قرأت قرآن اور دیگر عبادات کے وصول ثواب پر متفق ہیں

اس مندرجہ بالا شرح صدور کی عبارت سے ثابت ہوا کہ علماء جمہور سلف اور فقہاء و محدثین اور چاروں امام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب ہی اہلِ قبور کو قرأت قرآن اور دیگر عبادات کے وصول ثواب پر متفق ہیں! امام شافعی و احمد رحمتہ اللہ علیہ پہلے اس کے قائل نہ تھے مگر آثار و احادیث

اس کے متعلق پہنچنے کے بعد وہ بھی اس کے معترف ہو گئے تھے۔

دلیل ششم

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اَشِعَّۃُ اللَّمعَات جلد اوّل صفحہ ۶۹۷ پر بیان کرتے ہیں:

شاہ عبدالحق کی تحقیق کے مطابق قراتِ قرآن کا ثواب اموات کو پہنچانا دلائل سے ثابت ہے

وَدَرْ آثَارِ قِرَأتُ فَاتِحَۃُ الْکِتَاب وَمُعَوَّذَتَیْنِ وَقُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدُ وگردانیدن ثواب برائے اہل مقابر آمدہ است۔
اور آثار میں سورۃ فاتحہ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدُ پڑھ کر اس کا ثواب اہلِ قبور کو بخشنے کے متعلق وارد ہوا ہے۔

گیارہ بار سورۃ اخلاص فوت شدہ گان کو بخشنے کا ثواب

(دلیل ہفتم)

وَیَقْرَءُ یٰسٓ وَفِی الْحَدِیْثِ مَنْ قَرَءَ الْاِخْلَاصَ اَحَدَ عَشَرَ مَرَّۃً ثُمَّ وَھَبَ اَجْرَھَا لِلْاَمْوَاتِ اُعْطِیَ مِنَ الْاَجْرِ بِعَدَدِ الْاَمْوَاتِ۔ (درمختار جلد اوّل)

اور ایصال ثواب کے لیے سورۃ یٰسین پڑھی جائے اور حدیث شریف میں ہے جس نے سورۃ اخلاص کو گیارہ بار پڑھا پھر اس کا ثواب فوت شدہ گان کو

بخشا اس کو ان فوت شدہ گان کی تعداد کے برابر ثواب دیا جائے گا۔

درمختار کی اس عبارت پر بحث کرتے ہوئے علامہ شامی اپنے فتاویٰ ردالمحتار علی الدر المختار ج اوّل صفحہ ۶۰۵ پر لکھتے ہیں۔

قَوْلُهٗ یُقْرَءُ یٰسٓ لِمَا وَرَدَ مَنْ دَخَلَ الْمَقَابِرَ فَقَرَءَ یٰسٓ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْهُمْ یَوْمَئِذٍ وَکَانَ لَهٗ بِعَدَدِ مَنْ فِیْهَا حَسَنَاتٌ وَفِیْ شَرْحِ اللُّبَابِ وَیَقْرَءُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا تَیَسَّرَ لَهٗ مِنَ الْفَاتِحَةِ وَاَوَّلُ الْبَقَرَةِ اِلَی الْمُفْلِحُوْنَ وَآیَةِ الْکُرْسِیْ وَآمَنَ الرَّسُوْلُ وَسُوْرَتِ یٰسٓ وَتَبَارَکَ الْمُلْکُ وَسُوْرَةُ التَّکَاثُرُ وَالْاِخْلَاصِ اِثْنٰی عَشَرَ مَرَّةً اَوْ اِحْدٰی عَشَرَ اَوْ سَبْعًا اَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَوْصِلْ ثَوَابَ مَا قَرَءْنَاهُ اِلٰی فُلَانٍ اَوْ اِلَیْهِمْ تَنْبِیْهٍ۔

انسان کو اختیار ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو دے

صَرَّحَ عُلَمَاءُنَا فِیْ بَابِ الْحَجِّ عَنِ الْغَیْرِ بِاَنَّ لِلْاِنْسَانِ اَنْ یَجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَیْرِهٖ صَلٰوۃً اَوْ صَوْمًا اَوْ صَدَقَةً اَوْ غَیْرُهَا کَذَا فِی الْهِدَایَةِ بَلْ فِیْ زَکٰوۃِ التَّتَارِیْ خَانِیَةً عَنِ الْمُحِیْطِ الْاَفْضَلُ لِمَنْ یَّتَصَدَّقَ نَفْلًا اَنْ یَّنْوِیْ لِجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ لِاَنَّهَا تَصِلُ اِلَیْهِمْ وَلَا یُنْقَصُ مِنْ اَجْرِهٖ شَیْءٌ وَّهُوَ مَذْهَبُ اَهْلِ السُّنَّتِ وَالْجَمَاعَتِ وَلٰکِنْ اِسْتَثْنٰی مَالِکٌ وَالشَّافِعِیُّ الْعِبَادَاتِ الْبَدَنِیَّةِ الْمُحْضَةِ کَالصَّلٰوۃِ وَالتِّلَاوَۃِ فَلَا یَصِلُ

ثَوَابُهَا اِلَى الْمَيِّتِ عِنْدَهُمَا بِخِلَافِ غَيْرِهَا كَالصَّدَقَةِ وَالْحَجِّ وَخَالَفَ الْمُعْتَزِلَةُ فِي الْكُلِّ وَتَمَامُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيْرِ اَقُوْلُ مَا مَرَّ عَنِ الشَّافِعِيِّ هُوَ الْمَشْهُوْرُ عَنْهُ وَالَّذِيْ حَرَّرَهُ الْمُتَاَخِّرُوْنَ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ وَصُوْلُ الْقِرَاءَةِ لِلْمَيِّتِ اِذَا كَانَتْ بِحَضْرَتِهٖ اَوْ دَعٰى لَهٗ عَقِبَهَا وَلَوْ غَائِبًا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ درمختار کی عبارت یُقْرَءُ یٰسٓ کی تائید میں یہ حدیث پیش کی ہے۔

مَنْ دَخَلَ الْمَقَابِرَ فَقَرَءَ سُوْرَةَ یٰسٓ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْهُمْ یَوْمَئِذٍ کَانَ لَهٗ بِعَدَدِ مَنْ فِیْهَا حَسَنَاتٌ۔

ارشادِ نبویؐ ہے جو شخص قبرستان میں سے گزرا پس اس نے سورۂ یٰسین کو پڑھا اس کی برکت سے اللہ تبارک و تعالیٰ اس دن ان سے عذاب میں تخفیف کر دے گا اور پڑھنے والے کو ان اہلِ قبور کی تعداد کے برابر نیکیاں عطا فرمائے گا۔ نیز شرح اللباب کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں۔

اور قرآن سے جو کچھ میسر ہو سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیتیں مفلحون تک اور آیت الکرسی اور اٰمَنَ الرَّسُوْل سے آخر سورۃ بقرہ تک اور سورۃ یٰسین اور تبارک الذی اور سورۃ التکاثر اور سورۃ اخلاص بارہ یا گیارہ یا سات یا تین بار پڑھے پھر بعد ازیں دعا کرے یا اللہ جو کچھ ہم نے پڑھا اس کا ثواب فلاں کو یا ان تمام اہلِ قبور کو پہنچا۔ (تنبیہہ)

بابِ حج میں ہمارے علما نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ انسان کو اختیار ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو بخشے۔ عام ازیں ثواب نماز

یا روزہ کا ہو یا صدقہ کا ہو یا اس کے علاوہ اور کوئی عمل ہو جیساکہ ہدایہ میں اس کا بیان ہے بلکہ فتاویٰ تتار خانیہ میں محیط سے منقول ہے جس میں زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

افضل ہے کہ صدقہ دینے والا مومنین و مومنات کے ایصالِ ثواب کی نیت کرلے

نیز کہا کہ صدقہ دینے والے کے لیے افضل ہے کہ صدقہ دیتے وقت تمام مومنین و مومنات کے ایصالِ ثواب کی نیت کر لے اس لیے کہ ان کو ثواب پہنچے گا اور اس کے اجر سے بھی کچھ کم نہ ہوگا۔ اور یہ ہی مذہب اہلِ سنت والجماعت کا ہے لیکن امام مالک و امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے عبادات بدنیہ محضہ کو اس سے مستثنیٰ کہا ہے جیساکہ نماز و تلاوت کا ثواب ان کے نزدیک اس کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا بخلافِ غیر بدنیہ محضہ جیسے صدقہ اور حج کا ثواب اور فرقہ معتزلہ نے تمام عبادات کے ثواب پہنچنے کی مخالفت کی ہے اور اس کا تمام بیان فتح القدیر میں ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں، میں کہتا ہوں جو ابھی امام شافعی کے متعلق بیان گزرا ہے یہ صرف مشہور ہے وہ جسے متاخرین شافعیہ نے لکھا ہے اس میں قرأتِ قرآن کے ثواب کا میت کو پہنچنے کا ثبوت ہے جبکہ میت اس کے پاس ہو یا پڑھنے کے بعد اس کے لیے دعا کرے اگرچہ میت اس کے پاس نہ ہو۔

فوت شدہ گان کو وصول ثواب کا انکار معتزلہ کا طریقہ ہے،

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ فوت شدہ گان کو وصول ثواب کا انکار یہ طریقہ

فرقہ ضالہ معتزلہ کا ہے۔

دلیل ہشتم

وَاخْتُلِفَ فِیْ اِجْلَاسِ الْقَارِئِیْنَ لِیَقْرَءُوْا عِنْدَ الْقَبْرِ وَالْمُخْتَارُ عَدَمُ الْکَرَاہَۃِ۔

قبر کے پاس قرآن پڑھنے والوں کے جمع ہو کر بیٹھنے میں کہ وہ پڑھیں اختلاف ہوا ہے اور مختار یہ ہی ہے کہ اس میں کراہت نہیں۔

دلیل نہم

علامہ عینی اپنی شرح کے باب الحج عن الغیر میں لکھتے ہیں۔

اِنَّ الْمُسْلِمُوْنَ یَجْمَعُوْنَ فِیْ کُلِّ عَصْرٍ وَزَمَانٍ وَیَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ وَیَھْدُوْنَ ثَوَابَہٗ لِمَوْتَاھُمْ وَعَلٰی ھٰذَا اَھْلُ الصَّلَاحِ وَالدِّیَانَۃِ مِنْ کُلِّ مَذْھَبٍ مِنَ الْمَالِکِیَّۃِ وَالشَّافِعِیَّۃِ وَغَیْرِھِمْ وَلَا یُنْکِرُ ذَالِکَ مُنْکِرٌ فَکَانَ اِجْمَاعاً۔

ہر زمانہ میں مسلمان جمع ہو کر قرآن پڑھتے رہے ہیں اور اموات کو ثواب بخشتے رہے ہیں

بے شک مسلمان ہر دور و زمانہ میں جمع ہو کر قرآن پاک پڑھتے رہے ہیں اور اپنے فوت شدہ گان کو بدیۂ ثواب پہنچاتے رہے ہیں اسی پر ہی متفق ہیں۔ اہل اصلاح و دیانت ہر مذہب سے مالکیہ و شافعیہ اور ان کے علاوہ سے

بھی اور کسی ایک نے بھی اس کے مشروع ہونے کا انکار نہیں کیا۔ پس یہ معمول اجماعاً تھا۔

محقق علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے صاف واضح ہوا کہ ہر دور و زمانہ میں اہلِ ایمان اپنے فوت شدہ گان مسلمان بھائیوں کے ایصالِ ثواب کے لیے جمع ہو کر قرآن پڑھتے رہے ہیں اور چاروں مذاہب کے علمائیں سے کسی نے بھی اس کارِ خیر کا انکار نہیں کیا اور یہ مسئلہ بھی ضروری طور پر ثابت ہوا کہ تاریخ و وقت کا تعین برائے قرآن خوانی ہر دور و زمانہ کے مسلمان کرتے رہے ہیں کیونکہ قارئین قرآن کا اجتماع برائے تلاوتِ قرآن بلا تعین اوقات و ایام ممکن نہیں نیز اس تعین کے ممنوع ہونے پر کوئی دلیل بھی نہیں بلکہ شریعتِ مقدسہ سے کسی کارِ خیر پر اجتماع کے لیے اوقات و ایام کے معین کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ عبادات نماز روزہ حج و جمعہ اور عیدین کے لیے اوقات ایام معین ہیں۔

نیز علامہ عینی کا یہ کہنا ہر مذہب کے اہلِ اصلاح و دیانت اس مسئلہ پر متفق ہیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک اس مسئلہ کی مخالفت کرنا اصلاح اور دیانت کے خلاف ہے اس لیے کہ اس میں قرآن پڑھنے والے اور جس کے ایصال ثواب کے لیے پڑھا جائے دونوں دونوں کا ہی نفع ہے تو اس نفعِ عظیم و ابدی سے انہیں محروم رکھنے کی کوشش کرنا اصلاح و دیانت کے خلاف ہے۔

دلیل دہم

وَفِیْ دُعَاءِ الْاَحْیَاءِ لِلْاَمْوَاتِ۔ نَفْعٌ لَّھُمْ، اَیْ لِلْاَمْوَاتِ۔

(شرح عقائد)

زندوں کی دعا اور ان کے صدقہ میں یعنی زندوں کے صدقہ میں انکی طرف سے یعنی مُردوں کی طرف سے ان کے لیے اس میں نفع ہے یعنی مُردوں کے لیے۔

قرآن پڑھنے والے اور معلّم کو اعانت کے طور پر دے سکتے ہیں اُجرت کے طور پر نہیں

(دلیل یازدہم)

ثُمَّ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ وَاِهْدَاءُ لَهُ تَطَوُّعاً بِغَيْرِ اُجْرَةٍ تَصِلُ اِلَيْهِ وَاَمَّا لَوْ اَوْصٰى بِاَنْ يُعْطٰى شَيْءٌ مِّنْ مَّالِهٖ لِمَنْ يَّقْرَءُ الْقُرْآنَ عَلٰى قَبْرِهٖ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ لِاَنَّهٗ فِيْ مَعْنَى الْاُجْرَةِ كَذَا فِي الْاِخْتِيَارِ وَهٰذَا مَبْنِيٌّ عَلٰى عَدَمِ جَوَازِ الْاِسْتِجَارِ عَلَى الطَّاعَاتِ لٰكِنْ اِذَا اُعْطِيَ لِمَنْ يَّقْرَءُ الْقُرْآنَ وَيُعَلِّمُهٗ مَعُوْنَةٌ لِاَهْلِ الْقُرْآنِ عَلٰى ذٰلِكَ كَانَ هٰذَا مِنْ جِنْسِ الصَّدَقَةِ عَنْهُ فَيَجُوْزُ۔ (شرح فقہ اکبر، للعلامہ ملا علی قاری۔

شارح علیہ رحمت نے ایصال ثواب پر بحث کرتے ہوئے ثم سے قرأت للمیّت کا مسئلہ یوں شروع کیا ہے۔ پھر قرآن کا پڑھنا اور اس کا ہدیہ فوت شدہ کو فی سبیل اللہ بغیر اجرت کے دینا وہ اس فوت شدہ کو پہنچتا ہے اور اگر وصیت کی کہ اس کے مال سے کچھ اسے دیا جائے جو اس کی قبر پر قرآن پڑھے پس وصیت باطل یعنی غیر نافذ ہے اس لیے کہ یہ بھی معنی اجرت کے ضمن میں ہے جیسے کہ اختیاری حالت میں اور اس مسئلہ کی بنیاد عدم جواز اجرت طلب کرنے عبادات میں کے

قاعدہ پر ہے لیکن جب کچھ دیا جائے اسے جو قرآن مجید پڑھتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے اور تعلیم لیتا ہے، اہلِ قرآن کو تعاون کے طور پہ خدمتِ قرآن پر یہ میت کی طرف سے قسمِ صدقہ میں شمار ہو گا پس جائز ہے۔

مندرجہ بالا عبارت سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ قرآن پڑھنے یا دیگر عبادات کرنے پر اجرت لینا یعنی معین کرنا کہ اتنا قرآن شریف پڑھنے یا اتنا وقت پڑھنے یا میت کی طرف سے یا اس کے ایصالِ ثواب کے لیے اتنی عبادت کرنے یا اتنی دیر عبادت کرنے پر اتنی رقم یا فلاں چیزوں کا یہ جائز نہیں۔ وہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ بغیر معین کیے اگر کوئی ان امور پر بطور اعانت دے تو لینا جائز ہے مگر آج کل کے جہلاء و بدعقیدہ لوگ جو ختم و فاتحہ کے مخالف ہیں وہ خواہ مخواہ علماء و حفاظ اہلِ سنت کو اپنے طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں اور قرآن بیچنے کا الزام لگاتے ہیں خواہ انہیں بطور اعانت ہی ملتا ہو ان کو اس سے واسطہ نہیں انہوں نے تو اپنا مقصد پورا کرنا ہے کہ کسی بہانے لوگوں کو اس کارِ خیر سے روکا جائے۔

دلیل دوازدہم

عَنْ اَنَسٍ اِنَّهٗ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَتَصَدَّقُ عَنْ مَوْتَانَا وَ نَحُجُّ عَنْهُمْ وَنَدْعُوْا لَهُمْ فَهَلْ يَصِلُ ذَالِكَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ نَعَمْ اِنَّهٗ لَيَصِلُ وَيَفْرَحُوْنَ بِهٖ كَمَا يَفْرَحُ اَحَدُكُمْ بِالطَّبَقِ اِذَا اُهْدِیَ اِلَيْهِ رَوَاهُ ابوالحفصِ العكبری۔ فَلِلْاِنْسَانِ اَنْ يَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَيْرِهٖ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَتْ صَلٰوةً كَانَ اَوْ صَوْمًا اَوْ حَجًّا اَوْ صَدَقَةً اَوْ قِرَاءَتً

لِلْقُرْآنِ اَوِالْاَذْکَارِ اَوْ غَیْرِ ذَالِکَ مِنْ اَنْوَاعِ الْبِرِّ
یَصِلُ ذَالِکَ اِلَی الْمَیِّتِ وَیَنْفَعُہٗ قَالَہُ الذَّیْلِعِیُّ فِیْ
بَابِ الْحَجِّ عَنِ الْغَیْرِ۔ مَرَاقِیُ الْفَلَاحِ شَرْحِ
نُوْرِالْاِیْضَاحِ۔ ص ۳۶۳

فوت شدہ گان کو ایصالِ ثواب کرنے سے وہ اسی طرح خوش ہوتے ہیں جیسے اہلِ دنیا تحفہ ملنے پر

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے حضور سیدِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم سے دریافت کیا ہم اپنے فوت شدہ گان کے لیے صدقہ دیتے ہیں اور ان کی طرف سے حج ادا کرتے ہیں اور ان کے لیے دعاءِ مغفرت کرتے ہیں کیا اس کا انہیں فائدہ پہنچتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں بلاشبہ اس سے انہیں فائدہ پہنچتا ہے اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جیسے تم میں سے کسی کو چھاگل بھری ہدیہ کی جائے تو وہ خوش ہوتا ہے۔

اسے ابوالحفص العسکری نے روایت کیا ہے، صاحب مراقی الفلاح اس حدیث کی روشنی میں اہلِ سنت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اہلسنت وجماعت کے نزدیک انسان کو اختیار ہے کہ وہ اپنے کسی عمل کا ثواب دوسرے کو بخشے۔ عام ازیں کہ عمل نماز ہو یا روزہ ہو یا حج یا زکوٰۃ اور صدقہ ہو یا خیرات یا قرأتِ قرآن ہو یا اذکار ہوں یا علاوہ ازیں نیکی کی قسموں سے کوئی بھی ہو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور اسے فائدہ پہنچاتا ہے۔ اسے ذیلعی نے باب الحج عن الغیر میں بیان کیا ہے۔ اس ابوالحفص کی روایت کردہ حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل ثابت ہوئے۔

۱۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ عبادت مالی نیز عبادت بدنی کا ثواب بھی فوت شدگان کو پہنچتا ہے اس لیے کہ مذکورہ حدیث شریف میں عبارت تَدْعُوْا لَهُمْ اس پر دلالت کرتی ہے۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ دعا کا اطلاق عبادتِ بدنی مثل نماز وذکر تلاوت قرآن درود شریف اور طلبِ خیر و پناہ شر پر ہوتا ہے۔

۲۔ یہ ثابت ہوا کہ زندوں کا ایصالِ ثواب کرنا فوت شدگان کے لیے باعث خوشی بنتا ہے۔

۳۔ عالم برزخ میں روح وجسم کا تعلق قائم رہتا ہے۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ عالم برزخ میں بھی روح وجسم کا تعلق آپس میں قائم رہتا ہے، وجہ دلالت یہ ہے کہ اس حدیث شریف میں سوال تھا کہ مُردوں کو ہماری عبادات کا ثواب پہنچتا ہے تو روح کو تو موت آتی ہی نہیں۔ روح ابدی شے ہے اس لیے اسے مُردہ کہنا درست بھی نہیں، تو اس سے معلوم ہوا کہ سوال میں میّت سے مُراد روح مع الجسم ہے پھر جواب میں مجیب علیہ السلام نے مزید اس کی وضاحت فرمادی۔ فرمایا ہاں اسے ضرور اس کا ثواب پہنچتا ہے تو لہٰذا فائدہ صرف جسم کو پہنچنا محال عادی ہے اس لیے کہ جسم بغیر روح کے بے حس وبے جان ہے اس لیے اس کو فائدہ پہنچنے یا رنج پہنچنے کے لیے روح کا تعلق اس سے ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کو ایصالِ ثواب کرنے سے اس کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے

۴۔ اس حدیث شریف سے اقتضاءً ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں

کی بارگاہ میں ہدیہ ثواب پیش کرنے سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی بارگاہ میں ہدیۂ ثواب پیش کرنے سے ان کی خوشی کا سبب بنے گا اور جب محبوب خوش ہو تو محب خود بخود خوش ہو جاتا ہے۔

(۵) جب اس حدیث مبارکہ سے عامۃ الناس کا زندہ ہونا ثابت ہوا بایں وجہ کہ حضور سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جیسے زندہ لوگ دنیا وی ہدیہ ملنے پر خوش ہوتے ہیں اسی طرح اہلِ برزخ ایصالِ ثواب پر خوش ہوتے ہیں۔ تو خوشی وراحت والم کو محسوس کرنا یہ زندگی کی علامت ہے جیسا کہ ایک دوسری حدیثِ پاک میں اس کا واضح بیان ہے کہ کوئی آدمی اہلِ قبور کے پاس سے گزرتا ہوا انہیں سلام دیتا ہے تو وہ اسے سلام کا جواب دیتے ہیں اور اگر وہ سلام دینے والا دنیا پر ان کی جان پہچان والا تھا تو پھر اسے پہچانتے بھی ہیں۔ تو جب عام لوگوں کی برزخی زندگی کا یہ حال ہے تو جو نفوسِ قدسیہ خاصان بارگاہِ الٰہی ہیں جنھوں نے فانی زندگی کو بیچ کر ابدی زندگی کو خریدا ہو، ان کی زندگی تو ان سے بے شمار درجے اقویٰ و اعلیٰ ہے اور ان حضرات قدسیہ کو مردہ اور اپنے زائرین سے بے خبر وہ کہے گا جو ضدی وسیاہ دل یا جاہلِ مطلق ہے۔

(۶) مراقی الفلاح کی مذکورہ عبارت سے ثابت ہوا کہ عبادت مالی صدقاتؒ خیرات وغیرہ اور عبادتِ بدنی مثلِ نماز روزہ، قرآتِ قرآن یا دیگر اذکار کا ثواب فوت شدگان کو پہنچانا ان کو اس سے نفع پہنچنے کا اعتقاد رکھنا یہ اہلِ سنت کا اجماعی عقیدۂ فیصلہ ہے کوئی جدید عقیدہ وفیصلہ نہیں۔

دس چیزوں کے ذریعے گنہگار کو معافی مل جاتی ہے

دلیل ۱۲ دوازدہم

وَقَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ مَنْ فَعَلَ سَيِّئَةً فَإِنَّ عُقُوْبَتَهَا تُدْفَعُ عَنْهُ بِعَشَرَةِ اَشْيَاءَ اَنْ يَّتُوْبَ فَيُتَابُ عَلَيْهِ اَوْ يَسْتَغْفِرَ فَيُغْفَرُ لَهُ اَوْ يَعْمَلُ حَسَنَاتٍ فَتَمْحُوْهَا فَاِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ اَوْ يُبْتَلٰى فِي الدُّنْيَا بِمَصَائِبَ فَتُكَفِّرُ عَنْهُ اَوْ فِي الْبَرْزَخِ بِالضَّغْطَةِ وَالْفِتْنَةِ فَتُكَفِّرُ عَنْهُ اَوْ يَدْعُوْا لَهُ اِخْوَانُهُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لَهُ اَوْ يُهْدُوْنَ لَهُ مِنْ ثَوَابِ اَعْمَالِهِمْ مَا يَنْفَعُهُ اَوْ يُبْتَلٰى فِيْ عَرَصَاتِ الْقِيَامَةِ بِاَهْوَالٍ تُكَفِّرُ عَنْهُ اَوْ يُدْرِكُهُ شَفَاعَةُ نَبِيِّهٖ اَوْ رَحْمَةُ رَبِّهٖ۔ اِنْتَهٰى۔ اَلْحَاوِيْ لِلْفَتَاوِيْ لِلْامام السیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۸۸

اور بعض علماء کا قول ہے جس نے کوئی برا عمل کیا پس تحقیق اس کی سزا دس چیزوں کے ذریعے سے ٹلتی ہے یہ کہ وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہو جائے یا وہ بخشش چاہے پس اس کی بخشش کی جائے یا وہ نیک اعمال کرے تو وہ اس کے گناہ کو مٹا دیں۔ پس بے شک نیکیاں بدیوں کو دھو دیتی ہیں یا دنیا میں مبتلائے مصائب کیا جائے پس وہ اس سے مٹا دیں یا عالم برزخ میں ضغطہ قبر اور سختی میں مبتلا کیا جائے۔ وہ اس سے گناہ مٹا دے یا اس کے لیے اس کے مومنین بھائی دعا و استغفار کریں یا اسے اپنے اعمال خیر سے بطور ہدیہ ثواب بھیجیں جو اس کو نفع پہنچائے یا روز قیامت کے عرصوں میں خوف و خطرہ میں مبتلا رہے جس سے اس کی مغفرت ہو جائے یا اس کے نبی کی شفاعت اس کی دست گیری کرے یا اس کے رب کی رحمت اسے بچائے۔

قرآن و حدیث کی رو سے انسان کو اختیار ہے کہ وہ اپنا عمل غیر کو دے

دلیل سیزدہم ۱۳

وَالْاَصْلُ فِیْهِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَهٗ اَنْ یَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَیْرِهٖ صَلٰوۃً اَوْ صَوْمًا اَوْ صَدَقَۃً اَوْ قِرَاءَۃَ قُرْاٰنٍ اَوْ ذِکْرًا اَوْ طَوَافًا اَوْ حَجًّا اَوْ غَیْرَ ذَالِکَ عِنْدَ اَصْحَابِنَا لِلْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ اَمَّا الْکِتَابُ فَلِقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا وَ اِخْبَارُهٗ تَعَالٰی مِنْ مَّلٰٓئِکَتِهٖ بِقَوْلِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَسَاقَ عِبَارَتَهُمْ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَۃً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَکَ اِلٰی قَوْلِهٖ وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِ وَاَمَّا السُّنَّۃُ فَاَحَادِیْثُ کَثِیْرَۃٌ مِنْهَا فِی الصَّحِیْحَیْنِ حِیْنَ ضَحّٰی بِکَبْشَیْنِ فَجَعَلَ اِحْدَهُمَا عَنْ اُمَّتِهٖ وَهُوَ مَشْهُوْرٌ تَجُوْزُ الزِّیَادَۃُ بِهٖ عَلَی الْکِتَابِ وَمِنْهَا مَا رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ اِقْرَءُوْا عَلٰی مَوْتَاکُمْ سُوْرَۃَ یٰسٓ وَحِیْنَئِذٍ فَتَعَیَّنَ اَنْ لَّا یَکُوْنَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ عَلٰی ظَاهِرِهٖ فِیْهِ تَاْوِیْلَاتٌ اَقْرَبُهَا مَا اخْتَارَهُ الْمُحَقِّقُ اِبْنُ الْهُمَامِ اِنَّهَا مُقَیَّدَۃٌ بِغَیْرِ مَا یَهَبُهُ الْعَامِلُ یَعْنِیْ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ مِنْ سَعْیِ غَیْرِهٖ نَصِیْبٌ اِلَّا اِذَا وَهَبَ لَهٗ فَحِیْنَئِذٍ یَکُوْنُ لَهٗ۔ حاشیہ کنز الدقائق باب الحج عن الغیر۔

اس میں حقیقت یہ ہے کہ انسان کو اختیار ہے کہ وہ اپنے کسی عمل کا ثواب دوسرے کو دے، وہ عمل نماز ہو یا روزہ ہو یا صدقہ ہو یا تلاوت قرآن ہو یا ذکر یا طواف

ہو یا حج ہو یا علاوہ ازیں کوئی اور عمل ہو ہمارے علماء کے نزدیک کتاب و سنت کی رُو سے بہرحال کتاب پس اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بنا پر وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا۔ اور یوں عرض کر کہ اے میرے رب ان دونوں یعنی میرے والدین پر رحم کر جیسے ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا اور اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کا واقعہ بیان کرتے سے اس ارشاد کے ساتھ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اور فرشتے استغفار کرتے ہیں ان کے لیے جو ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے واقعہ کو اپنے اس قول سے شروع کیا۔ اے ہمارے رب تیری رحمتُ علم ہر چیز پر احاطہ کیے ہوتے ہے، پس بخش دے ان کو جو تائب ہوئے اور تیرا راستہ چلے۔ اِلٰی قَوْلِهٖ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ، بہرحال سنت سے ثبوت تو اس کے متعلق احادیث کثیرہ وارد ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث بخاری و مسلم میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے قربانی کیے تو ایک کو ان میں سے اپنی امت کی طرف سے کیا۔

حدیث مشہور سے قرآن پر زیادتی جائز ہے

حدیث مشہور ہے جس سے قرآن پر زیادتی جائز ہے اور من جملہ اس میں سے وہ حدیث بھی ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے فوت شدگان کے پاس سورۂ یٰسین پڑھو۔ اور دریں وقت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ محمول کیا جائے گا کہ وہ اپنے ظاہر معنی پر نہیں۔ اس محمول کرنے میں کئی تاویلیں ہیں اس میں سے زیادہ مناسب وہ ہے جسے محقق ابنِ ہمام نے اختیار کیا ہے کہ اس آیت میں جو وصولِ ثواب از غیر کی نفی ہے وہ مقید ہے۔ عدمِ ہبہ عامل کے ساتھ۔ یعنی نہیں انسان کے لیے حصہ

عملِ غیر سے مگر جبھی کہ وہ اسے اپنا عمل ہبہ کر دے پس اس وقت اُسے ثواب ملے گا۔

دلیل چہاردہم ۱۴

تفسیر مدارک التنزیل جلد ۴ علامہ نسفی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس مسئلہ کو یوں بیان فرماتے ہیں ۔ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ اِلَّا سَعْیُهٗ وَهٰذَا اَیْضًا مِمَّا فِیْ صُحُفِ اِبْرَاهِیْمَ وَمُوْسٰی وَاَمَّا مَا صَحَّ فِی الْاَخْبَارِ مِنَ الصَّدَقَةِ عَنِ الْمَیِّتِ وَالْحَجِّ عَنْهُ فَقَدْ قِیْلَ اِنَّ سَعْیَ غَیْرِهٖ لَمَّا لَمْ یَنْفَعْهُ اِلَّا مَبْنِیًّا عَلٰی سَعْیِ نَفْسِهٖ لِکَوْنِهٖ تَابِعًا لَهٗ وَقَائِمًا بِقِیَامِهٖ وَلِاَنَّ سَعْیَ غَیْرِهٖ لَا یَنْفَعُهٗ اِذَا عَمِلَ لِنَفْسِهٖ وَلٰکِنْ اِذَا نَوَاهُ بِهٖ فَهُوَ بِحُکْمِ الشَّرْعِ کَالنَّائِبِ عَنْهُ وَالْوَکِیْلُ الْقَائِمُ مَقَامَهٗ۔

فرماتے ہیں انسان کو صرف اپنا عمل ہی ملے گا، یہ حکم ابراہیم و موسٰی علیہما کی شریعت میں تھا اور بہر حال وہ جو صحیح احادیث میں میت کی طرف سے صدقہ دینے اور اس کا حج ادا کرنے کے متعلق وارد ہوا ہے۔ پس تحقیق اس کی تطبیق میں کہا گیا ہے کہ بے شک سعی غیر اسے نہیں نفع دے گی مگر جب اس کی بنا بھی اسی کے عمل پر ہو جو اس کے تابع ہونے اور اس کے ساتھ قائم ہونے کے اور دوسری تطبیق یہ کہ عملِ غیر اسے نہیں نفع دیتا جبکہ اپنی ذات کے لیے عمل کیا ہو لیکن جب اس نے اسے ثواب پہنچانا نیت میں شامل کر لیا تو وہ حکمِ شرعی میں اس کی طرف سے نائب و وکیل کی طرح اس کے قائم مقام ہو جائے گا۔

یہ حصر کہ انسان کو اپنے کیے کا اجر ملے گا کئی وجوہات کی بنا پر مشکل ہے

(دلیل پانزدہم)

قَوْلُہٗ - وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی - اِسْتَشْکَلَ ھٰذَا الْحَصْرُ بِاُمُوْرٍ مِنْھَا اِنَّ الدَّالَ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ - وَمِنْھَا وَاتَّبَعْنَا ذُرِّیَّاتَھُمْ - بِاِیْمَانِھِمْ وَمِنْھَا اِذَا مَاتَ ابْنُ اٰدَمَ اِنْقَطَعَ عَمَلُہٗ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَۃٍ اِلٰی قَوْلِہٖ اَوْلَادٌ صَالِحٌ یَدْعُوْ لَہٗ وَمِنْھَا غَیْرُ ذَالِکَ - قَالَ الشَّیْخُ تَقِیُّ الدِّیْنِ اَبُوالْعَبَّاسِ اَحْمَدُ بْنُ تَیْمِیَّۃِ مَنْ اِعْتَقَدَ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَایَنْفَعُ اِلَّا بِعَمَلِہٖ فَقَدْ خَرَقَ الْاِجْمَاعَ وَذَالِکَ بَاطِلٌ مِنْ وُجُوْہٍ کَثِیْرَۃٍ اَحَدُھَا اِنَّ الْاِنْسَانَ یَنْتَفِعُ بِدُعَاءِ غَیْرِہٖ وَھُوَ اِنْتِفَاعٌ بِعَمَلِ الْغَیْرِ ثَانِیْھَا اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَشْفَعُ لِاَھْلِ الْمَوْقِفِ فِی الْحِسَابِ ثُمَّ لِاَھْلِ الْجَنَّتِ فِیْ دُخُوْلِھَا ثَالِثُھَا لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ فِی الْخُرُوْجِ مِنَ النَّارِ رَابِعُھَا اِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ یَدْعُوْنَ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ خَامِسُھَا اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُخْرِجُ مِنَ النَّارِ مَنْ لَّمْ یَعْمَلْ خَیْرًا قَطُّ بِمَحْضِ رَحْمَتِہٖ وَھٰذَا اِنْتِفَاعٌ بِغَیْرِ عَمَلِھِمْ سَادِسُھَا اِنَّ اَوْلَادَ الْمُؤْمِنِیْنَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ بِعَمَلِ اٰبَائِھِمْ سَابِعُھَا قَالَ تَعَالٰی فِیْ قِصَّۃِ الْغُلَامَیْنِ الْیَتِیْمَیْنِ وَکَانَ اَبُوْھُمَا صَالِحًا ثَامِنُھَا اِنَّ الْمَیِّتَ یَنْتَفِعُ بِصَدَقَۃٍ عَنْہُ وَبِالْعِتْقِ بِنَصِّ

السُّنَّۃِ وَالْاِجْمَاعِ تَاسِعُھَا اِنَّ الْحَجَّ الْمَفْرُوْضَ یَسْقُطُ عَنِ الْمَیِّتِ بِحَجِّ وَلِیِّہٖ عَنْہُ بِنَصِّ السُّنَّۃِ عَاشِرُھَا اِنَّ الْحَجَّ الْمَنْذُوْرَ وَالصَّوْمَ الْمَنْذُوْرَ یَسْقُطُ عَنِ الْمَیِّتِ بِعَمَلِ غَیْرِہٖ بِنَصِّ السُّنَّۃِ وَھُوَ انْتِفَاعٌ بِعَمَلِ غَیْرِہٖ حَادِیْ عَشَرَھَا وَالْمُنْتَفِعُ النَّبِیُّ الْمُدِیْنَ قَدْ اِمْتَنَعَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ حَتّٰی قَضٰی دِیْنَہٗ اَبُوْ قَتَادَۃَ وَقَضٰی دَیْنَ الْاٰخَرِ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَلَتَنْفَعُ بِصَلٰوۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ مِنْ عَمَلِ الْغَیْرِ اِلٰی آخِرِہٖ ۔ وَاُجِیْبَ بِاَجْوِبَۃٍ مِنْھَا اِنَّ الْاٰیَۃَ مَنْسُوْخَۃٌ وَرُدَّ بِاَنَّھَا خَبَرٌ وَالْاَخْبَارُ لَا تُنْسَخُ وَمِنْھَا اِنَّ الْمُرَادَ بِالْاِنْسَانِ الْکَافِرِ وَمِنْھَا اِنَّ ھٰذَا حِکَایَۃٌ عَمَّا مِنْ صُحُفِ مُوْسٰی وَاِبْرَاھِیْمَ فَلَیْسَ فِیْ شَرْعِنَا ۔

(تفسیر صاوی جزء ۴)

للعلامہ شیخ احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ ــــ صاحبِ تفسیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جو حصر ہے کئی امور کے جو نفع عمل غیر پر دلالت کرتے ہیں ان کے پیشِ نظر اسے ماننا دشوار ہے۔ ان امور میں سے یہ کہ حدیث پاک میں ہے نیکی کا راستہ بتلانے والا از روئے ثواب اسے کرنے والے کی طرح ہے اور ان امور میں سے جو نفع عملِ غیر پر دلالت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ہم ان کی اولاد کو ان کے ایمان کے سبب ان سے ملا دیں گے اور ان سے یہ کہ ارشادِ نبوی ؐ ہے جب ابن آدم فوت ہو جائے سوائے تین کے اس کے تمام عمل منقطع ہو جاتے ہیں۔

آخر حدیث تک فرمایا جن کا نفع فوت شدہ کو ملتا رہتا ہے نیک اولاد ہے جو اس کے لیے دُعا کرتی رہے اور اس کے علاوہ اس کے اور بھی دلائل ہیں۔

جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ انسان کو اپنے عمل کے سوا نفع نہیں پہنچتا اُس نے اجماعِ اُمّت کے خلاف کیا

شیخ تقی الدین ابو عباس احمد بن تیمیہ نے بیان کیا ہے کہ جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ انسان کو اپنے عمل کے سوا نفع نہیں پہنچتا پس تحقیق اس نے اجماعِ اُمت کا خلاف کیا اور یہ کثیر وجوہ سے باطل ہے مِنْ جملہ وجوہ میں سے ایک یہ کہ بلاشبہ انسان کو دعاءِ غیر سے فائدہ ہوتا ہے اور وہ عملِ غیر سے انتفاع ہے۔ دوم یہ کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیادتی حسنات میں اہلِ موقف کی شفاعت کریں گے پھر اہلِ جنّت کی اس میں دخول کی شفاعت فرمائیں گے۔ سوم گناہِ کبائر کے مرتکبین کی خروج از جہنم کی شفاعت فرمائیں گے۔ چہارم اس سے یہ کہ بے شک فرشتے دُعا و استغفار کرتے ہیں اہل زمین کے لیے۔ پنجم، اس سے یہ کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نکال لے گا دوزخ سے اہلِ ایمان میں سے اس کو بھی جس نے کوئی نیک عمل نہ کیا ہو محض اپنی رحمت سے یہ انتفاع ان کے غیر کے عمل سے ہے۔ ششم یہ کہ بلاشبہ مؤمنین کی اولاد جنت میں داخل ہو گی اپنے آباء کے عمل کے سبب۔ ہفتم۔ اس سے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دو یتیم لڑکوں کا قصّہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کا باپ نیک تھا۔ ہشتم یہ کہ بلاشبہ میّت کو فائدہ پہنچتا ہے اس کی طرف سے صدقہ دینے سے اور غلام آزاد کرنا سنت و اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ نہم یہ کہ بے شک حج فرضِ میّت سے ساقط ہو جاتا ہے اس کی طرف سے اس کے ولی کے ادا کرنے سے۔ نصِ حدیث کی بنا پر۔ دہم یہ کہ تحقیق نذر مانا ہوا حج اور نذر مانا ہوا روزہ غیر کے ادا کرنے سے میّت سے ساقط ہو جاتا ہے باوجودیکہ وہ غیر کا عمل ہے۔ نص حدیث سے ثابت ہے اور وہ انتفاع بعمل غیر سے ہے۔ یازدہم نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقروض کا جنازہ پڑھنے سے رُک جانا، پس تحقیق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مقروض پر نمازِ جنازہ پڑھنے سے رُک گئے یہاں تک کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا قرضہ چکا دیا اور دوسرے مقروض کا قرضہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادا کر دیا اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمازِ جنازہ پڑھنے سے نفع پہنچایا گیا وہ عمل غیر سے ہے اس کے بیان کے آخر تک۔

مذکورہ آیت لَیْسَ لِلْاِنْسَانَ کا جواب کئی طریقوں سے دیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ آیت منسوخ ہے اور اس کا جواب جو کہا گیا ہے کہ وہ خبر ہے اور اخبار منسوخ نہیں کیے جاتے اس کا جواب یوں دیا گیا کہ یہ آیت مبارکہ قل کے ضمن میں ہے۔ بے شک آیت میں انسان سے مراد کافر ہے اور یہ کہ بے شک وہ موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام کے صحائف سے حکایت ہے اور ہماری شریعت میں اس کا حکم جاری نہیں۔ اس مذکورہ بالا عبارت میں ایک تو یہ بات قابلِ غور ہے کہ صاحب تفسیر علامہ احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فوت شدگان کے لیے ایصالِ ثواب کو اور ان کو اس سے نفع پہنچنے کو قرآن و حدیث سے ثابت کر رہے ہیں اور جن نصوص سے استدلال کر رہے ہیں ان میں عبادتِ بدنی و مالی دونوں کا بیان ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ مالکیہ بھی عبادتِ بدنی و مالی دونوں سے ایصالِ ثواب برائے فوت شدگان کے قائل ہیں۔

دوسری بات اس عبارت میں قابلِ لطف یہ ہے کہ ابن تیمیہ جسے وہابی اپنا امام مانتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ انسان کو مرنے کے بعد سوائے اپنے عمل کے دوسروں کے عمل سے نفع نہیں پہنچتا اس نے اجماعِ امت کا خلاف کیا۔ اور غیر کے عمل سے نفع نہ پہنچنے والے عقیدہ کو باطل ثابت

کرنے کے لیے قرآن و حدیث سے گیارہ دلائل پیش کیے جن میں مالی و بدنی دونوں عبادتوں سے میت کو وصولِ ثواب کا ثبوت ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ قرآن پڑھنے کا ثواب قاری کو اور میت کو سننے کا ملے گا

(دلیل شانزدہم)

وَقَدْ قِيْلَ اِنَّ ثَوَابَ الْقِرَاءَةِ لِلْقَارِئِ وَلِلْمَيِّتِ ثَوَابُ الْاِسْتِمَاعِ وَلِذٰلِكَ تَلْحَقُهُ الرَّحْمَةُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ قَالَ الْقُرْطَبِيُّ وَلَا يُبْعَدُ مِنْ كَرَمِ اللّٰهِ اَنْ يَلْحَقَهٗ ثَوَابُ الْقِرَاءَةِ وَالْاِسْتِمَاعِ جَمِيْعًا وَيَلْحَقُهٗ ثَوَابُ مَا يُهْدٰى مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ وَاِنْ لَمْ يَسْمَعْهُ كَالصَّدَقَةِ وَالْاِسْتِغْفَارِ۔ وَلِاَنَّ الْقُرْاٰنَ دُعَاءٌ وَاِسْتِغْفَارٌ وَتَضَرُّعٌ وَاِبْتِهَالٌ وَمَا تَقَرَّبَ الْمُتَقَرِّبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ بِمِثْلِ الْقُرْاٰنِ اِنْتَهٰى۔

اور تحقیق بیان کیا گیا ہے کہ بے شک قراءۃ کا ثواب پڑھنے والے کو اور سماعت کا ثواب میت کو ملے گا اور اس لیے کہ اسے رحمت شامل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جب قرآن پڑھا جائے اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ رحم کیے جاؤ۔

علامہ قرطبی نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے بعید نہیں کہ وہ اس کے لیے ثواب قرأت اور ثواب سماعت سب کو جمع کر دے اور پہنچا دے ثواب اسے جو ہدیہ دیا گیا قرأت قرآن سے اگرچہ اس نے اسے نہ سنا ہو جیسے کہ صدقہ اور

استغفار سے اس لیے کہ بلاشبہ قرآن دعا اور استغفار ہے اور زاری وخوف سب کو شامل ہے اور نہیں کوئی اللہ کے مقربین کو قریب کرتا قرآن کی مثل۔ (تفسیر روح البیان جلد ۹ صفحہ ۲۵ ہفتدہم)

سات دن میت کی طرف سے کھانا دینا سنت ہے

لَنَخْتِمُ الْكِتَابَ بِلَطَائِفِ الْأُولٰى اِنَّ سُنَّةَ الْاِطْعَامِ سَبْعَةَ اَيَّامٍ بَلَغَنِيْ اِنَّهَا مُسْتَمِرَّةٌ اِلَى الْاٰنِ بِمَكَّةَ وَلْمَدِيْنَةِ فَالظَّاهِرُ اِنَّهَا لَا تُتْرَكُ مِنْ عَهْدِ الصَّحَابَةِ اِلَى الْاٰنِ وَ اِنَّهُمْ اَخَذُوْهَا خَلَفًا عَنْ سَلَفٍ اِلَى الصَّدْرِ الْاَوَّلِ وَرَءَيْتُ فِي التَّوَارِيْخِ كَثِيْرًا فِيْ تَرَاجِمِ الْاَئِمَّةِ يَقُوْلُوْنَ وَاَقَامَ النَّاسَ عَلٰى قَبْرِهٖ سَبْعَةَ اَيَّامٍ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ اِلْحَاوِيْ لِلْفَتَاوِيْ

جلد ۲ صفحہ ۱۹۴ لِلْاِمام علامہ جلال الدین سیوطی۔

البتہ اس کتاب کو کئی لطائف بیان کرنے کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔ پہلا یہ کہ تحقیق سات دن میت کی طرف سے کھانا دینا سنت ہے مجھ تک ثبوت پہنچا ہے کہ اب تک اس پر مسلسل عمل رہا ہے۔ حَرَمَیْنِ شَرِیْفَیْن میں پس ظاہر ہے کہ اسے زمانہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اب تک ترک نہیں کیا گیا اور بے شک وہ پہلوؤں سے بعد والے اسے عمل میں لاتے رہے ہیں۔ قرن اُولیٰ تک۔ اور میں نے تواریخ میں کثیر آئمہ دین کے حالاتِ زندگی پڑھے ہیں جو اس کی تاکید کرتے تھے اور یہ کہ سات دن لوگوں کو اس کی قبر پر بٹھایا جائے جو قرآن پاک پڑھیں، اس عبارت میں اہلِ سنت کے لیے بہت بڑا تحفہ ہے جو ان کے اس معمول کا اس میں ثبوت ہے کہ جب کوئی فوت ہو تو اس کے ایصال ثواب

کے لیے اس کے ورثاء کسی مستحق کو کھانا کھلاتے ہیں۔

حضرت علامہ الحافظ جلال ملت والدین جلال الدین محدث سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آباء ہٖ اسے زمانہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنت دائمہ مستمرہ اور اہل مکہ و مدینہ کا معمول خلفاً از سلفاً ثابت کر رہے ہیں۔ اب کوئی شاکی اگر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان پر شک لاتے یا کوئی معترض اس پر اعتراض کرے کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند پر کوئی دلیل احادیث و آثار سے پیش نہیں کی تو لہذا میں انہی کی پیش کردہ دلیل اسی مذکورہ کتاب سے پیش کرتا ہوں۔

قال الامام احمد بن حنبل فِی کتاب الزُّهدِ لَهُ حَدَّثنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ قَالَ حَدَّثنَا الْاَشْجَعِیُّ عَنْ سُفْیَانَ قَالَ قَالَ طَاءُوسُ اِنَّ الْمَوْتٰی یُفْتَنُوْنَ فِیْ قُبُوْرِهِمْ سَبْعًا فَکَانُوْا یَسْتَحِبُّوْنَ اَنْ یُّطْعَمُوْا عَنْهُمْ تِلْکَ الْاَیَّامَ قَالَ الْحَافِظُ اَبُوْ نُعَیْمٍ فِی الْحِلْیَةِ حَدَّثنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنِ مَالِکٍ حَدَّثنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلَ حَدَّثنَا اَبِیْ حَدَّثنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ قَالَ حَدَّثنَا الْاَشْجَعِیُّ عَنْ سُفْیَانَ قَالَ قَالَ طَاءُوسُ اِنَّ الْمَوْتٰی یُفْتَنُوْنَ فِیْ قُبُوْرِهِمْ سَبْعًا فَکَانُوْا یَسْتَحِبُّوْنَ اَنْ یُّطْعَمَ عَنْهُمْ تِلْکَ الْاَیَّامَ۔ (الحاوی للفتاوی جلد ۲ ص۱۷۸)

حضرت طاؤس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک فوت شدگان سے قبروں میں سات دن تک حساب لیا جاتا ہے تو لوگ مستحب جانتے تھے کہ ان ایام میں ان کے ایصال ثواب کے لیے کھانا دیا جائے۔ اس روایت کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الزہد سے

لیا ہے جبکہ یہ ہی روایت ابو نعیم نے بھی حلیہ میں بیان کی ان سے بھی علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے اسے لکھا ہے اور اگر کوئی راوی کے متعلق شک ڈالے تو اسی کتاب الحاوی للفتاویٰ کے صفحہ نمبر ۸۹ پر راوی کے مقام کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

رِجَالُ الْاِسْنَادِ الْاَوَّلِ رِجَالُ الصَّحِيْحِ وَطَاؤُسٌ مِنْ كِبَارِ التَّابِعِيْنَ۔ قَالَ اَبُوْ نُعَيْمٍ فِى الْحِلْيَةِ هُوَ اَوَّلُ الطَّبَقَةِ مِنْ اَهْلِ الْيَمَنِ وَرَوٰى اَبُوْ نُعَيْمٍ عَنْهُ اِنَّهٗ قَالَ اَدْرَكْتُ خَمْسِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوٰى غَيْرُهٗ عَنْهُ قَالَ اَدْرَكْتُ سَبْعِيْنَ شَيْخًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

مذکورہ کتاب کے ایک باب میں حسابِ قبر کے متعلق تین روایتیں لکھی گئی ہیں جن میں حضرت طاؤس والی روایت پہلی ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ رِجَالُ الْاِسْنَادِ الْاَوَّلِ رِجَالُ الصَّحِيْحِ۔ یعنی ان میں سے پہلی روایت کے اشخاص سب ثقہ ہیں اور حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ کبائر تابعین سے ہے اور ابو نعیم نے اپنی کتاب حلیہ میں کہا ہے کہ ان کا شمار اہلِ یمن کے اوّل طبقہ کے رواۃ میں ہوتا ہے۔ اوّل طبقہ سے اور ابو نعیم نے اس سے روایت کیا کہ انہوں نے بیان کیا، میں نے پچاس صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باحیات پایا ہے اور ابو نعیم کے علاوہ نے اس سے روایت کی کہ میں نے صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ستر شیوخ کو پایا۔

راوی کے بعد اب روایت کا درجہ ملاحظہ ہو۔

جس روایت میں اجتہاد کو دخل نہ ہو وہ حدیث حکماً مرفوع ہے

اَلْمُقَرَّرُ فِیْ فَنِّ الْحَدِیْثِ وَالْاُصُوْلِ مَا رُوِیَ مِمَّا لَا مَجَالَ لِلرَّأْیِ فِیْهِ کَاُمُوْرِ الْبَرْزَخِ وَالْاٰخِرَةِ فَاِنَّ حُکْمَهٗ الرَّفْعُ لَا الْوَقْفُ وَاِنْ لَّمْ یُصَرِّحِ الرَّاوِیْ بِنِسْبَتِهٖ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

فنِ حدیث و اصول میں ثابت ہے کہ تحقیق جو روایت اس قسم سے ہو کہ اجتہاد کو اس میں ہرگز دخل نہ ہو جیسے عالم برزخ اور آخرت کے معاملات کا بیان کرنا پس البتہ اس کا حکم حدیث مرفوع کا ہے نہ کہ موقوف اگرچہ راوی نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کی تصریح نہ بھی کی ہو۔

اسی الحاوی لِلفتاوی کی جلد ۲ صفحہ ۱۸۰ پر الحافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول یوں منقول ہے۔

مَا قَالَهُ الصَّحَابِیُّ مِمَّا لَا مَجَالَ لِلْاِجْتِهَادِ فِیْهِ فَحُکْمُهٗ الرَّفْعُ کَالْاِخْبَارِ عَنِ الْاُمُوْرِ الْمَاضِیَةِ مِنْ بَدْءِ الْخَلْقِ وَقَصَصِ الْاَنْبِیَاءِ وَعَنِ الْاُمُوْرِ الْاٰتِیَةِ کَالْمَلَاحِمِ وَالْفِتَنِ وَالْبَعْثِ وَصِفَةِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَالْاِخْبَارُ عَنِ الْعَمَلِ یَحْصُلُ بِهٖ ثَوَابٌ مَخْصُوْصٌ اَوْ عِقَابٌ مَخْصُوْصٌ فَهٰذِهِ الْاَشْیَاءُ لَا مَجَالَ لِلْاِجْتِهَادِ فِیْهَا فَحُکْمُهَا بِالرَّفْعِ

وہ حدیث جسے صحابی بیان کرے اس قبیل سے کہ اس میں اجتہاد کو دخل نہ ہو پس اس کا حکم مرفوع حکماً ہے جیسے امور ماضیہ کی خبریں ابتداءِ خلق سے اور انبیاء علیہ السلام کے واقعات کو بیان کرنا جیسے حادثات و فتنوں اور حشر و نشر

کی خبریں دینا اور جنت و دوزخ کے وصف کو بیان کرنا اور ایسے عمل کی خبریں دینا جس پر ثواب یا عذاب مخصوص حاصل ہو پس یہ مذکورہ چیزیں وہ ہیں جن میں اجتہاد ممکن نہیں تو یہ حکماً مرفوع ہیں۔

اب اہلِ اصول محدثین اور علمائے اصولیین کا بیان کردہ اصول (سطور بالا) پر لکھا جاچکا ہے جس سے واضح ہوا کہ جب کوئی راوی روایت کرتا ہے اور اس کی نسبت صریح طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کرتا تو دیکھا جائے گا کہ آیا اس روایت میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس میں راوی کے اجتہاد کو دخل ہے یا نہیں، اگر ہو تو اس صورت میں وہ حدیث مرفوع حکماً میں شامل نہیں اور اگر اجتہاد کو دخل نہ ہو اور جو کچھ اس روایت میں بیان ہوا ہے وہ سوائے نبی کے کسی دوسرے کے لیے بیان کرنا ممکن نہ ہو جیسے امور ماضیہ کی خبریں یا مستقبل میں رونما ہونے والے حادثات و واقعات پر اطلاعات یا عالم برزخ اور حشر و نشر کے احوال کی خبریں یا جنت و نار کے وصف کو بیان کرنا یا ایسے عمل کی اطلاع دینا جس پر ثواب یا عذاب معین کا ذکر ہو تو ایسی روایت جس میں اجتہاد کو بھی دخل نہیں اور جو کچھ اس میں مذکور ہے جس کا بیان سوائے نبی کے ممکن نہیں۔ وہ حدیث مرفوع حکمی کہلائے گی۔

اب اس بیان کے بعد حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ والی روایت دیکھیے کہ اس میں دو چیزوں کا بیان ہے۔ ایک تو برزخ کے حال کا ذکر کہ قبر میں فوت شدگان پہلے سات روز ابتلا میں ڈالے جاتے ہیں تو یہ ابھی حافظ ابن حجر کے بیان کردہ اصول سے واضح ہو چکا ہے کہ اگر راوی احوال برزخ کی خبر دے تو وہ اس کا اپنا یا کسی غیر نبی کا قول نہیں ہوگا بلکہ وہ فرمان نبی اور حدیث مرفوع حکمی شمار ہوگی۔ دوسرا اس مذکورہ روایت میں یہ بیان ہے کہ جب کوئی فوت ہوتا ہے

وگ پہلے سات روز اس کی طرف سے کھانا دینا مستحب جانتے تھے۔ اس کی تائید
کے لیے مذکورہ کتاب کی جلد ۲ صفحہ ۱۸۳ تا ۱۸۴ پر جو عبارت مشتمل ہے ملاحظہ ہو۔
قَوْلُهٗ كَانُوْا يَسْتَحِبُّوْنَ مِنْ بَابِ قَوْلِ التَّابِعِيِّ كَانُوْا
يَفْعَلُوْنَ وَفِيْهِ قَوْلَانِ لِاَهْلِ الْحَدِيْثِ وَالْاُصُوْلِ اَحَدُهُمَا
اِنَّهٗ اَيْضاً مِنْ بَابِ الْمَرْفُوْعِ وَاِنَّ مَعْنَاهُ كَانَ النَّاسُ
يَفْعَلُوْنَ ذَالِكَ فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ اِنَّهٗ مِنْ بَابِ الْعَزْوِ اِلَى
الصَّحَابِيِّ دُوْنَ اِنْتِهَاءِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُخْتُلِفَ
عَلٰى هٰذَا اَهَلْ هُوَ اِخْبَارٌ عَنْ جَمِيْعِ الصَّحَابَةِ فَيَكُوْنُ نَقْلاً
لِلْاِجْمَاعِ اَوْ عَنْ بَعْضِهِمْ عَلٰى قَوْلَيْنِ اَصَحُّهُمَا فِيْ شَرْحِ مُسْلِمٍ
لِلنَّوَوِيِّ الثَّانِيْ قَالَ شَمْسُ الدِّيْنِ الْبِرْشَنِيْ فِيْ شَرْحِ
الْفِيَةِ الْمُسَمَّاةِ بِالْمَوْرِدِ الْاَصْفٰى فِيْ عِلْمِ الْحَدِيْثِ قَوْلُ التَّا
بِعِيْ كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ يَدُلُّ عَلٰى فِعْلِ الْبَعْضِ وَقِيْلَ يَدُلُّ عَلٰى
نَقْلِ جَمِيْعِ الْاُمَّةِ اَوِ الْبَعْضِ وَسُكُوْتِ الْبَاقِيْنَ اَوْ فَعَلُوْا كُلُّهُمْ
عَلٰى وَجْهٍ ظَهَرَ لِلنَّبِيِّ وَلَمْ يُنْكِرْهُ اِنْتَهٰى وَقَالَ الرَّافِعِيُّ
فِيْ شَرْحِ مُسْنَدِهٖ مِثْلُ هٰذَا اللَّفْظِ يُرَادُ بِهٖ اِنَّهٗ كَانَ
مَشْهُوْرًا فِيْ ذَالِكَ الْعَهْدِ مِنْ غَيْرِ نَكِيْرٍ فَقَوْلُ طَاؤُسٍ
وَكَانُوْا يَسْتَحِبُّوْنَ اِنْ حُمِلَ عَلَى الرَّفْعِ كَمَا هُوَ الْقَوْلُ الْاَوَّلُ
كَانَ ذَالِكَ مِنْ تَتِمَّةِ الْحَدِيْثِ الْمُرْسَلِ وَيَكُوْنُ الْحَدِيْثُ
اُشْتُمِلَ عَلٰى اَمْرَيْنِ اَحَدُهُمَا اَصْلٌ اِعْتِقَادِيٌّ وَهُوَ
فِتْنَةُ الْمَوْتٰى سَبْعَةَ اَيَّامٍ وَالثَّانِيْ حُكْمٌ شَرْعِيٌّ فَرْعِيٌّ وَهُوَ
اِسْتِحْبَابُ التَّصَدُّقِ وَالْاِطْعَامِ عَنْهُمْ مُدَّةَ تِلْكَ الْاَيَّامِ

السَّبْعَةِ كَمَا اسْتَحَبَّ سُؤَالَ التَّثْبِيتِ بَعْدَ الدَّفْنِ سَاعَةً
وَيَكُوْنُ مَجْمُوْعُ الْاَمْرَيْنِ مُرْسَلَ الْاِسْنَادِ لِاِطْلَاقِ التَّابِعِيِّ
لَهُ وَعَدَمِ تَسْمِيَتِهِ الصَّحَابِيَّ الَّذِيْ بَلَغَهُ ذَالِكَ فَيَكُوْنُ
مَقْبُوْلًا عِنْدَ مَنْ يَقْبَلُ الْمُرْسَلَ مُطْلَقًا وَعِنْدَ مَنْ يَقْبَلُهُ
بِشَرْطِ الْاِعْتِضَادِ بِمَجِيْئِهِ عَنْ مُجَاهِدٍ وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ
عُمَيْرٍ وَحِيْنَئِذٍ فَلَا خِلَافَ بَيْنَ الْاَئِمَّةِ فِي الْاِحْتِجَاجِ بِهٰذَا
الْمُرْسَلِ وَاِنْ حَمَلْنَا قَوْلَهُ فَكَانُوْا يَسْتَحِبُّوْنَ عَلَى الْاَخْبَارِ
عَنْ جَمِيْعِ الصَّحَابَةِ وَاِنَّهُ نَقْلٌ لِلْاِجْمَاعِ كَمَا هُوَ قَوْلُ
الثَّانِيْ فَهُوَ مُتَّصِلٌ لِاَنَّ طَاءُسًا اَدْرَكَ كَثِيْرًا مِّنَ
الصَّحَابَةِ فَاَخْبَرَ عَنْهُمْ بِالْمُشَاهَدَةِ وَاَخْبَرَ عَنْ بَقِيَّةِ
مَنْ لَّمْ يُدْرِكْهُ مِنْهُمْ بِالْبَلَاغِ عَنْهُمْ مِنَ الصَّحَابَةِ
الَّذِيْنَ اَدْرَكَهُمْ وَاِنْ حَمَلْنَا عَلَى الْاَخْبَارِ عَنِ الْبَعْضِ
الصَّحَابَةِ فَقَطْ كَمَا هُوَ قَوْلُ الثَّالِثُ وَهُوَ الْاَصَحُّ كَانَ
مُتَّصِلًا عَنْ ذَالِكَ بَعْضِ الَّذِيْنَ اَدْرَكَهُمْ وَحِيْنَئِذٍ
فَالْحَدِيْثُ مُشْتَمِلٌ عَلٰى اَمْرَيْنِ كَمَا ذَكَرْنَاهُ فَاَمَّا
لثَّانِيْ فَهُوَ مُتَّصِلٌ كَمَا هُوَ الظَّاهِرُ وَاَمَّا الْاَوَّلُ فَاَمَّا
مُرْسَلٌ مَا تَقَدَّمَ تَقْرِيْرُهُ لِاَنَّهُ قَوْلٌ لَا يَصْدُرُ اِلَّا عَنْ
صَاحِبِ الْوَحِيِّ وَقَدْ اَطْلَقَهُ تَابِعِيٌّ فَيَكُوْنُ مُرْسَلًا
لِحَذْفِ الصَّحَابِيِّ الْمُبَلِّغِ لَهُ مِنَ السَّنَدِ وَعَلٰى هٰذَا فَيَكُوْنُ
الْاَمْرُ الثَّانِيْ الْمَنْقُوْلُ عَنِ الصَّحَابَةِ اَوْ عَنْ بَعْضِهِمْ
عَاضِدًا لِذَالِكَ الْمُرْسَلِ لِاَنَّ مِنْ وُجُوْهِ اِعْتِضَادِ الْمُرْسَلِ

عِنْدَنَا اَنْ يُّوَافِقَهُ فِعْلُ الصَّحَابِيِّ فَيَكُوْنُ هٰذَا عَاضِدًا ثَالِثًا بَعْدَ عَاضِدَيْنِ السَّابِقَيْنِ وَهُمَا قَوْلُ مُجَاهِدٍ وَقَوْلُ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ وَيَكُوْنُ الْحَدِيْثُ مُشْتَمِلٌ عَلٰى جُمْلَةٍ مَرْفُوْعَةٍ مُرْسَلَةٍ وَجُمْلَةٍ مَوْقُوْفَةٍ مُتَّصِلَةٍ عَاضِدَةٍ لِتِلْكَ الْجُمْلَةِ الْمُرْسَلَةِ۔

علمائے اصولیین کی نظر میں حضرت طاؤس والی روایت تمام صورتوں میں قابلِ قبول ہے

حضرت طاؤس کا یہ کہنا کہ وہ فوت شدہ کی طرف سے سات دن بعد از وفات کھانا دینا مستحب جانتے تھے۔ قول تابعی کے باب سے ہے اس قول کَانُوْا يَسْتَحِبُّوْنَ سے مراد کَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ہے یعنی وہ سات دن کھانا دینے پر عمل کیا کرتے تھے اور اس حدیث کے متعلق اہل اصول محدثین کے دو قول ہیں ایک ان میں سے یہ کہ تحقیق وہ بھی حدیث مرفوع کے باب میں شامل ہے اور بلاشبہ مراد اس سے یہ ہے کہ لوگ اس پر عمل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے جانتے اور اس پر سکوت اختیار کرتے اور دوسرا قول محدثین و اہلِ اصول کا یہ ہے کہ اس حضرت طاؤس کے قول کا تعلق صحابہ کرام کے باب تک ہو۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا نہ ہو پھر اختلاف اس پر ہے کہ کیا وہ قول تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فعل کی خبر سے متعلق ہے۔ پس وہ نقل اجماع ثابت کرنے کو ہو گا یا بعض سے منقول ہو گا الغرض ان دونوں قولوں پر شرح مسلم نووی میں اس نے قول ثانی کو ترجیح دی ہے۔ شمس الدین برشنسی نے اپنی کتاب شرح الفیہ جس کا

نام المورد الاصفی میں جو علم حدیث میں ہے کہا ہے کہ تابعی کا یہ قول کَانُوْ یَفْعَلُوْنَ بعض صحابہ کرام کے فعل پر دلالت کرتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمام امت کے فعل پر دلالت کرتا ہے یا بعض پر اور باقیوں کے سکوت پر یا اس سے مراد یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں تمام صحابہؓ اسے کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بُرا نہ جانا۔ یہ کلام تمام ہوا اور حضرت رافعی نے مسند کی شرح میں کہا اور عبید ابن عمیر کے اسے بیان کرنے سے اور اس وقت ائمہ کرام کے درمیان اس مرسل کو حجتِ شرعی بنانے میں اختلاف ہی نہیں اور اگر ہم اس جملہ فَكَانُوْا يَسْتَحِبُّوْنَ کو تمام صحابہ عظام رضی اللہ تعالیٰ کی اجتماعی فعل کی خبر دینے پر محمول کریں تو بلاشبہ وہ روایت اجماعِ صحابہ کے لیے دلیل ہوگی جیسا کہ اس کے متعلق دوسرا قول ہے۔ پس وہ متصل ہے اس لیے کہ حضرت طاؤس نے کثیر صحابہ کا زمانہ پایا اور ان سے بالمشاہدہ خبر دی اور باقیوں سے جن کو اس نے نہ پایا ان سے پہنچنے کی وجہ سے دوسروں سے ان سے ان کی خبر دی اور اگر ہم اسے بعض صحابہ عظام کے اخبار پر محمول کریں جیسا کہ اس کے متعلق تیسرا قول ہے اور وہ راجح ہے۔ دریں صورت حدیث متصل ہوگی۔ ان صحابہ کرام کی نسبت سے جن کو اس نے پایا ہے اور یہ حدیث دو امروں پر مشتمل ہوگی جیسے کہ ہم نے اسے بیان کیا ہے۔

پس بر حال ثانی کی بنا پر وہ متصل ہے جیسا کہ وہ ظاہر ہے اور بر حالِ اوّل کی بنا پر پس یا تو مرسل ہے جس کا بیان پہلے ہو چکا ہے اس لیے بے شک وہ قول صاحبِ وحی کے علاوہ سے نہیں صادر ہوتا اور البتہ اسے تابعی نے مطلق بیان کیا ہے پس وہ مرسل ہوئی اس صحابی کے حذف کی وجہ سے جس کی سند سے اسے پہنچی اور ہو جائے گی۔ امر ثانی کی بنا پر ہے۔ منقول کل صحابہ کرام سے یا بعض سے تقویت

دینے والی اس مرسل کو اس لیے کہ ہمارے نزدیک !

اگر فعل صحابی اس کی روایت کردہ حدیث کے مطابق ہو تو اس کو تقویت پہنچے گی !

تقویت کی وجوہات سے یہ بھی ہے کہ فعل صحابی اس کے موافق ہو، پس یہ تقویت دینے والا اس کے لیے امر ثالث ہوگا۔ ان دونوں سابقہ کے بعد اور ان دونوں قول سے ایک مجاہد کا اور ایک عبید بن عمیر کا ہے اور اس اعتبار سے حدیث جملہ مرفوعہ مرسلہ اور جملہ موقوفہ متصلہ پر مشتمل ہو گی، تقویت دینے والی ہو گی، اس جملہ مرسلہ کے لیے اس مذکورہ طویل کلام کا مختصر یہ ہے کہ حضرت طاؤس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ حدیث شریف اپنے مدلول لہٗ کے ثبوت کے لیے نص ہے اور مذکورہ علماءِ اصول و محدثین کی بیان کردہ توجیہات کی بنا پر قابلِ قبول اور حجت شرعی ہے کیونکہ مذکورہ اقوال و توجیہات کی رُو سے یا تو یہ حدیث مرفوع ہو گی یا موقوف پس ان دونوں صورتوں میں اس کے حجتِ شرعی ہونے میں کوئی شبہ نہیں پھر اس حدیث کی روشنی میں فوت شدگان کی طرف سے سات دن کھانا دینا سب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا معمول تھا یا بعض کا معمول اور باقیوں کا سکوت اور ان دونوں صورتوں میں حدیث قابل قبول اور حجتِ شرعی ہے نیز اگر حدیث شریف متصل ہے تو بلا اختلاف قابلِ قبول اور دلیل شرعی ہے اور اگر یہ حدیث مرفوع حکمی اور مرسل لفظی ہے تو اکثر علماء جو بلا شرطِ مؤید کے حدیث مرسل کو قبول کرتے ہیں ان کے نزدیک قابل اور نص شرعی ہے اور بعض علماء جو بشرطِ مؤید اسے قبول کرتے ہیں وہ شرط بدرجۂ اتم پائے جانے سے ان کے نزدیک بھی یہ قابلِ قبول

نصِ شرعی ہوئی تو نتیجہ یہ نکلا کہ یہ روایت بلا اختلاف مخالف اور بلا انکار منکر حجتِ شرعی اور قابلِ عمل ہے۔ اب اس میں سوچنے کی بات یہ کہ جب میت کی طرف سے سات دن کھانا دینا حدیث سے ثابت ہے اور اگر کوئی سات روز سے زیادہ دے یہ بھی مستحب ہے۔ بریں وجہ کہ کھانا دینا صدقہ ہے اور میت کی طرف سے صدقہ دینا احادیثِ کثیرہ سے صرف ثابت ہی نہیں بلکہ اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے مگر صد افسوس ان وہابیوں دیوبندیوں کی عقل و سوچ پر جو خود تو شریعت کی دانستہ یا نادانستہ مخالفت کر رہے ہیں اور اگر اہلِ سنت اپنے فوت شدگان مسلمان بھائیوں کی طرف سے کھانا دیتے یا تیجہ ساتہ اور چالیسواں پر ان کی طرف سے کچھ صدقہ و خیرات کرتے ہیں تو انہیں بھی طرح طرح کے فتوے ایجاد کر کے روکنے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی اسے خلاف شرع اور کبھی بدعت کہتے ہیں، نا معلوم ان بے چاروں کو کیا تکلیف ہے جو اس قدر شد و مد سے اس کارِ خیر کو روکنے کی کوششوں میں لگے ہوتے ہیں۔

البتہ یہ تو ضمنی طور پر بحث درمیان میں آگئی ورنہ بیان تو قبر میں تلاوتِ قرآن کے شرعی ثبوت کے متعلق بیان ہو رہا تھا۔ اب اگلی فصل میں مزید اس پر دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

فصلِ چہارم

اس فصل میں ان علماء کی کتب سے حوالہ جات لکھے جاتے ہیں جنہیں منکرین بھی مانتے ہیں۔

صالحین قبور کی زیارت اور ان سے برکت حاصل کرنا تلاوتِ قرآن و تقسیمِ طعام علمائے کے نزدیک امرِ مستحسن ہے

(۱) حوالہ آرے زیارتُ طعام و تبرک بقبورِ صالحین و امداد ایشاں

بامداد ثواب وتلاوت قرآن ودعائے وتقسیم طعام وشرینی امرِ مستحسن وخوب است باجماعِ علماء۔ فتاویٰ عزیزی، صفحہ ۲۵۔ صالحین کی قبروں کی زیارت اور ان سے تبرک حاصل کرنا ان کے ایصالِ ثواب کو تلاوتِ قرآن اور دعائے خیر اور کھانے وشرینی کی تقسیم مستحسن اور اچھا کام ہے جو کہ اجماعِ علماء سے ثابت ہے۔ اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ اکابر دیابنہ ووہابیہ بلواسطہ یا بلا واسطہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ اور طفلِ مکتب ہیں اور وہ ان مذکورہ بالا افعال و اشیاء کو امرِ مستحسن کہہ رہے ہیں اور اس پر علماء امت کا اجماع ثابت کر رہے ہیں۔ اب ان وہابیوں، دیوبندیوں سے پوچھیں جو انہیں افعال واشیاء کو بدعت و حرام اور شرک کہہ رہے ہیں کیا ان کے پاس کوئی نیا شرعی قانون آگیا ہے جسے شاہ عبدالعزیز صاحب یا دیگر علماء امت نے نہیں دیکھا جو اسے کارِ خیر اور امرِ مستحسن فرما چکے ہیں۔ اَمْ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔

جو قرآن وکلمہ بلا اُجرت پڑھا جائے اس کا ثواب میّت کو پہنچتا ہے!

حوالہ نمبر۲۔ ثناء اللہ پانی پتی صاحب اپنی کتاب حقیقۃ الاسلام میں اس سوال کے جواب میں کہ اجرت دے کر قرآن پڑھنے کا شرعی حکم کیا ہے۔ اس مسئلہ میں پانچ صورتیں بیان کرتے ہیں جن میں سے صورت سوم و چہارم یہاں لکھتا ہوں۔ آنکہ شخصے حَسْبَۃً لِلّٰہِ ثواب قرآن بہ خواندہ بکسی بخشد یا بہ قصدِ ثواب او را خواندن آغاز کند و ہرگز خیالِ معاوضہ در خاطر خطور نکند و آنکس بطریقِ مکافات بعد از آن یا در اثناءِ خواندن آں بوی چیزے بدھد یا احسانے نماید یا شخصی باشد کہ از سالہا بر شخصی انعام واحسان میکند و ایں کس در

مکافات آن قرآن کلمہ تہلیل وامثال ذلک برای او میخواند و ثوابش با و میبخشد
ایں صورت جائز است وفی الحدیث۔
مَنْ صَنَعَ اِلَيْكُمْ مَعْرُوْفاً فَكَافِئُوْهُ۔ بلاشبہ بلکہ مستحب
زیرا آنکہ مکافات احسان بالاحسان مستحب است وصورت چہارم آنکہ شخصی
است طالب علم دینی یا حفظ قرآن یا اشتغال بطاعت دیگر لیکن ازراہ تنگدستی و
فقدان وجہ معاش و فراغت اشتغال بایں امور ندارد برای دیگر صاحب مایہ
وجہ قوت او شود تا بفراغ بال مشغول بطاعت گردد و دریں صورت بر دو را اجر
کامل بر ہر طاعت او حاصل میگردد و مورد ایں آیت ہمین است۔
لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا ، واعانت بر طالب کہ در حدیث
جا بجا ممدوح واقع شدہ ہمیں است لیکن ایں را اجرت گفتن مجاز است۔
سوم صورت یہ کہ کوئی شخص اللہ کی رضا طلب کرنے کے لیے پڑھے ہوئے
قرآن پاک کا ثواب کسی کی روح کو بخش دے یا شروع سے ہی اس کے ایصال ثواب
کا قصد کرے اور اس پر معاوضہ کا خیال ہرگز دل میں نہ رکھے اور وہ جن کی میت
کیلئے پڑھ رہا ہے بطور مکافات عمل پڑھنے کے بعد یا پڑھنے کے دوران اس پڑھنے
والے کو کوئی چیز دے دے یا اس پر کوئی احسان کر دے یا کوئی شخص ہو جو کہ کئی
سالوں سے اس پر انعام و احسان کرتا رہا ہے اور یہ شخص مکافات انعام و احسان
کے لیے قرآن مجید اور کلمہ تہلیل اور اسی کی طرح کوئی ذکر اس محسن و منعم کے لیے پڑھتا
ہے اور اس کا ثواب اس کی روح کو بخش دیتا ہے یہ صورت بلاشبہ جائز ہے بلکہ
مستحب ہے۔ اس بنا پر کہ احسان کے بدلے احسان کرنا مستحب ہے اور حدیث
شریف میں ہے، جو تم سے نیکی کرے اسے اس کا صلہ دو۔
چہارم صورت یہ ہے کہ وہ شخص جو دینی طالب علم ہو یا حفظ قرآن کرتا ہو

یا کسی دیگر طاعت میں مشغول ہو لیکن تنگ دستی کی وجہ سے یا ذریعہ معاش میسر نہ ہونے کی وجہ سے اور ان روزگار کے امور میں مشغول ہونے کی اسے فرصت نہ ہو نے بریں صورت کوئی صاحب مال اس کے خورد و نوش کے لیے اسے کچھ دیتا ہے تاکہ دل جمعی سے وہ طاعت خدا و رسول میں مشغول رہے۔ اس صورت میں ان دونوں کو ہر طاعت پر اجر کامل ملے گا اور اس آیت لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا۔ کے وارد ہونے کی یہی مراد ہے اور اطاعت پر اعانت کرنے کی مدح حدیث شریف میں جا بجا کی گئی ہے لیکن اس اعانت کو اجرت کہنا مجازاً ہے۔

حوالہ نمبر ۳، فتاویٰ عزیزی میں ہے۔

شرینی و طعام پر فاتحہ پڑھ کر تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں شاہ عبدالعزیزؒ

آنکہ بہیئت اجماعیہ مردماں کثیر جمع شوند و ختم کلام کنند و فاتحہ بر شرینی و طعام نمودہ تقسیم در میان حاضراں نمائندہ ایں معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین نبود اگر کسے ایں طور بکنند باک نیست زیر آنکہ دریں قسم قبحے نیست بلکہ فائدہ احیاء و اموات را حاصل می شود۔

وہ جو کہ اجماعی طور پر بہت سے لوگ جمع ہو کر ختم قرآن کرتے ہیں اور شرینی و کھانے پر فاتحہ پڑھ کر حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں یہ معمول پیغمبر خدا علیہ السلام اور خلفائے راشدین کے زمانہ مبارکہ میں نہ تھا اور کوئی شخص اس طور پر ان افعال کو کرے تو حرج نہیں اس لیے کہ اس قسم کے افعال میں کوئی قباحت نہیں بلکہ زندوں اور فوت شدگان کا اس میں فائدہ ہے۔ اس عبارت میں غور طلب بات یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ یہ معمول زمانہ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم اور زمانہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم میں رائج نہ تھا فرما رہے ہیں اس کے کرنے میں کوئی حرج وقباحت نہیں بلکہ اس میں زندوں اور اموات سب کا بھلا ہے۔ گویا کہ شاہ صاحب ان افعال خیر کو جو زمانہ نبوی اور زمانہ خلفائے راشدین میں جاری نہ تھے بدعت حسنہ تسلیم کر رہے ہیں۔ اب دوسری طرف انہی سے پڑھے ہوئے وہابیوں دیوبندیوں کو دیکھیں جو ہر بدعت کو حسنہ وسیئہ کا فرق کیے بغیر ضلالت وحرام کہہ رہے ہیں حالانکہ حدیث شریف میں اس کا واضح فرق بیان کیا گیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم شریف میں ارشاد نبوی ہے۔

طریقہ حسنہ پر ثواب اور سیئہ پر وبال کا بیان

مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ كُتِبَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يُنْقَصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئٌ وَمَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يُنْقَصُ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئٌ۔

جس نے اسلام میں اچھا طریقہ نکالا پس بعد ازیں اسے معمول بنا لیا گیا تو اسے اس پر عمل کرنے والوں کے برابر ثواب ملے گا اور ان کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ نکالا پس بعد ازیں اسے معمول بنا لیا گیا تو اس کے ذمے ان سب کے برابر گناہ لکھا جائے گا جن کسی نے اس پر عمل کیا اور ان کے گناہوں سے کچھ کم نہ ہوگا۔

بہر حال اس پر دلائل کثیر موجود ہیں مگر طول سے احتراز کرتے ہوئے اسی پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

فتاویٰ عزیزی سے اہلِ سنّت کے معمول کھانے فاتحہ پڑھنے کی تائید ہوتی ہے

فتاویٰ عزیزی کی اسی عبارت سے اہلِ سنت کے اس معمول کی بھی تائید ہوتی ہے جو یہ کھانا سامنے رکھ کر اس پر فاتحہ پڑھتے ہیں کیونکہ جن افعال کے جواز کا اور زندوں و مردوں کے حق میں مفید ہونے کا صاحب فتاویٰ فتوے دے رہے ہیں ان میں فاتحہ بر شرینی و طعام بھی ہے نیز لفظ بر کا اردو معنی پر ہے یعنی شرینی و طعام پہ فاتحہ پڑھ کر حاضرین میں تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں مگر حیرت جدید فرقوں کے ان جدید مفتیوں پر جو اسے بدعت سیئہ اور حرام قرار دے رہے ہیں ۔

حوالہ نمبر ۴: حافظ شمس الدین بن عبد الواجد گفتہ از قدیم در ہر شہر مسلمانان جمع میشوند و برائے اموات قرآن میخوانند پس اجماع شدہ و خلال از شعبی روایت کردہ کہ بودند انصار و قتیکہ کسے میمرد از آنہا بسوے قبر او میرفتند برای او قرآن میخواندند و ابو محمد سمرقندی از علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ او از آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم روایت کردہ ہر کہ در مقابر گزشت و قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ یا زدہ بار خواندہ ثواب آن بأموات بخشید اورا ثواب دادہ شود بعدد مردگان و ابو القاسم سعد بن علی از ابی ہریرہ روایت کردہ کہ رسول فرمود صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہر کہ داخل مقابر شود لیستر بخواند فاتحہ را (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) واَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ) و بگوید آنچہ خواندہ ام ثواب آن باَهْلِ قُبُوْرِ از مُؤْمِنِيْنَ و مُؤْمِنَات گردانیدم آن ہمہ مردگان برای او شفیع باشند بسوی اللہ تعالیٰ و عبد العزیز صاحب خلال بسند خود از انس روایت کردہ رسول فرمود صلی اللہ علیہ وسلم

ہر کہ داخل مقابر شود و سورۃ یٰسین بخواند از مردگان تخفیف عذاب شود و او را بعدد مردگان حسنات باشد قرطبی گفتہ کہ رسول فرمود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخوانید بر مردگان خود (یٰسٓ) جمہوری گویند در وقت مردن بخواند و عبدالواحد مقدسی گفتہ کہ نزد قبور بخواند و محب طبری گفتہ کہ در دو حال خواند و در (احیاء العلوم) از احمد بن حنبل روایت کردہ کہ وقتیکہ در مقابر داخل شوند فاتحہ و معوذتین و قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) خواند و برای اہلِ مقابر گرداند ببا فتہا رسد و بالا گزشتہ خواندن فاتحہ نزد سر میّت و خاتمۂ آن از حدیث علاء بن ابنِ حلاج۔ واللہ اعلم۔

اموات مسلمین کے لیے جمع ہو کر قرآن پڑھنا اہلِ اسلام کا قدیم طریقہ ہے!

حافظ شمس الدین بن عبدالواحد نے کہا ہے کہ زمانہ قدیم سے یہ طریقہ چلا آ رہا ہے کہ ہر شہر میں مسلمان جمع ہو کر فوت شدگان کے لیے قرآن مجید پڑھتے ہیں پس یہ اجماع ثابت ہوا۔ اور شعبی نے خلال سے روایت کی ہے کہ صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم انصار کا معمول تھا جب ان میں سے کوئی فوت ہوتا اس کی قبر کے پاس جاتے اور اس کے ایصال ثواب کے لیے قرآن شریف پڑھتے اور ابو محمد سمرقندی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص قبرستان سے گزرا اور قل ہو اللہ احد کو گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب فوت شدگان کو بخشا اس کو ان فوت شدگان کی تعداد کے برابر ثواب دیا جائے گا۔

ابوالقاسم سعد بن علی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی قبرستان میں داخل ہونے

کے بعد سورۃ فاتحہ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ، پڑھے اور کہے جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب اہلِ قبور مؤمنین و مؤمنات کی روح کو بخشتا وہ تمام اہلِ قبور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے لیے شفیع ہوں گے اور عبدالعزیز صاحب خلال اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص قبرستان میں داخل ہو اور سورۃ یٰسین کو پڑھے، اہلِ قبور سے عذاب میں تخفیف ہو گی اور اسے اہلِ قبور کی تعداد کے برابر نیکیاں ملیں گی"۔

اپنے فوت شدگان کے لئے یٰسین پڑھو، ارشادِ نبوی

قرطبی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے اموات پر سورۃ یٰسین پڑھو۔ جمہور علماء نے مرتے وقت اس کے پاس یٰسین پڑھنے کو کہا ہے۔ اور عبدالواحد مقدسی نے کہا کہ قبروں کے پاس پڑھنا چاہیے اور محب طبری نے کہا کہ دونوں جگہوں میں پڑھا جائے اور احیاء العلوم میں احمد بن حنبل سے روایت کی گئی کہ مقابر میں داخل ہوں سورۃ فاتحہ اور معوذتین یعنی قرآن کی دونوں آخری سورتیں اور قل ہو اللہ احد پڑھیں اور اس کا ثواب اہلِ مقابر کو پہنچائیں اور سورۃ بقرہ کا اول حصہ میت کے سر کی طرف پڑھنے اور آخری حصہ پاؤں کی طرف پڑھنے کے متعلق ثبوت گزر چکا ہے۔

ابنِ عمر کی روایت کردہ حدیث آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور اوّل سورۃ بقرہ اور آخر حصہ اس کا علاء بن حلاج کی روایت کردہ حدیث سے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

مذکورہ بالا عبارت کا مختصر یہ ہے کہ (۱) فوت شدگان کے ایصال ثواب کے

لیے قرآن خوانی پر اجماع اہلِ اسلام کے ہر شہر کا قدیمی معمول ہے۔

(۲) انصار جن کو صحابیت کے علاوہ یہ شرف بھی حاصل ہے کہ وہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باسی ہیں جن کا اجماع شریعت میں نص کا درجہ رکھتا ہے ان کا یہ معمول تھا کہ جب ان میں سے کوئی فوت ہوتا تو وہ اس کی قبر پہ قرآن پڑھا کرتے تھے۔

(۳) مذکورہ عبارت میں پانچ مرفوع حدیثوں سے قبرستان میں اموات مسلمین کے لیے قرآن پڑھنے کا ثبوت پیش کیا گیا ہے جن کے رواۃ حضرت علی مرتضیٰ ابو ہریرہ انس عبد اللہ ابنِ عمر اور علاء بن ابن حلاج رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں، مگر افسوس ان عقل و نظر کے کوروں پر جن کو قبرستان میں قرآن مجید پڑھنے کے متعلق کوئی ایک حدیث مرفوع بھی نظر نہ آئی اور طریقۂ مسلوکہ فی الدین کا انکار کر بیٹھے۔ شاہ ولی اللہ نے واقعہ یوں بیان کیا۔ حوالہ نمبر ۵

اہلِ قبر نے شاہ ولی اللہ سے کہا فقیر کی قبر یہ ہے

بارے را کہ در دفن حاضر بود ہمراہ گرفتم و بزیارت مرقد رفتم آں عزیز ہر چند تامل کرد۔ ایشاں نشناخت آخر بہ تخمین بسوئے قبرے اشارت کرد و آں جا نشستم و قرآن می خواندم حضرت سید از پشت من ندا کردند کہ قبرے فقیر ایں است اما ہر چہ شروع کردہ اید آں تمام کنید و ثواب بہ صاحب آں قبر دہید آں جا گفتم کہ نیک تامل کن قبر حضرت سید ایں است کہ باآں اشارت کردی یا پسِ پشت من تامل کرد و گفت خطا کردہ بودم قبر ایشاں پسِ پشت شما است آں سوئے نشستم و قرآن خواندن گرفتم درآں اثناء بسبب حزن و گرفتگی خاطر بسیارے از قواعدِ قرآت نا مرعی گذاشتم از درونِ قبر ندا کردند کہ فلاں جاء فلاں جاء ساہلہ کردید در

امر قرات۔ انفاس العارفین دوست جو دفن کے وقت موجود تھے اسے ساتھ لے کر سید صاحب کے مزار کی زیارت کو گئے۔ عزیز ساتھی نے ہر چند کوشش کی لیکن قبر کی شناخت نہ کر سکا۔ آخر اندازہ سے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا۔ اسی جگہ میں بیٹھ گیا اور قرآن پڑھتا رہا۔ حضرت سید صاحب نے مجھے پشت کی طرف سے آواز دی کہ فقیر کی قبر یہ ہے مگر جو کچھ تم نے شروع کیا ہے اسے وہیں پورا کرو اور اس کا ثواب اسی اہلِ قبر کو دو۔ اس وقت میں نے اس ساتھی سے کہا اچھی طرح غور کر کہ سید صاحب کی قبر یہی ہے، جس کی جانب تو نے اشارہ کیا ہے یا میری پشت کے پیچھے اس نے جب غور کیا۔ کہا میں نے اشارہ کرنے میں غلطی کی ہے ان کی قبر تمہاری پیٹھ کی طرف ہے۔ اسی طرف میں بیٹھ گیا اور قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ اسی اثناء میں غم و ملال کے باعث قراءتِ قرآن کے قواعد کے مطابق ٹھیک پڑھ نہ سکا۔

اہلِ قبر نے شاہ ولی اللہ کو قرآن میں تساہل سے آگاہ کر دیا

سید صاحب نے قبر کے اندر سے آواز دی کہ فلاں فلاں جگہ توُں نے قرأت کے معاملہ میں تساہل کیا ہے۔ اس مذکورہ عبارت میں ایک تو ان وہابیوں دیوبندیوں کا ردِ بلیغ ہے جو بتوں کے لیے نازل شدہ آیات کو انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام پر چسپاں کر کے ان حضرات قدسیہ کی شانِ اقدس میں طرح طرح کی گستاخیاں کرتے ہیں اور ان آیات کی مراد بتاتے ہیں کہ معاذ اللہ انبیاء و اولیاء اپنی قبور میں نہ کسی کی کچھ سنتے ہیں اور نہ جواب دیتے ہیں، نہ انہیں کوئی نفع کا اختیار ہے نہ نقصان کا۔

اس عبارت میں اب اہلِ قبور کے قرآن مجید سننے کا بھی ثبوت ہے اور

بات کرنے کا بھی اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی فرما کر اسے نفع پہنچانے اور مشکل کشائی کرنے کا بھی ثبوت ہے۔ دوم، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قبرستان میں قرآن پاک پڑھنے سے ثابت ہوا کہ قبرستان میں اموات مسلمین کے لیے قرآن پڑھنا خلاف شرع نہیں۔ اگر یہ عمل خلاف شرع ہوتا تو شاہ صاحب شریعت کی مخالفت کیوں کرتے۔

حوالہ نمبر۶:

اگر کوئی جماعت قبر پر فاتحہ وختم پڑھ کر کچھ تقسیم کریں اسمیں کوئی قباحت نہیں

درمجلس فاتحہ وختم برائے حاضران مجلس باشد اگر ایں جماعت برسر قبر باشد آنجا تقسیم شود و ثواب آن باموات برسد واگر درخانہا باشد بر حاضراں تقسیم شود ہم قباحتے ندارد۔ فتاوی شاہ رفیع الدین صہ۹۔

مجلس میں فاتحہ اور ختم پڑھنا برائے حاضرین مجلس ہے۔ اگر یہ جماعت قبر پر ہے اسی جگہ تقسیم ہوا اور ثواب اس کا اموات کو پہنچا اور اگر گھروں میں ہوں حاضرین پر تقسیم ہوا کوئی قباحت نہیں۔ اس مندرجہ بالا فتوی سے کھانے پر ختم پڑھنے اور اسے تقسیم کرنے اور ختم پڑھنے سننے کے لیے گھروں میں یا قبرستان میں جمع ہونے اور وہاں قرآن پڑھنے اور فوت شدگان کو ایصالِ ثواب کرنے سب کا جواز ثابت ہوا۔

حوالہ نمبر۷:

حضرت ثناء اللہ پانی پتی کی ختم قرآن اور دیگر اُمور خیر کے ایصال ثواب کی وصیت

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصیت نامہ میں لکھا ہے۔
واز کلمہ و درود و ختم قرآن و استغفار و از مالِ حلال صدقہ بہ فقرآء باخفاء امداد فرمایند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ اَلْمَیِّتُ فِی الْقَبْرِ کَالْغَرِیْقِ الْمُتَغَوِّصِ یَنْتَظِرُ دَعْوَۃً مَا تَلْحَقُہٗ عَنْ اَبٍ اَوْ اَخٍ اَوْ صِدِّیْقٍ۔ یعنی بعد از موت کلمہ و درود سے اور ختمِ قرآن و استغفار سے اور مال حلال سے فقرآء کو پوشیدہ صدقہ سے امداد فرمانا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت قبر میں غوطے لے کر ڈوبنے والے کی طرح ہے وہ دعا کا منتظر ہوتا ہے جو اسے باپ بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچے۔ مذکورہ عبارت میں غور طلب بات یہ ہے کہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ وصیت نامہ میں اپیل کر رہے ہیں کہ پس مرگ کلمہ اور درود شریف پڑھ کر اور ختم قرآن و استغفار کر کے اور صدقہ و خیرات فقرآء پر کر کے میری امداد کرنا۔ نیز حدیث پاک سے ثابت کر رہے ہیں کہ میت قبر میں زندوں کی دعا کا ایسے ہی منتظر و محتاج ہوتی ہے جیسے ڈوبنے والا دستگیری و امداد کا۔

اس میں سوچنے کی بات یہ ہے کہ جن اُمورِ خیر کی وصیت ثناء اللہ پانی پتی صاحب کر رہے ہیں اور حدیثِ پاک کی رُو سے جس چیز کے فوت شدگان طالب منتظر ہوتے ہیں یہ سب تیجے ساتے دسویں چالیسویں پر کیے جاتے ہیں ان کا اصل مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ مقررہ دنوں میں اَعِزّاء و اقارب جمع ہو کر زیادہ سے زیادہ قرآن مجید اور کلمہ درود پڑھ سکیں اور اجتماعی دعا و استغفار کریں اور صدقہ و خیرات کریں ——— مگر نہ جانے ان وہابیوں دیوبندیوں کو اس میں کیا بُرا لگتا ہے جو لوگوں کو اس کارِ خیر سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں اور اموات مسلمین کو اس اجرِ عظیم سے محروم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حوالہ نمبر ۸ :

حضرت امداد اللہ مہاجر مکی کے نزدیک کارِ خیر پر اجتماع کے لیے تاریخ کا تعین جائز ہے

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ میں بزرگان دین کے عرسوں کے جواز و فوائد پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :
حقیقت یہ ہے کہ زیارتِ قبور اکیلے اور جماعت کے ساتھ دونوں طرح جائز ہے اور ایصالِ ثواب بذریعہ تلاوتِ قرآن اور تقسیمِ طعام بھی جائز ہے اور مصلحت سے خاص تاریخ کو مقرر کرنا بھی جائز اور یہ سب مل کر بھی جائز۔ یعنی جماعت در جماعت زیارتِ قبور کو جانا اور اجتماعی طور پر ایصال ثواب کے لیے تلاوتِ قرآن کرنا اور کھانے کا اہتمام کر کے اسے تقسیم کرنا اور ان کاموں یا عرسوں کے لیے تاریخ مقرر کرنا یہ سب کچھ جائز ہے۔

فصلِ پنجم

خود منکرین کی کتب سے مقابر میں تلاوتِ قرآن اور دیگر اذکار کے جواز کا ثبوت۔ (حوالہ اول)

جمہور سلف و آئمہ ثلثہ اموات مسلمین کو وصول ثواب کے قائل ہیں ، فتاویٰ اہلِ حدیث

فتاویٰ اہلِ حدیث مصنفہ عبداللہ روپڑی صفحہ ۱۷۴ تا ۴۷۳ کی عبارت یوں ہے ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی خاص طریق مقرر نہ کرے بلکہ جب اتفاق پڑے عام طور پر قبروں کی زیارت کرے اور اس وقت قرآن مجید کی کوئی صورت

پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخش دے۔

اس میں اختلاف ہے امام احمدؒ و ابوحنیفہؒ وغیرہ اس کے قائل ہیں، امام شافعیؒ و امام مالکؒ اس کے قائل نہیں۔ مرقات شرح مشکوٰۃ میں بحوالہ شرح الصدور سیوطی لکھا ہے:

اُخْتُلِفَ فِیْ وَصُوْلِ ثَوَابِ الْقُرْآنِ لِلْمَیِّتِ فَجُمْهُوْرُ السَّلَفِ وَالْاَئِمَّةُ الثَّلٰثَةُ عَلَی الْوَصُوْلِ وَخَالَفَ فِیْ ذٰلِكَ اِمَامُنَا الشَّافِعِیُّ۔

مرقات جلد ۲، صفحہ ۳۸۲ یعنی میت کو قرآن مجید کا ثواب پہنچنے میں اختلاف ہوا ہے۔ پس جمہور علماءِ سلف اور تین ائمہ پہنچنے کے قائل ہیں، اور ہمارے امام شافعی نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے:

اُخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِی الْعِبَادَاتِ الْبَدَنِیَّةِ كَالصَّوْمِ وَالصَّلٰوةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَالذِّكْرِ فَذَهَبَ اَبُوْ حَنِیْفَةَ وَجُمْهُوْرُ السَّلَفِ اِلٰی وَصُوْلِهَا وَالْمَشْهُوْرُ مِنْ مَذْهَبِ الشَّافِعِیِّ وَمَالِكٍ عَدَمُ وَصُوْلِهَا۔

عبادات بدنیہ کے ثواب پہنچنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ اور جمہور سلف ثواب پہنچنے کی طرف گئے ہیں اور امام شافعی و مالک رحمۃ اللہ علیہما کے مذہب میں سے نہ پہنچنا مشہور ہے۔ ان عبارتوں میں امام احمدؒ و امام ابوحنیفہؒ اور جمہور کا مذہب ثواب کا پہنچنا بتلایا ہے اور امام شافعیؒ و امام مالکؒ کا مذہب نہ پہنچنا بتایا ہے پھر امام مالک کے دو قول نقل کیے ہیں۔ پہلے میں پہنچنے کا ذکر ہے، دوسرے میں نہ پہنچنے کا۔

امام احمدؒ و امام ابوحنیفہؒ کے موافق بعض احادیث بھی آئی ہیں۔

پانچ مرفوع احادیث سے عبادتِ مالی و بدنی کے ایصالِ ثواب کا ثبوت

اوّل حدیث: ابو محمد سمرقندیؒ نے فضائل قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے کہ جو شخص قبروں کے پاس سے گزرے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب مُردوں کو بخش دے تو ان مُردوں کی گنتی کے برابر اس کو ثواب دیا جائے گا۔

دوم حدیث: ابو القاسم سعد بن زنجانیؒ نے اپنے فوائد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قبرستان میں جائے پھر سورۃ فاتحہ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ کر کہے یا اللہ میں نے جو تیرا کلام پڑھا ہے اس کا ثواب اس قبرستان کے مؤمن اموات کو بخشا تو وہ مُردے اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی سفارش کریں گے۔

سوم حدیث: عبد العزیز خلال کے شاگرد نے حضرت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو، پھر سورۂ یٰسین پڑھے تو اللہ تعالیٰ مُردوں پر عذاب میں تخفیف کرتا ہے اور مردوں کی تعداد کے برابر اسے نیکیاں ملتی ہیں۔

چہارم حدیث: قرطبی نے اپنے تذکرہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے کہ جب کوئی مؤمن آیۃ الکرسی پڑھے اور اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو اللہ تعالیٰ مشرق و مغرب کی ہر قبر میں نور داخل کرتا ہے اور ان کی خواب گاہوں کو وسیع کرتا ہے اور پڑھنے والے کو ساٹھ نبیوں کا ثواب

دیتا ہے اور اموات کے مقابلہ میں اس کا درجہ بلند کرتا ہے اور ہر میت کے مقابل اس کے لیے دس نیکیاں لکھتا ہے۔

پنجم حدیث: دارقطنی میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میں اپنے ماں باپ کے ساتھ ان کی زندگی میں نیکی کیا کرتا تھا۔ اب مرنے کے بعد ان سے کیا نیکی کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرنے کے بعد ان سے یہ نیکی ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان کے واسطے نماز پڑھ اور اپنے روزہ کے ساتھ ان کے لیے روزہ رکھ۔ تبصرہ:

پہلی چار حدیثوں میں قرآن مجید کے ثواب پہنچنے کا ذکر ہے اور پانچویں میں دیگر بدنی عبادات نماز و روزہ کے ثواب پہنچنے کا بیان ہے۔ بعض اور روایات بھی آئی ہیں مگر سب ضعیف ہیں، صحیح کوئی نہیں ہے۔

امام نووی نے کتاب الاذکار میں لکھا ہے کہ محمد بن احمد مروزیؒ نے کہا ہے میں نے احمد بن حنبل سے سنا ہے فرماتے تھے جب تم لوگ قبرستان میں جاؤ تو سورت فاتحہ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھو اور اس کا ثواب مُردوں کو بخشو مُردوں کو ثواب پہنچے گا۔

امام سیوطی نے قرأتِ قرآن کی روایتیں ذکر کر کے لکھا ہے اگرچہ یہ ضعیف ہیں لیکن ان کا مجموعہ بتاتا ہے کہ ان کی کچھ اصل ہے۔ امام سیوطیؒ نے ان کے مجموعہ پر حسن یا صحیح ہونے کا حکم اس لیے نہیں لگایا کہ ان میں ضعف زیادہ ہے اگر ضعف کم ہوتا تو مجموعہ مل کر حسن یا صحیح کے درجہ کو پہنچ جاتا۔ خیر ان پر عمل سے روکا نہیں جاتا خاص کر جب کہ امام بھی اس طرف گئے ہیں، چنانچہ اوپر امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ سے نقل ہو چکا ہے۔

مشکوٰۃ میں حدیث ہے اس میں دفن کے وقت سر کے طرف شروع آیات

سورۃ بقرہ اور پاؤں کی طرف آخیر آیات بقرہ کی پڑھنے کا ذکر آیا ہے اگرچہ یہ روایت بھی ضعیف ہے مگر مذکورہ بالا روایات کی مؤید ہے۔

فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہے فتاویٰ اہلِ حدیث

بہرصورت عمل میں کوئی حرج نہیں کیونکہ فضائلِ اعمال میں ضعیف بھی معتبر ہے۔ اس مذکورہ بالا عبارت میں صاحب فتاویٰ اہلحدیث نے تلاوت علی القبور کے جواز کا اقرار تو چار ناچار کر لیا اور یہ بھی کہا اگرچہ اس باب میں احادیث ضعیف ہی ہیں پھر بھی عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کی وجہ یہ بیان کی کہ فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہے۔ مگر دوسری طرف حقیقت سے انحراف کرتے ہوئے یہ کہا کہ کوئی خاص طریق مقرر نہ کرے بلکہ جب بھی اتفاق پڑے عام طور پر قبروں کی زیارت کرے اور کوئی سورۃ پڑھ کر اس کا ثواب اہلِ قبور کو پہنچائے، جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید زیارتِ قبور اور قرأتِ قرآن کے لیے کوئی وقت دن یا ہیئت معین کرنا یا سورتوں کو معین کرنا جائز نہیں حالانکہ ان کے تعین کا انکار کرنا یا ناجائز کہنا مکابرہ ہے اور خواہ مخواہ دین میں دخل اندازی ہے اس لیے کہ جن کے تعین پر عدمِ جواز کا حکم لگا رہے ہیں۔ ان کے تعین کا ثبوت تو احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔

تفصیل اس کی یوں ہے کہ تفسیر درمنثور سے حدیث جو اسی کتاب کے باب دوم فصل اوّل نص ششم میں لکھی گئی ہے کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ہر جمعہ کو اپنے ماں باپ کی قبروں کی زیارت کی اور انکے پاس سورہ یٰسین کو پڑھا اس کی بخشش ہو جائے گی۔ اس حدیث شریف میں دن کا تعین بھی ہے اور سورت کا بھی۔

اسی طرح مستدرک شریف جلد اوّل صفحہ ۳۷۷ پر روایت ہے کہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جمعہ کو رسول اللہ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تربت منورہ کی زیارت کو جاتیں۔ اسی طرح سورتوں کے تعین کے لیے اس کتاب کے اسی باب میں متعدد حدیثیں لکھی جا چکی ہیں جو طالب راہِ حق اس کا مطالعہ کرے گا۔ حقیقت اس پر عیاں ہو جائے گی اور ہیئت مخصوصہ کا ثبوت حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کردہ حدیث میں موجود ہے وہ یوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بوقتِ دفن سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات میت کے سرہانے پڑھو اور آخری آیات اس کے پاؤں کی طرف۔

حوالہ نمبر۲:

میت کو قبر داخل کرتے وقت کیا پڑھیں

اَلْقِرَاءَۃُ عِنْدَ دَفْنِ الْمَیِّتِ

وَقَالَ الْخَلَّالُ فِی الْجَامِعِ کِتَابُ الْقِرَاءَۃِ عِنْدَ الْقُبُوْرِ اَخْبَرَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدَّوْرِیُّ ثَنَا یَحْیَی بْنُ مَعِیْنٍ ثَنَا مُبَشِّرُ الْحَلَبِیُّ حَدَّثَنِیْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَلَاجِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قَالَ اَبِیْ اِذَا اَنَا مِتُّ فَضَعْنِیْ فِی اللَّحْدِ وَقُلْ بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَسُنَّ عَلَیَّ التُّرَابَ سَنًّا وَاقْرَءْ عِنْدَ رَأْسِیْ بِفَاتِحَۃِ الْبَقَرَۃِ وَخَاتِمَتِھَا فَاِنِّیْ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ یَقُوْلُ ذَالِکَ قَالَ عَبَّاسُ الدُّوْرِیُّ سَئَلْتُ اَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ قُلْتُ تَحْفَظُ فِی الْقِرَاءَۃِ عَلَی الْقَبْرِ

شَيْئًا، فَقَالَ لَا وَسَئَلْتُ يَحْيَى بْنَ مُعِيْنٍ فَحَدَّثَنِيْ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَ الْخَلَّالُ وَاَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ احمد الْوَارِقِ حَدَّثَنِيْ عَلِيُّ بْنُ مُوْسَى الْحَدَّادِ وَكَانَ صَدُوْقًا قَالَ كُنْتُ مَعَ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ قُدَامَةَ الْجَوْهَرِيْ فِيْ جَنَازَةٍ فَلَمَّا دُفِنَ الْمَيِّتُ جَلَسَ رَجُلٌ ضَرِيْرٌ يَقْرَءُ عِنْدَ الْقَبْرِ فَقَالَ لَهُ اَحْمَدُ يَاهٰذَا اِنَّ الْقِرَاءَةَ عِنْدَ الْقَبْرِ بِدْعَةٌ فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنَ الْمَقَابِرِ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ لِاَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ مَا تَقُوْلُ فِيْ مُبَشِّرِ الْحَلَبِيِّ قَالَ كَتَبْتَ عَنْهُ شَيْئًا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَخْبَرَنِيْ مُبَشِّرٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَلَاجِ عَنْ اَبِيْهِ اِنَّهُ اَوْصٰى اِذَا دُفِنَ اَنْ يُقْرَءَ عِنْدَ رَءْسِهٖ بِفَاتِحَةِ الْبَقَرَةِ وَخَاتِمَتِهَا۔ وَقَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يُوْصِيْ بِذَالِكَ فَقَالَ لَهُ اَحْمَدُ فَارْجِعْ وَقُلْ لِلرَّجُلِ يَقْرَءُ۔

(اَلْقِرَاءَةُ عِنْدَ الْقُبُوْرِ عَقَبَ الدَّفْنِ)

وَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ الزَّعْفَرَانِيُّ سَئَلْتُ الشَّافِعِيَّ عَنِ الْقِرَاءَةِ عِنْدَ الْقَبْرِ فَقَالَ لَا بَاْسَ بِهَا وَذَكَرَ الْخَلَّالُ عَنِ الشَّعْبِيْ قَالَ كَانَتِ الْاَنْصَارُ اِذَا مَاتَ لَهُمُ الْمَيِّتُ اَخْتَلَفُوْا اِلٰى قَبْرِهٖ يَقْرَءُوْنَ عِنْدَهُ الْقُرْآنَ قَالَ وَاَخْبَرَنِيْ اَبُوْ يَحْيَى النَّاقِدِ قَالَ سَمِعْتُ الْحَسَنَ بْنَ الْجَرُوِيِّ يَقُوْلُ مَرَرْتُ عَلٰى قَبْرِ اُخْتٍ لِيْ فَقَرَءْتُ عِنْدَهَا تَبَارَكَ لِمَا يُذْكَرُ فِيْهَا فَجَاءَنِيْ رَجُلٌ فَقَالَ اِنِّيْ رَءَيْتُ اُخْتَكَ فِي الْمَنَامِ

تَقُوْلُ جَزَى اللّٰهُ اَبَا عَلِيٍّ خَيْرًا فَقَدْ اِنْتَفَعْتُ بِمَا قَرَءَ اَخْبَرَنِی الْحَسَنُ بْنُ الْهَیْثَمِ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا بَكْرِ بْنَ الْمَأطُرُوْسِ اِبْنِ بِنْتِ اَبِیْ نَصْرِ بْنِ التَّجَارِ يَقُوْلُ كَانَ رَجُلٌ يَجِيْءُ اِلٰى قَبْرِ اُمِّهٖ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَيَقْرَءُ سُوْرَةَ يٰسٓ فَجَاءَ فِیْ بَعْضِ اَيَّامِهٖ فَقَرَءَ سُوْرَةَ يٰسٓ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ قَسَمْتَ بِهٰذِهِ السُّوْرَةِ ثَوَابًا فَاجْعَلْهُ فِیْ اَهْلِ هٰذِهِ الْمَقَابِرِ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ الَّتِیْ تَلِيْهَا جَاءَتْ اِمْرَءَةٌ فَقَالَتْ اَنْتَ فُلَانُ بْنُ فُلَانَةٍ قَالَ نَعَمْ قَالَتْ اِنَّ بِنْتًا لِّیْ مَاتَتْ فَرَءَيْتُهَا فِی النَّوْمِ جَالِسَةً عَلٰى شَفِيْرِ قَبْرِهَا فَقُلْتُ مَا اَجْلَسَكِ هٰهُنَا فَقَالَتْ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانَةٍ جَاءَ اِلٰى قَبْرِ اُمِّهٖ فَقَرَءَ سُوْرَةَ يٰسٓ وَجَعَلَ ثَوَابَهَا لِاَهْلِ الْمَقَابِرِ فَاَصَابَنَا مِنْ رَوْحِ ذَالِكَ اَوْ غُفِرَ لَنَا اَوْ نَحْوُ ذَالِكَ۔ كِتَابُ الرُّوْحِ لِابْنِ قَيِّمٍ ص۱۱،۱۰

خلال نے جامع میں کتاب القرأت عند القبور میں بیان کیا کہ ہم کو عباس بن محمد دوری نے بتایا کہ ہمیں یحیٰی بن معین نے حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مبشر حلبی نے بتایا کہ مجھے عبد الرحمٰن بن علاء بن حلاج نے اپنے باپ کے متعلق بیان کیا کہ اس نے کہا جب میں مرجاؤں پس مجھے لحد میں رکھ دینا اور پڑھنا بسم اللہ و علیٰ سنت رسول اللہ ﷺ اور میری قبر پر مٹی ڈالنا اور میرے سر کی طرف سورۃ بقرہ کا اوّل اور اس کا آخر پڑھنا۔ پس بے شک میں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ یہ کہتے تھے۔

عباس دوری نے کہا میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ تمہیں قبر پر

قرآن پڑھنے کے متعلق کچھ یاد ہے تو اس نے کہا نہیں، اور میں نے یحییٰ بن معین سے پوچھا، پس اس نے مجھے یہ حدیث بیان کی۔ خلال نے کہا مجھے حسن بن احمد اوارق نے کہا کہ مجھے علی بن موسیٰ الحداد نے بیان کیا اور وہ سچے تھے۔ اس نے کہا میں اور محمد بن قدامہ الجوہری ایک جنازہ میں امام احمد بن حنبل کے ساتھ تھے، پس جب میت کو دفن کیا گیا ایک نابینا شخص بیٹھ کر قبر کے پاس قرآن پڑھنے لگا تو اسے امام احمد نے کہا اے شخص تحقیق قبر کے پاس قرآن پڑھنا بدعت ہے۔ پس جب ہم قبرستان سے نکلے محمد بن قدامہ نے احمد بن حنبل سے کہا اے ابو عبداللہ مبشر حلبی کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا وہ ثقہ راوی ہے۔ محمد بن قدامہ نے کہا آپ نے ان سے کچھ لکھا ہے؟ امام احمد نے کہا ہاں محمد بن قدامہ نے کہا مجھے مبشر نے عبدالرحمٰن بن علاء بن حلاج کے حوالہ سے بیان کیا۔ اس نے اپنے باپ کے متعلق بیان کیا۔ اس نے وصیت کی کہ جب اسے دفن کیا جائے تو اس کے سر کی جانب سورۃ بقرہ کا اوّل و آخر حصّہ پڑھا جائے اور اس نے بیان کیا کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سنا کہ اس نے اس کی وصیت کی پس اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابھی لوٹ اور اس شخص سے کہے پڑھا کرے۔

بعد از دفن قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا بیان

حسن بن صباح زعفرانی نے کہا کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں اور خلال نے شعبی کا ذکر کیا کہ اس نے کہا کہ انصار کا معمول تھا، جب ان کا کوئی فوت ہوتا اس کی قبر کے پاس جاتے، قریب اس کے قرآن پڑھتے۔ اس نے کہا اور مجھے ابو یحییٰ الناقد نے خبر دی اس نے کہا میں نے حسن بن جروی سے سنا، کہتا ہے میں اپنی بہن

کی قبر سے گزرا پس اس کے پاس میں سورۂ تبارک (ملک) پڑھی تو میرے پاس ایک آدمی آیا پس اس نے کہا میں نے تیری بہن کو خواب میں دیکھا وہ کہہ رہی ہے اللہ تعالیٰ ابو علی کو جزائے خیر دے۔ پس تحقیق مجھے جو اس نے پڑھا اس سے نفع پہنچا۔ مجھے حسن بن ہیثم نے خبر دی اس نے کہا میں نے ابو بکر بن ماطروش ابن بنت ابو نصر بن اتجار سے سنا کہتا ہے۔

ایک شخص ہر روز جمعہ کو اپنی ماں کی قبر کے پاس آتا تھا پس سورۂ یٰسین کو پڑھتا تو بعض دنوں میں آیا پس سورۂ یٰسین کو پڑھا پھر کہا اے اللہ اگر تو اس سورۃ کا ثواب تقسیم کرتا ہے تو اس اہلِ مقابر میں اسے تقسیم کر دے۔ پس جب جمعہ ثانی آیا تو ایک عورت آئی اس نے کہا تو فلاں ہے فلاں عورت کا بیٹا۔ اس نے کہا ہاں، اس عورت نے بتایا، میری بیٹی تھی جو فوت ہو گئی۔ پس میں نے اسے خواب میں اس کی قبر کے کنارے بیٹھے دیکھا تو میں نے اسے کہا۔ تمہیں یہاں کس نے بٹھایا ہے؟ پس وہ بولی تحقیق فلاں فلاں عورت کا بیٹا اپنی ماں کی قبر پر آیا پس اس نے سورۂ یٰسین کو پڑھا اور اس کا ثواب اہلِ قبور کی ارواح کو بخشا پس ہمیں اس سے سکون پہنچایا، ہماری بخشش ہو گی یا اسی کی طرح کچھ کہا۔

نفسِ قرأت قرآن اور عباداتِ بدنیہ و مالیہ کے ایصالِ ثواب میں کوئی حرج نہیں، وحید الزماں غیر مقلد

اَمَّا نَفْسُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَاِيْصَالُ ثَوَابِهَا اَوْ اِيْصَالُ ثَوَابِ الْعِبَادَاتِ الْبَدَنِيَّةِ وَالْمَالِيَّةِ اِلَى الْاَمْوَاتِ بِلَا تَعْيِيْنِ الْيَوْمِ وَالْوَقْتِ فَهُمَا لَا بَاْسَ بِهٖ۔ وَلَا بَاْسَ لَوْ قَرَءَ سُوْرَةَ يٰسٓ اَوْ سُوْرَةَ اِخْلَاصٍ اَوْ سُوْرَةَ الْمُلْكِ عِنْدَ

اَلْقَبْرِ مِنَ الْقُبُوْرِ ثُمَّ وَهَبَ اَجْرَهَا لِلْمَيِّتِ وَكَذَالِكَ لَا بَاْسَ اَنْ يَّرُوْحَ لِزِيَارَتِ قُبُوْرِ الصُّلَحَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ مِنْ اَهْلِ بَلْدِهٖ اَمَّا شَدُّ الرِّحَالِ لِزِيَارَتِهَا فَقَدْ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ فَبَالَغَ شَيْخُنَا اِبْنُ تَيْمِيَّةَ وَمَنْ تَبِعَهٗ فَحَرَّمَ شَدَّ الرِّحَالِ اِلَيْهَا حَتّٰى لِزِيَارَةِ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ نُزُلُ الْاَبْرَارِ مِنْ فِقْهِ النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ۔ صفحہ ۱۷۸ تا ۱۷۹ وحید الزماں غیر مقلد۔

بہرحال نفس قرأت قرآن اور اس کے ایصالِ ثواب کرنے میں کوئی قباحت نہیں یا عبادات بدنیہ و مالیہ بلا تعینِ دن و وقت اموات کو ایصالِ ثواب کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اس میں کوئی مذائقہ نہیں۔ اگر کوئی سورۂ یٰسین کو پڑھے یا سورۂ اخلاص کو یا سورۂ ملک کو قبور میں سے کسی قبر کے پاس پڑھے پھر اس کا ثواب میت کو بخشے اور اسی طرح کوئی حرج نہیں کہ صلحاء و اولیاء کی قبور کی زیارت کو جائے جو اس کے شہر میں ہیں۔ بہرحال اس کی زیارت کو سفر کرنا پس البتہ اس میں اختلاف ہے پس ہمارے شیخ ابن تیمیہ اور جس نے اس کی اتباع کی یہاں تک پہنچے کہ زیارت کے سفر کو حرام قرار دیا۔ حتّٰی کہ قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو بھی۔

روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کو حرام و شرک قرار دینا ابنِ تیمیہ اور اس کے پیروکاروں کا سیاہ کارنامہ ہے

غیر مقلدین کے مولوی وحید الزماں کی مذکورہ عبارت سے جہاں قبرستان میں قرآن پڑھنے کا جواز ثابت ہوا وہاں یہ بھی خود انہی کے گھر سے ثابت ہوا کہ رسول

خدا صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ وسلم کے روضۂ منورہ کی زیارت کو حرام و شرک قرار دینا ابنِ تیمیہ اور اس کے متبعین کے سیاہ کارناموں سے ایک عظیم سیاہ کارنامہ ہے جس کی بنیاد ایک محتمل بلکہ غیر متعلقہ حدیث کو بنا کر قرآن و حدیث کے صریح حکم کا انکار اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمان سے ہر دور کے اجماعِ اُمت اور معمولِ اُمت کا خلاف کیا۔

اب اوّل جس حدیث کی آڑ لے کر اس عقیدہ خبیثہ کی بنیاد رکھی گئی ہے اس کو اور اس کے متعلق علماءِ شارحین کے چند اقوال کو پیش کیا جاتا ہے۔ دوم جن نصوص کا خلاف اور ان سے انحراف کیا گیا ہے انہیں پیش کیا جائے گا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُوْلِ وَمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔ (البخاری جلد اوّل)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے وہ مرفوعاً حدیث بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہ سفر کرو مگر تین مساجد کی طرف مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصٰے اس مذکورہ حدیث کی آڑ لے کر ابن تیمیہ اور اس کے متبعین روضۂ منورہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مزاراتِ اولیاءِ کرام کی زیارت کے سفر کو حرام قرار دے رہے ہیں۔

اب اس حدیث کے مقصد و مراد کو واضح کرنے کے لیے چند اقوال علماءِ محدثین و شارحین کے پیش کرتا ہوں۔ علامہ نودی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں اس مسئلہ کو یوں بیان کیا ہے:

قبور صالحین اور مقاماتِ متبرکہ کی زیارت مکروہ بھی نہیں، امام حرمین اور محققین کا فیصلہ!

وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِیْ شَدِّ الرِّحَالِ وَاِعْمَالِ الْمَطِیِّ اِلٰی غَیْرِ مَسَاجِدِ الثَّلٰثَةِ کَالذِّهَابِ اِلٰی قُبُوْرِ الصَّالِحِیْنَ وَاِلَی الْمَوْضِعِ الْفَاضِلَةِ وَنَحْوُ ذٰلِکَ فَقَالَ شَیْخُ اَبُوْمُحَمَّدْ جُوَیْنِیْ مِنْ اَصْحَابِنَا هُوَحَرَامٌ وَهُوَ الَّذِیْ اَشَارَ الْقَاضِیْ عَیَاضُ اِلٰی اِخْتِیَارِهٖ وَالصَّحِیْحُ عِنْدَ اَصْحَابِنَا وَهُوَ الَّذِیْ اَخْتَارَهٗ اِمَامُ الْحَرَمَیْنِ وَالْمُحَقِّقُوْنَ اِنَّهٗ لَا یَحْرُمُ وَلَا یُکْرَهُ قَالُوْا وَالْمُرَادُ اِنَّ الْفَضِیْلَةَ التَّامَّةَ اِنَّمَا هِیَ فِیْ شَدِّ الرِّحَالِ اِلٰی هٰذِهِ الثَّلٰثَةِ خَاصَّةً۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

اور علماء نے کجاوے کسنے اور ان تین مساجد کے علاوہ سفر کرنے میں اختلاف کیا ہے جیسے کہ صالحین کی قبور اور مقاماتِ فاضلہ کی طرف سفر کرنا تو ہمارے اصحاب میں سے شیخ ابو محمد جوینی نے کہا وہ حرام ہے اور اسی قول کو اختیار کی طرف قاضی عیاض نے اشارہ کیا ہے اور ہمارے نزدیک صحیح مذہب وہ ہے جسے امام حرمین اور محققین نے اختیار کیا ہے وہ یہ کہ نہ حرام ہے اور نہ مکروہ اور اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ فضیلت تامہ ان تینوں کے سفر میں خاص ہے۔

مندرجہ بالا عبارت سے ثابت ہوا کہ ابو محمد جوینی کے علاوہ سب علماءِ اُمت ان تین مساجد کے علاوہ مقاماتِ فاضلہ و متبرکہ کی طرف بغرض زیارت سفر کرنے کے جواز و ثواب کے قائل ہیں۔ اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح نسائی میں اسے یوں بیان کیا ہے

اس حدیث سے زیارت مرقد نبی کو حرام قرار دینا اصولِ مستثنیٰ سے جہالت ہے

انتباہ !

مستثنیٰ کی تین اقسام ہیں

مستثنیٰ

مستثنیٰ متصل	مستثنیٰ منقطع	مستثنیٰ مفرغ
۱- اس میں مستثنیٰ! مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوتا ہے۔ جاء فی القوم الاّ زائداً	۲- اس میں مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہوتا۔ جاء فی القوم الا احماراً	۳- اسے کہتے ہیں جس میں مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو مستثنیٰ مذکور ہو تو مستثنیٰ منہ ! مستثنیٰ کی جنس سے ہوگا۔ لہٰذا مسجدوں کی طرف سفر نہ کرو، مگر تین مسجدوں کی طرف سفر کرو۔ اس حدیث سے زیادہ مرقد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور زیارتِ قبورِ اولیاء سے منع کرنا انتہائی جہالت ہے۔ اصول مستثنیٰ سے جہالت ہے۔

وَقَوْلُهُ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ - ذَهَبَ الْبَعْضُ إِلَى حُرْمَةِ
الشَّدِّ إِلَى غَيْرِ مَسَاجِدِ الثَّلٰثَةِ عَمَلاً بِظَاهِرِ الْحَدِيْثِ
قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ فِيْ فَتْحِ الْبَارِيْ وَالصَّحِيْحُ عِنْدَ
إِمَامِ الْحَرَمَيْنِ وَغَيْرِهِ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ لَا يَحْرُمُ وَأَجَابُوْا
عَنِ الْحَدِيْثِ بِأَجْوِبَةٍ مِنْهَا أَنَّ الْمُرَادَ أَنَّ الْفَضِيْلَةَ التَّا
مَّةُ فِيْ شَدِّ الرِّحَالِ إِلَى هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ بِخِلَافِ غَيْرِهَا
فَإِنَّهُ جَائِزٌ وَمِنْهَا أَنَّ الْمُرَادَ أَنَّهُ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ
إِلَى الْمَسْجِدِ مِنَ الْمَسَاجِدِ لِلصَّلٰوةِ فِيْهِ غَيْرُ هٰذِهِ وَأَمَّا
صْدُ زِيَارَةِ الصَّالِحِ وَنَحْوُهَا لَا يَدْخُلُ تَحْتَ النَّهْيِ
وَيُؤَيِّدُهُ مَا فِيْ مُسْنَدِ أَحْمَدَ - قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لَا يَنْبَغِيْ لِلْمُصَلِّيْ أَنْ يَشُدَّ الرِّحَالَهُ إِلَى مَسْجِدٍ
يَنْبَغِيْ فِيْهِ الصَّلٰوةُ غَيْرُ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الْأَقْصٰى
وَمَسْجِدِيْ وَكَذَا فِيْ عُمْدَةِ الْقَارِيْ شَرْحِ الْبُخَارِيْ لِلْعَلَّامَةِ
عَيْنِيْ وَقَالَ النَّوَوِيُّ قَالَ أَبُوْ مُحَمَّدٍ جُوَيْنِيْ يَحْرُمُ
شَدُّ الرِّحَالِ إِلَى غَيْرِ الثَّلٰثَةِ وَهُوَ غَلَطٌ - فِي الْإِحْيَاءِ
ذَهَبَ الْبَعْضُ إِلَى الْإِسْتِدْلَالِ بِهِ عَلَى الْمَنْعِ مِنَ الرِّحْلَةِ
لِزِيَارَةِ الْمَشَاهِدِ وَقُبُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَمَا تَبَيَّنَ لِيْ
إِنَّ الْأَمْرَ كَذٰلِكَ بَلِ الزِّيَارَةُ مَأْمُوْرٌ بِهَا لِخَبَرِ كُنْتُ
نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ أَلَا فَزُوْرُوْهَا وَالْحَدِيْثُ إِنَّمَا
وَرَدَ نَهْيًا عَنِ الشَّدِّ لِغَيْرِ الْمَسَاجِدِ لِتَمَاثُلِهَا بَلْ لَا بُلْدَانَ
إِلَّا وَفِيْهِ مَسْجِدٌ فَلَا مَعْنٰى لِلرِّحْلَةِ إِلَى مَسْجِدٍ آخَرَ وَأَمَّا الْمَشَاهِدُ

فَلَا تَسَاوِیُ بَلُ بَرُکَۃَ زِیَادَتِھَا عَلٰی قَدُرِ دَرَجَاتِھِمُ عِنُدَ اللہِ رَسُوُلُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا یہ کہنا کہ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ
بعض علماء اس کے ظاہری معنی پر عمل کی وجہ سے ان تین مساجد کے علاوہ سفر کی حرمت کی طرف گئے ہیں۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا کہ امام حرمین اور اس کے علاوہ علماء شافعیہ کے نزدیک صحیح عدم حرمت ہے اور مذکورہ حدیث کے انہوں نے چند جوابات دیئے ہیں۔

ایک: مراد اس سے یہ کہ بے شک فضیلت تامہ ان مساجد کی طرف سفر کرنے میں ہے بخلاف غیر ان کے پس۔ البتہ وہ جائز ہے۔

دوم: مراد اس سے یہ کہ مساجد میں سے کسی مسجد کی طرف نماز کی غرض سے سفر نہ کرو سوائے ان مساجد کے۔ بہر حال صالحین کی زیارت کا قصد اور اس کی مثل کوئی اور سفر تحت نہی داخل نہیں ہے اور اس قول کی مؤید وہ حدیث ہے جو مسند احمد میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کسی نمازی کو لائق نہیں کہ اس میں نماز کی غرض سے کسی مسجد کا سفر کرے سوائے مسجد حرام اور مسجد اقصٰے اور میری مسجد کے۔
اور اسی طرح علامہ عینی کی عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے اور نووی نے کہا کہ ابو محمد جوینی نے کہا ان تینوں کے علاوہ سفر کرنا حرام ہے اور وہ غلط ہے۔

احیاء میں ہے کہ بعض نے اس حدیث سے زیارت مقامات متبرکہ اور قبور علماء و صلحاء کی زیارت کے سفر کو منع پر استدلال کیا ہے اور جو میرے لیے ظاہر ہوا ہے بلا شبہ وہ امر اس طرح ہے کہ زیارت کا اس حدیث سے حکم دیا گیا ہے۔
کُنْتُ نَھَیْتُکُمْ عَنِ الزِّیَارَتِ الْقُبُوْرِ اَلَا فَزُوْرُوْھَا، یعنی میں تمہیں

زیارتِ قبور سے منع کرتا تھا۔ سنو، پس اب زیارت کیا کرو۔ اور حدیث میں ان مساجد کے علاوہ غیر کی طرف سفر سے جو نہی وارد ہوئی ہے وہ ان کے تماثل کی وجہ سے ہے بلکہ نہیں کوئی شہر لیکن اس میں مسجد ہوتی ہے پس دوسری مسجد کی طرف سفر کا کوئی مقصد نہیں، بہر حال مقاماتِ متبرکہ برابر نہیں ہیں بلکہ ان کی زیارت کی برکت بقدر ان کے عنداللہ درجات کے ہے۔

تبصرہ: مذکورہ دونوں عبارتوں شرح مسلم علامہ نووی اور شرح نسائی علامہ سیوطی سے معلوم ہوا کہ جن قلیل علماء نے ان تین مساجد کے علاوہ سفر کو ناجائز کہا ان کا اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ان کے قول کو صریح غلط کہا ہے۔ نیز جن قلیل علماء نے ان تین مساجد کے علاوہ سفر کو ناجائز کہا ہے ان میں کسی نے بھی روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر کو اس کے عدم جواز میں داخل ہونے کا بالخصوص ذکر نہیں کیا اگر یہ جسارت کی ہے تو ابن تیمیہ اور اس کے متبعین نے کی ہے کہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ سعادت کو بھی حرام و منع کہہ دیا۔

اگر بقول وہابیہ تین مساجد کے علاوہ سفر کو معصیت کہا جائے تو اس معصیت سے خود وہابیہ بھی نہ بچ سکیں گے

شاید مانعین سفر بجز این سہ مساجد نے اس حرجِ عظیم کو بہ نظرِ عمیق نہیں دیکھا جس کا اس فتویٰ شدید پر عمل سے لاحق ہونا امر لازمی ہے وہ یہ کہ اگر ان تین مساجد کے علاوہ تمام سفروں کو حرام و معصیت کہا جائے تو من جملہ سفروں میں سے سفر جہاد بھی ہے اور تحصیل علمِ دین کے لیے سفر بھی اور تجارت اور حصول رزق حلال کے لیے سفر، یہ سب حرام معصیت ٹھہریں گے پھر تو اس کی زد سے نہ شارع

علیہ الصلوٰۃ والسلام بچے نہ صحابہ عظام وتابعین وتبع تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بچے نہ فقہاء ومحدثین بچ سکے۔ نیز پھر نہ خود صادرین فتویٰ قبیحہ وہابیہ دیابنہ کے پاس سالانہ اجتماع مدرسہ دیوبند منعقد کر کے دنیا بھر سے دیوبندیوں کو جمع کرنے کا کوئی جواز باقی اور نہ ہی ماہیوں کا بخن میں سالانہ اجتماع کر کے دنیا بھر سے وہابیوں کو جمع کرنے کا کوئی جواز باقی اور نہ رائے ونڈی تبلیغیوں کے پاس سالانہ اجتماع کے نام پر پوری دنیا سے بستر بردار جمع کرنے اور انہیں تبلیغی چلوں پر بھیجنے کا کوئی جواز باقی۔

اب تک تو یہ بیان ہو رہا تھا کہ اگر بقول ان کے مذکورہ حدیث سے یہ مراد لی جائے کہ ان تین مساجد کے علاوہ باقی سب سفر حرام ہیں تو اس سے حرج عظیم لاحق ہوتا ہے جس میں دین و دنیا کے نقصانات ہیں۔ اب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ان نصوص واضح کے خلاف بھی ہے جن میں دیگر مقامات کے سفر کی ترغیب و حکم دیا گیا ہے ان سب کا بیان تو یہاں طول کا باعث بنے گا اس لیے یہاں صرف سفر سعادت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ارشاد رب ذوالجلال ہے، وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ط پ۵ اور اگر بے شک وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں پس پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس آیتِ مقدسہ میں کلمہ اذ ظرفیہ ہے جو کہ عموم کا فائدہ دیتا ہے تو معنی یہ ہوا کہ بارگاہِ رسالت میں حاضری کے لیے کوئی وقت و زمانہ کی قید نہیں بلکہ حضور سیدِ کونین کی ظاہری حیات کے بعد جب بھی گنہگار اُمتی گناہوں کا بوجھ

اٹھاتے ہوئے اور ندامت کے آنسو آنکھوں میں لیے ہوئے محبت کی شمع دل میں روشن کیے ہوئے اور ادب سے نگاہوں کو جھکائے ہوئے اور فریاد یا رسول اللہ ادرکنی یا رسول اللہ اَغِثْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے کلمات زبان پر لائے ہوئے اس بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہوں پس ان سنہری جالیوں کو سینے سے لگائیں اور حسرت بھری نگاہوں کو گنبدِ خضرا کی طرف اٹھائیں اور اس نوری چہرۂ والضحٰی کا تصور دل میں لائیں پھر رو رو کے اس سراپائے رحمت کو حال سنائیں اور عصیاں کا اعتراف زباں پہ لائیں۔ نیز فریادِ توبہ دل و زباں سے سنائیں پھر درخواست شفاعت اس شفیعُ المذنبین کی بارگاہ میں پیش لائیں پھر زہے مقدر اگر وہ مان جائیں اور بارگاہ رب العزت میں ان کے لیے شفاعت فرمائیں۔ پھر تو ضرور رب کعبہ کو توّابُ الرّحیم پائیں۔

اب اس کے متعلق احادیث پاک ملاحظہ ہو۔

روضۂ رسول کے سفر میں کوئی دنیاوی حاجت نہ ہو شفاعت حاصل ہوگی

مَنْ جَآءَنِیْ زَائِرًا لَا تَعْمَلُهُ حَاجَةٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ شَفِیْعًا لَّهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ ردالمحتار جلد ثانی صفحہ ۲۵۶۔

جو میرے حضور زیارت کے لیے آیا اسے کوئی اور حاجت نہ لائی ہو۔ مجھ پر لازم ہوا کہ روزِ قیامت اس کا شفیع بنوں۔

مذکورہ حدیث پاک میں ان لوگوں کا واضح رد ہے جو کہتے ہیں کہ بقصدِ زیارت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر حرام ہے۔ فائدہ یہ حدیث اہل سنت و جماعت کے اس عقیدہ سعیدہ کی مُؤیّد ہے کہ:

حدیث کی رو سے یہ عقیدہ درست ہے کہ انبیاءؑ زندہ ہیں

انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اس لیے کہ حدیث میں مَنْ جَآءَنِیْ یعنی جو میرے پاس آیا اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، ورنہ حدیث میں یوں ہوتا مَنْ جَآءَ اِلٰی قَبْرِیْ۔ اسی حدیث میں شفاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا روشن مِن الشمس ثبوت بھی ہے۔ اسی ضمن میں ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔

دار القطنی اور بیہقی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ۔ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگئی۔ اسی طرح زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت میں حدیث صاحب مشکوٰۃ نے بیہقی کے حوالہ سے باب حرم المدینہ میں یوں لکھی ہے۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حج کیا پس بعد از وصال میری قبر کی زیارت کی وہ اس کی طرح ہے جس نے مجھے زندگی میں دیکھا۔

مرقومہ بالا حدیث شریف میں جو زائر قبر منورہ کو اس کی مثل فرمایا گیا ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ظاہری زندگی میں کی۔ اس میں مندرجہ ذیل مرادیں قریب بہ قرینہ ہیں۔

(۱) جیسے ظاہر زندگی میں زیارت کرنے والا فیوض و برکات سے مستفیض ہوتا

تھا ایسے ہی اب بھی زیارت کرنے والا مستفیض ہوتا ہے۔

(۲) جیسے ظاہری زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سائل کے سوال اور فریادی کی فریاد کو سنتے تھے اور حاجت روائی کرتے تھے، ایسے ہی اب بھی سنتے ہیں اور حاجت روائی کرتے ہیں۔

(۳) جیسے ظاہری زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ملاقاتیوں کے ظاہری و باطنی احوال دیکھتے تھے ایسے ہی اب بھی اپنے زائرین کے ظاہری و باطنی احوال کو دیکھتے ہیں۔

(۴) جیسے ظاہری زندگی میں زیارت کرنے والوں کو عظیم اجر و ثواب ملتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا حاصل ہوتی تھی ایسے ہی اب بھی زائرین روضۂ مقدسہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم اجر و ثواب ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

فائدہ: اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی و دنیاوی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں۔ اسی قول کو ہی شاہ عبدالحق محدث اعظم دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں بیان کیا ہے۔

بہرحال یہ بحث تو ضمنی طور پر ابن تیمیہ اور اس کے متبعین کے رد میں درمیان میں آگئی، اصل موضوع قبرستان میں قرأتِ قرآن کے جواز کو منکرین کی کتب سے ثابت کرنے کا چل رہا تھا اب اسی کو بیان کرتا ہوں۔ حوالہ ۳

سوال: قبرستان میں قرآن شریف آواز سے ناظرہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟
جواب: قبرستان میں قرآن شریف پکار کے اور آہستہ دیکھ کر اور حفظ، سب طرح پڑھنا درست ہے۔ (فقط فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۲۶۶ حوالہ ۴)

سوال: گھر یا قبرستان میں قرآن خوانی سے میت کو ایصالِ ثواب ہو سکتا ہے

یا نہیں ؟

جواب : صورت مرقومہ میں بعض علماء کے نزدیک جائز ہے۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد ثانی کتاب الجنائز۔ مجیب غیر مقلدین کا شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری ہے۔ حوالہ نمبر ۵۔

سوال : میت کو دفن کرنے کے بعد شہادت کی انگلی سرہانے اور پائنتیں رکھ کر دو شخص اول آخر سورۂ بقرہ پڑھتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں ؟

جواب : اول آخر سورۂ بقرہ پڑھنا تو حدیث شریف میں وارد ہوا ہے مگر خصوصیت انگلی کی نہیں ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ صـ۲۶۹)

حوالہ نمبر ۶۔

دعا منگن میں کارن مومن کراں سوال نمانا
فاتحہ کلمہ ترے قل پڑھ کر ختم درود پہنچانا

قصص المحسنین صـ۹۴ مولوی عبدالستار۔

جو موضوع قبرستان میں جواز قرأتِ قرآن کا اثبات بندہ ناچیز نے اپنے ذمہ لیا تھا، بفضلہ تعالیٰ یہاں تک اس پر کثیر حوالہ جات قرآن وحدیث اور دیگر کتبِ دینیہ سے بلکہ خود منکرین کی کتابوں سے دیئے جاچکے ہیں جو کہ طالبِ ہدایت کو کافی ہیں۔ اب بخوفِ طوالت انہی پر ہی اکتفا کرتا ہوں ورنہ اس پر اور بھی دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں۔

باب سوم

مُسَمّٰی بِہٖ دَشَّتْ بِنَجَاسَۃُ الْوَھَّابِیَۃِ عَلیٰ عِبَاءِ الصُّوْفِیَۃِ۔

اس میں چند فصلیں آئیں گی۔ فصل اول میں وہابیوں کے رسالہ مجلۃ الدعوۃ

کی وہ عبارت لکھی جائے گی جس میں انھوں نے تصوف اور صوفیہ اکرام کے متعلق نازیبا گستاخانہ رویہ اختیار کیا۔ فصل دوم میں اس گستاخانہ عبارت کا تنقیدی جائزہ لیا جائے گا۔

فصل اوّل

اس میں مذکورہ رسالہ کی تصوف وصوفیہ کرام کے متعلق نازیبا وگستاخانہ عبارت لکھی جائے گی۔ لکھتے ہیں :

قرآن وسنت کے راستے سے الگ تمام راستے جہالت وگمراہی پر مبنی ہیں اور دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں ان میں سے ایک راستہ تصوف ہے جو کہ دینی علم کی ضد ہے چنانچہ جتنا کوئی دینی علم سے دور ہوگا اتنا ہی تصوف کو قبول کرنے پر زیادہ مائل ہوگا۔ اس متصوفانہ دعوۃ کے سب سے زیادہ داعیان قوال ہوتے ہیں۔ جب بھائی امیر حمزہ نے ان پر تنقیدی قلم اٹھایا تو مجھے بہت خوشی ہوئی کیونکہ یہ موضوع ان موضوعات میں سے ہے جن کو میں کبھی خاطر میں لاتا ہوں لیکن پھر وہ سستی وکوتاہی کی نظر ہو جاتے ہیں لیکن اب کی بار میں نے موقع کو غنیمت جانا اور چاہا کہ فتنہ تصوف کی تاریخ پر روشنی ڈالوں اور ان کے تاریک ماضی کو لوگوں کے سامنے واضح کروں چنانچہ دیارِ حبیب میں بیٹھ کر صرف انہی قوالیوں کی روشنی میں اپنے ملاحظات لکھوں گا جو میرے سامنے میسّر ہیں ورنہ اس موضوع پر جتنا لکھا جائے کم ہے۔ تصوف کی بنیاد جہالت اور تجاہل پر ہے۔ یہ مذہب پہلے تو بصرہ میں راہبوں کی طرح کے زہد و تقویٰ کی شکل میں ابھرا پھر بعد میں غالی لوگوں کا غلو رنگ لایا اور یہ لوگ کفر تک پہنچے۔ انھوں نے حلال چیزوں کو اپنے آپ کے لیے حرام سمجھ لیا لہٰذا گرمی وسردی میں اُونی کپڑے استعمال کرتے جبھی صوفی کہلائے کیونکہ اون کو عربی میں صُوْف کہتے ہیں۔ اسی مذہب کے بنیادی عقائد میں سے عقیدہ حلول اور وحدۃ الوجود ہے۔

عقیدہ حلول

تصوف کے بنیادی عقائد میں حلول و اتحاد کا عقیدہ شامل ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ بعض اجسام میں اس طرح حل ہو جاتے ہیں کہ اگر اس جسم کی طرف اشارہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ ہی مراد ہوتے ہیں۔ یہ عقیدہ اصل میں عیسائیت کا عقیدہ ہے اور اس کو اسلام میں لانے والوں میں ایک شخص حسین بن منصور الحلاج ہے حسین بن منصور الحلاج کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اندر اُتر چکا ہے تو اگر تم مجھے دیکھو گے تو رب نظر آئے گا اور اگر اسے دیکھو گے تو میں نظر آؤں گا (عوارف المعارف ۳۵)

اس سے آگے حضرت حسین بن منصور الحلاج کے متعلق کچھ سطور ناسزا اور نہایت ہی گستاخانہ طور و طریقہ سے لکھنے کے بعد پھر سرتاج اولیاء اور امام الصوفیاء مردِ حق عارف باللہ حضرت بایزید (ابویزید) بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یوں زبان درازی اور خبث باطنی کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی نظریہ کی ترویج کرنے والوں میں ایک بسطامی نامی شخص بھی گزرا ہے وہ کہتا ہے:

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اُوپر اٹھالیا اور کہا کہ ابویزید میری مخلوق تجھے دیکھنا ہے تو میں نے کہا مجھے اپنی وحدانیت کا لبادا پہنا دو کہ جب لوگ مجھے دیکھیں تو سمجھے کہ رب دیکھ لیا ہے اور اپنے اشعار میں کہتا ہے۔

فَفِیْ حَالٍ اُقِرُّ بِہٖ وَفِیْ حَالٍ اَمْجِدُہٗ

فَاِنِّیْ بِالْغِنٰی وَلَنَا اُسَاعِدُہٗ وَ

اُسْعِدُہٗ فَیَحْمَدُنِیْ فَاَحْمِدُہٗ وَیَعْبُدُنِیْ وَاَعْبُدُہٗ

ان اشعار کا ترجمہ وہابی یوں کرتے ہیں۔

کبھی میں رب کا کلمہ پڑھتا ہوں اور اس کی بزرگی بیان کرتا ہوں اور میں اس سے

بے پرواہ ہوں بلکہ اس کی مدد کرتا ہوں اور اس کو خوش بخت بناتا ہوں وہ میری ثناء بیان کرتا ہے میں اس کی ثناء بیان کرتا ہوں، وہ مجھے پوجتا ہے میں اس کی پوجا کرتا ہوں تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔

کیسے بھلا اس سے بڑھ کر بھی کفر ہو سکتا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے۔

فَمَنْ لَیْلٰی وَمَنْ لُبْنٰی وَمَنْ ھِنْدٌ وَمَنْ بُثَیْنَۃٍ وَمَنْ قَیْسٌ وَمَنْ بِشْرٌ اَلَمْ یَنْسُوْا کُلُّھُمْ عَنْہُ۔

ان اشعار کا ترجمہ وہابی یوں کرتے ہیں کہ لیلیٰ و لبنیٰ اور کیا قیس و بشر (عاشقوں اور معشوقوں کے نام ہیں) سب اللہ ہی تو تھے (مجلۃ الدعوۃ۔ صہ۴۵)

اسی رسالہ کے اگلے صفحے پر یوں لکھتے ہیں۔ ایک حدیث سے وحدۃ الوجود کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش ان صوفیوں کو ویسے دلیل شرعی کی کوئی حاجت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ حضرات تو معرفت کی بات کرتے ہیں اور ہم بے چارے ہیں کہ کتابوں میں مغز ماری کرتے ہیں لیکن ہمارے ساتھ بات کرنے کے لیے انہیں بالآخر شرعی دلیل کا سہارا لینا پڑتا ہے لہٰذا حلول کا عقیدہ ثابت کرنے کے لیے اس حدیث کا سہارا لیا جاتا ہے جسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور بعض منکرِ حدیث بھی حدیث کے خلاف بغض نکالنے اور اپنی علمیت کی دھاک بٹھانے کے لیے اکثر اسی حدیث کو اچھالتے ہیں۔ بخاری میں یہ روایت اس طرح ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُہٗ عَلَیْہِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ

بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِیْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ يَمْشِیْ بِهَا وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِيَنَّهٗ وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِيْذَنَّهٗ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْئٍ اَنَا فَاعِلُهٗ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَاَنَا اَكْرَهُ مَسَاءَتَهٗ۔ البخاری، کتاب الرقاق۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں جس آدمی نے میرے دوست کے ساتھ دشمنی کی میں اس کے ساتھ جنگ کا اعلان کرتا ہوں اور فرائض وواجبات سے کوئی زیادہ محبوب نہیں جس کے ذریعے میرا بندہ میرے زیادہ قریب ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ کثرتِ نوافل کے ذریعے میرے قریب تر ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ میرا اس کے ساتھ دوستانہ ہو جاتا ہے تو گویا کہ میں اس کا کان بنجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا اور چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو ضرور دیتا ہوں اور وہ مجھ سے پناہ مانگے تو اسے ضرور پناہ دیتا ہوں۔ یوں تو مجھے کسی کام میں ہچکچاہٹ نہیں ہوتی مگر جب اس مؤمن کی موت کا وقت آتا ہے تو مجھے اس پہ ترس آتا ہے کیونکہ وہ موت کی سختی سے ڈرتا ہے اور مجھے اس کا ڈرنا ناپسند ہے۔

اس حدیث کا صحیح معنی تو یہ ہے بندہ کبھی کثرتِ عبادت اور تقویٰ کی وجہ سے اس مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے کہ اللہ کا قرب حاصل کر لیتا ہے اور اتنا برگزیدہ ہو جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر حرکت میں نہیں آتے بلکہ جو بھی عمل کرے اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا ہی مقصود ہوتی ہے اور اس کی ناراضگی میں کوئی قدم نہیں اُٹھاتا گویا کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کے ہاتھ پاؤں بنے ہوتے ہیں اور وہ اس کو اپنی مرضی کے مطابق چلا رہے ہیں یعنی وہ بندہ اپنے من کو مار چکا ہوتا ہے اور اپنی مُہاریں اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے کہ اے اللہ اب میں ویسے ہی

چلوں گا جیسے تیرا اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو گا یا یوں سمجھیں کہ فرشتوں اور انس وجن میں یہی فرق ہے کہ انسان وجن کو برائی و بھلائی دونوں کا اختیار ہے اور فرشتوں کو برائی کا اختیار نہیں ہے بلکہ وہ (یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ) کے مصداق جس کا حکم ملتا ہے وہی کرتے ہیں تو جو بندہ اللہ تعالی کا محبوب بن جاتا ہے وہ انسان یا جن ہونے کے باوجود اپنا اختیار ختم کر دیتا ہے اور فرشتوں کی زندگی پسند کرتا ہے اور جونہی اس کو شرعی حکم کا پتہ چلتا ہے اس پر عمل کرنے کے لیے پوری کوشش کرتا ہے اگرچہ بشری تقاضے کے تحت اس سے کچھ لغزشیں بھی ہوتی ہیں لیکن ہوا پرستوں صوفیوں نے اس حدیث سے اپنا مطلب نکالا ہے لہذا وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بندہ زیادہ عبادت کر کے خود اللہ ہی بن جاتا ہے، یعنی تصوف کے چلے اور قبروں پر طواف و اعتکاف کر کے اور اللہ ہو یا سوں سوں یا ہو ہو یا آؤ آؤ کا ورد اور ضربیں لگا لگا کر اس منزل کو بندہ پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں آجاتے ہیں (نعوذ باللہ) اور وہ فنا فی اللہ ہو جاتا ہے اور اس کے اعضاء اللہ کے حقیقی اعضاء بن جاتے ہیں اور وہ رب بن جاتا ہے اور اس پر کوئی عبادت واجب نہیں ہوتی بلکہ وہ خود محبوب بن جاتا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے لیکن صوفیوں اور نفس پرستوں منکرین حدیث کا اس روایت سے یہ استدلال غلط ہے۔

اسی رسالہ کے اگلے صفحے پر یوں لکھتے ہیں:

کیا اللہ تعالی دلوں میں رہتے ہیں؟ عام لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالی نعوذ باللہ دلوں میں رہتے ہیں اور ملنگ بھی کہتا ہے مسجد ڈھا دے مندر ڈھا دے، ڈھا دے جو کجھ ڈھندا، اک بندے دا دل نہ ڈھاویں رب دلاں وچ رہندا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے امتیوں کا رب تو اپنے عرش عظیم پر رہتا ہے۔ رہا تصوف کے مریضوں اور ہو ہو کی ضربوں سے پٹے ہوئے صوفیوں کا معبود (شیطان) تو اس کے

کیا ہی کہنے وہ تو کبھی خوبصورت دوشیزاؤں میں اُتر آتا ہے اور کبھی بے ریش لڑکوں میں، پھر ان سے عشق بھی عین عبادت ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ ان کے ہاں ماں بیٹی اور بیوی میں کوئی فرق نہیں اور پھر جب ان کی لذت حاصل کرنا بھی عبادت ٹھہرا تو مقصد یہ کہ بدکاری لواطت سب جائز ہے کیونکہ رب تو ایک ہے وہ جس جس میں آتا ہے وہ سب معشوق بنتے جائیں گے۔

یہاں تک جو اس فصل میں عبارت لکھی جا چکی ہے یہ وہابیوں کے رسالہ مسمّٰی بہ مجلتہ الدعوۃ شمارہ مارچ ۱۹۹۵ء کے صفحہ نمبر ۴۷ تا ۵۰ پر مشتمل ہے۔

فصل دوم مجلتہ الدعوۃ کی مذکورہ عبارت پر تنقیدی جائزہ میں۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْقَوِیِّ الْقَدِیْرِ

اس مذکورہ بالا عبارت کی ابتداء میں اوّل تو یہ بہتانِ عظیم اور افترائے عظیم باندھا گیا کہ تصوف ان راستوں میں سے ایک راستہ ہے جو قرآن وسنت سے الگ اور گمراہی وجہنم کے راستے ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر ان وہابیوں کی کذب بیانی وفتنہ گری ہے حالانکہ تصوف تو قرآن وحدیث کے عین مطابق اور بے شمار خوبیوں اور خیر وبرکات کو حاوی وشامل ہے جن کو آگے چل کے انشاء اللہ تعالیٰ بیان کیا جائے گا۔

دوم مجلتہ الدعوۃ کی مذکورہ عبارت میں یہ بھی گمراہ کن اور بعید از حقیقت بات لکھی گئی ہے کہ اس متصوفان دعوت کے سب سے بڑے داعیان قوال ہوتے ہیں۔

دعوۃ تصوف کے داعیان اولیاء اللہ وعلماء ربانی ہیں

حالانکہ اس دعوت تصوف کے داعیان اولیاء اللہ اور علماءِ ربانی ہیں، انہوں نے نہ صرف اس کی دعوت دی بلکہ خود بھی تصوف کے سنہری اصولوں پر عمل پیرا ہو کر عند اللہ عظیم مراتب ومقام حاصل کیے اور حقیقت تصوف پر عظیم الشان کتب بھی

تحریر فرمائی۔
سوم، وہابی مذکورہ عبارت میں تصوف کو فتنہ کہہ رہے ہیں۔

باطنی صفائی کا نام تصوّف ہے

حالانکہ علمائے جو تصوف کے معانی بیان کیے ہیں ان میں سے ایک اس کا معنی باطنی صفائی بھی ہے جو کہ کدورت وگندگی کی ضد ہے تو لہٰذا اگر ان نجدیہ کے نزدیک تصوف فتنہ ہے تو لا محالہ کدورت وگندگی ان کے ہاں اصلاح ورحمت ہوگی۔ اچہارم ا

وہابیوں کی تصوّف کے متعلق بیہودہ گوئی

اسی مذکورہ بالا عبارت میں یہ بھی بیہودہ گوئی کی گئی ہے کہ تصوف کی بنیاد جہالت وتجاہل پہ ہے حالانکہ علماءِ محققین اہلِ بصیرت نے جو تصوف کی تعریف اور اس کے مقاصد ومطالب بیان کیے ہیں اس سے تو یہی واضح ہوتا ہے کہ اس کی بنیاد قرآن وسنت ہے (پنجم) وہابیوں کے رسالہ کی مذکورہ عبارت میں یہ بھی فریب دیا گیا ہے کہ تصوف راہبوں کا ایجاد کردہ ہے اور صوفیائے کرام نے یہ طریقہ ان سے حاصل کیا ہے حالانکہ یہ بھی درست نہیں، بایں وجہ کہ تصوف جو قرآن حدیث کے باطنی وپوشیدہ خزانے ہیں ان کی نشاندہی کرتا ہے اور قرآن وحدیث سے فوائد وثمرات حاصل کرنے کا طریقہ بتلاتا ہے جس میں خلقِ خدا بالخصوص اہلِ ایمان کے لیے دنیا وآخرت کی بہتری وبھلائی ہے نیز جو صوفی کی وجہ تسمیہ کتبِ تصوف میں بیان کی گئی اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ تصوف کی اصل دینِ اسلام ہے۔

تصوّف کی اصل دینِ اسلام ہے

جیسے کہ ایک قول کے مطابق صوفی نام اس لیے ہوا کہ صوف انبیاء علیہم السلام

کا لباس تھا تو جن حضرات نے اس سنت کو اپنا کر صوف کے لباس کو پہنا تو وہ صوفی مشہور ہوئے۔ دوسرے قول کے مطابق اصحاب صفہ جو کہ تارک الدنیا اور طالب الدین تھے جن حضرات نے ان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریقہ کو اپنایا تو ان کی نسبت سے یہ صوفی ہوئے۔ (اشتم)

وہابیوں کا صوفیاء کرام پر بہتان عظیم

وہابیوں کے رسالہ کی مذکورہ عبارت میں صوفیاء کرام پر یہ بہتان بھی باندھا گیا کہ انھوں نے حلال چیزوں کو اپنے پر حرام سمجھ لیا اور حلال کو حرام سمجھنے کی مثال کیا دی کہ جو گرمی و سردی میں اونی کپڑے پہنے وہ ہی ان کے نزدیک صوفی کہلانے کا حقدار ہے۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ جو عمل شرع میں مرغوب و مستحب ہو اس پر دوائم و مواظبت سے یہ لازم کب آتا ہے کہ اس کے عامل نے اس کا ترک حرام سمجھ لیا ہے اور لبسِ صوف کا مرغوب و مسنون ہونا حدیث نبوی اور عمل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے جیسا کہ امام الاولیاء تاجُ الاصفیاء سیدنا و مخدومنا حضرت داتا علی بن سید عثمان ہجویری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعَنِ الْاٰبَائِہٖ اجمعین اپنی شہرۂ آفاق کتاب کشف المحجوب شریف کے باب خرقہ پوشی میں یہ حدیث شریف لکھی ہے۔

لباسِ صوف سے حلاوت ایمان حاصل ہوتی ہے

عَلَیْکُمْ بِلُبْسِ الصُّوْفِ تَجِدُوْنَ حَلَاوَةَ الْاِیْمَانِ فِیْ قُلُوْبِکُمْ،

اپنے پر صوف پہننا لازم کر و اپنے دلوں میں حلاوتِ ایمان پاؤ گے۔

مذکورہ کتاب میں اسی کے ساتھ ہی یہ حدیث شریف ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ کا لباس صوف تھا

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبِسُ الصُّوْفَ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پشمینہ زیب تن فرماتے اور عربی گدھے پر سواری فرماتے۔

اسی باب میں حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے ستر اصحاب بدر کی زیارت جو پشمینہ پوش تھے۔ غور کریں پہلی حدیث پاک میں حضورؐ صاحب لولاک کیسے لُبس صوف کی تاکید فرما رہے ہیں اور اس کے پہننے کا فائدہ بیان فرما رہے ہیں کہ اس سے تمہیں حلاوت ایمان حاصل ہوگی اسی طرح دوسری حدیث شریف لبس صوف کو آپ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ وسلم کی سنت مستمرہ ثابت کر رہی ہے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے ستر اصحاب بدر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اس لباس مسنونہ پر عمل بھی ثابت ہوا مگر افسوس ہے عقل کے اندھوں پر جو خود تو شریعت سے بے خبر ہیں اور نفوس قدسیہ اولیاء و صوفیاء کرام پر بہتان باندھ رہے ہیں کہ انھوں نے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔

ہفتم، اسی مذکورہ عبارت میں یہ بھی جھوٹ بولا گیا کہ تصوف میں بنیادی عقیدہ حلول ہے حالانکہ یہ وہابیہ کا صوفیاء کرام پر بہت بڑا بہتان ہے اس لیے کہ اہل اسلام میں سے عقیدہ حلول کا کوئی بھی قائل نہیں۔ یہ عقیدہ تو نصاریٰ کا ہے جس کے اہل اسلام سخت مخالف ہیں۔ حلول کا معنی یہ ہے کہ ایک چیز کے اجزاء کا دوسری چیز میں اس طرح گھس جانا کہ ان میں تمیز و انفکاک و انفصال ممکن نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اجزاء سے ہی پاک ہے۔

حلول کی دو قسمیں ہیں

اہلِ سنت و جماعت کا عقیدہ!

اللہ تعالیٰ حلول سے پاک ہے جو اس کا خلاف عقیدہ رکھے، وہ اسلام سے خارج ہے۔ حلول سریانی سے بھی پاک ہے اور حلولِ طریانی سے بھی پاک ہے۔

الحلول (دستور العلماء)

الحلول سریانی

وہ ہے کہ حال سرایت کیے ہو محل کے کل اجزاء میں، جیسا کہ بیاض کا حلول کر جانا، کپڑے کی سطح میں یا گلاب کے پھول میں ماء الورد (گلاب کا پانی) یا گلاب کے پھول میں مہک گلاب کا عطر۔

حلول طریانی

وہ ہے جو حلولِ سریانی کی طرح نہ ہو بلکہ دونوں جسموں میں سے ایک ظرف ہو دوسرے کے لیے جیسا کہ حلولِ ماء ا کوزے میں یا نقطہ کا حلول خط میں۔

(کتبہ: فقیر ابو العلا محمد عبد اللہ قادری اشرفی رضوی شیخ الحدیث جامع حنفیہ قصور)

البتہ صوفیاء کرام وحدۃ الوجود کے قائل ہیں جس کے قرآن و حدیث سے اور عقلی بھی بے شمار دلائل ملتے ہیں جن میں سے بعض کو اختصار کے ساتھ آگے بیان کیا جائیگا۔

ہشتم: وہابیوں کے رسالہ مجلۃ الدعوۃ میں جن اولیاء و صوفیاء کرام کی شان میں نہایت ہی گستاخی و زبان درازی کی گئی ہے ان میں سے حضرت حسین بن منصور حلاج حضرت بایزید بسطامی اور حضرت شیخ ابنِ عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم بھی شامل ہیں، ان میں سے حسین بن منصور حلاج اور بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان تو وہابیوں کی

مذکورہ تحریر میں گزر رہا ہے مگر حضرت شیخ ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق عبارت مذکورہ رسالہ کے شمارہ مارچ ۱۹۹۵ء کے صفحہ ۴۲ پر موجود ہے جس کو یہاں طوالت کے باعث نہیں لکھا جا رہا۔ اب بفضلہ تعالیٰ ان مذکورہ تینوں بزرگوں کے حالات پر مختصر روشنی ڈالتا ہوں۔

بزرگانِ دین کے اقوال میں حضرت حسین بن منصور حلاج کا ذکرِ خیر

سیدنا و مخدومنا امام الاولیاء حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں اولیاء کرام کا ذکر کرتے ہوئے حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بیان کرتے ہیں جس کا ترجمہ یوں ہے۔

انھیں میں سے مستغرق معنیٰ ابو المغیث حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ سرمستاں بادۂ وحدت اور مشتاق جمال احدیت گزرے ہیں اور نہایت ہی قوی الحال مشائخ میں سے تھے۔

اس سے آگے بیان فرماتے ہیں آپ کی شخصیت میں اختلاف کی بنا پر تین گروہ تھے جن میں سے ایک تو آپ کو مردود کہتا تھا اور دوسرا گروہ آپ کو مقبول بارگاہِ الٰہی مانتا تھا، لیکن تیسرا گروہ جن میں حضرت جنید بغدادی حضرت شیخ شبلی حضرت حریری اور حضرت حصری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی شامل تھے۔ آپ کے معاملہ میں توقف کرتا ہے اور ایک گروہ نے آپ کو جادو وغیرہ ظاہری اسباب کے ساتھ منتسب کیا ہے لیکن حضرت شیخ المشائخ ابو سعید ابو الخیر اور شیخ ابو القاسم گرگانی اور شیخ ابو العباس قصاقی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں حسین بن منصور کو صاحب سر مانتے تھے اور ان لوگوں کے نزدیک حسین بن منصور ایک عارف کامل بزرگ تھے لیکن استاذ ابو القاسم قشیری فرماتے ہیں کہ اگر وہ ارباب معانی و حقیقت میں تھے تو لوگوں کے مطعون کرنے سے وہ مہجور نہیں ہو

سکتے اور اگر وہ مجہور فی الطریق والعرفان تھے اور مردود بارگاہ تھے تو مخلوق کے مقبول بنانے سے مقبول نہیں ہو سکتے لہٰذا ان کا معاملہ ہم خدا کے سپرد کرتے ہیں اور جس قدر ہم ان سے علامات عرفانی دیکھتے ہیں۔ اسی حد تک ہم ان کو بہ نظرِ عظمت دیکھتے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں مشائخ میں سے چند کے علاوہ کوئی بھی ان کی مقبولیت کا منکر نہیں بلکہ تمام مشائخ ان کے کمال فضل اور صفائی حال اور کثرتِ اجتہاد و ریاضت کے معترف ہیں اور ان کے حالات کا ذکر اس کتاب (یعنی کشف المحجوب) میں نہ کرنا ایک حد تک بے امانتی وخیانت تھی اس لیے بعض ارباب جو ظواہر سے ہیں وہ ان کی تکفیر کرتے ہیں اور ان کی شانِ عرفان کے منکر ہیں اور ان کے تمام کمالات خوارق عادات امور کو مکر و جادو کے ساتھ نسبت کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ حسین بن منصور حلاج بغدادی ہے جو محمود بن زکریا کا استاد ہے اور ابو سعید قرمطی کا رفیقِ خاص ہے حالانکہ وہ حسین بن منصور بن صلاح ہے اور یہ حسین بن منصور حلاجؒ ہے۔ پھر وہ حسین بن منصور جو ابن صلاح ہے بغداد کا ہے، یہ حسین بن منصور حلاج فارسی مقام بیضا کا ہے۔

اس کشف المحجوب کی عبارت سے معلوم ہوا کہ بشمول حضرت داتا صاحب تمام صوفیاء و مشائخ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضرت حسین بن منصور حلاج کے عارف کامل اور مقبول بارگاہِ رب العزت ہونے کے معترف و مقر ہیں۔ سوائے چند حضرات ظواہر کے جو ان کی ظاہری حالت کو دیکھ کر مغالطہ میں پڑ گئے یا ان کو یہ غلطی لگی کہ یہ حسین بن منصور بن صلاح جو کہ بغداد شریف کے رہنے والے تھے، یہ وہ ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر وہ لوگ حضرت حسین بن منصور حلاج جو کہ عارف اور صاحبِ سر تھے ان کے متعلق بدگمانی کرنے لگے اور غیر مطابق الواقعہ باتوں کو آپ سے منسوب کر دیا۔ اب عارف کامل حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق کچھ بیان کیا جاتا ہے۔

کشف المحجوب شریف میں اولیاء کرام کا ذکر کرتے ہوئے شہنشاہ ولایت فخر اصفیاء

امام الاولیاء حضرت سیدنا داتا علی بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ بسطامی کے متعلق یوں بیان فرماتے ہیں۔

انھیں میں سے فلک معرفت مُلک محبت ابویزید طیفور بن عیسیٰ بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اجلہ مشائخ سے گزرے ہیں ان کی کیفیت حالیہ اعلیٰ درجہ پر تھی اور ان کی شانِ تصوف بہت بلند مانی گئی حتیٰ کہ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں۔

ابویزید منّا بِمَنْزِلَةِ جِبْرِيْلَ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ۔ بایزید ہم میں وہ مرتبہ رکھتے ہیں جو فرشتوں میں جبریل کو حاصل ہے اور آپ اپنے علاقہ بسطام میں فرد الفرید گزرے ہیں اور فن تصوف میں آپ کو یکتا عالم مانا گیا ہے اور حقائق علم بیان کرنے میں آپ سے زائد کوئی دوسرا نظر نہ آیا اور آپ علم کے ساتھ محبت اور شریعت مطہرہ کی خاص طور پر تعلیم کرنے والے تھے اور یہ تمام صفات آپ میں حقیقتاً موجود تھیں یہ نہیں کہ الحاد زندقہ کی مدد کے لیے زہد و ورع کا محض پردہ ڈال لیا ہو جیسا کہ اکثر ایسا کر لیتے ہیں، بلکہ آپ ابتداء سے ہی مجاہدہ و عمل صالح میں رہے چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں۔

عَمِلْتُ فِی الْمُجَاهَدَةِ ثَلٰثِیْنَ سَنَةً فَمَا وَجَدْتُ شَیْئًا اَشَدَّ عَلَیَّ مِنَ الْعِلْمِ وَمُتَابَعَةِ وَلَوْ لَا اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ لَبَقِیْتُ وَ اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَةٌ اِلَّا فِیْ تَجْرِیْدِ التَّوْحِیْدِ۔

تیس سال مجاہدہ کرتا رہا۔ میں نے علم اور اس پر عمل سے زیادہ دشوار کسی چیز کو نہ پایا اور اگر اختلافِ علماء نہ ہوتا تو میں ناکام رہے جاتا اور حق اطاعت دین ادا نہ کر پاتا اور حق بات یہ ہی ہے کہ اختلاف علماء رحمت ہے مگر جبکہ توحید میں مجرد ہو جائے تو اچھا نہیں۔ اسی طرح تذکرۃ الاولیاء کے باب ۱۴ میں شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب یوں بیان کرتے

ہیں۔آپ بہت بڑے اولیاءکرام اور مشائخ عظام میں سے ہوتے ہیں اور ریاضت و عبادت کے ذریعے قربِ الٰہی حاصل کیا اور احادیث بیان کرنے میں آپ کو درک حاصل تھا۔حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کو اولیاء میں وہی اعزاز حاصل ہے جو جبریل کو ملائکہ میں اور مقامِ توحید میں تمام اولیاءکرام کی انتہا آپ کی ابتداء ہے کیونکہ ابتدائی مقام میں ہی لوگ سرگرداں ہو کر رہ جاتے ہیں جیسا کہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر لوگ دو سو سال بھی گلشن معرفت میں سرگشتہ رہیں جب کہیں جا کر ان کو وہ ایک پھول مل سکتا ہے جو مجموعی طور پر ابتداء میں ہی مجھے مل گیا۔

شیخ ابو سعید رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں پورے عالم کو آپ کے اوصاف سے لبریز دیکھتا ہوں لیکن اس کے باوجود بھی آپ کے مراتب کوئی نہیں جانتا۔آپ کے دادا آتش پرست تھے اور آپ کے والدِ بزرگوار کا بسطام کے عظیم بزرگوں میں شمار ہوتا تھا اور آپ کی کرامات کا ظہور شکمِ مادر میں ہی ہونے لگا تھا کیونکہ آپ کی والدہ فرماتی تھیں کہ جس وقت بایزید میرے شکم میں تھا تو اگر کوئی مشتبہ غذا میں سے شکم میں چلی جاتی تو اس قدر مجھے بیکلی اور بے چینی ہوتی کہ مجھے حلق میں انگلی ڈال کر نکالنا پڑتی۔حضرت بایزید کا قول ہے کہ راہِ طریقت میں سب سے بڑی دولت وہ جو مادرزاد ہو۔اس کے بعد چشم بینا اور اس کے بعد گوش ہوش لیکن اگر یہ تینوں حاصل نہ ہوں تو پھر مرگِ ناگہاں بہتر ہے۔جب آپ مکتبہ میں داخل ہوتے اور آپ نے سورۂ لقمان کی آیت پڑھی کہ اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ۔ یعنی میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا، تو آپ اپنے گھر تشریف لائے اور اپنی والدہ محترمہ کو عرض کی، امی جان مجھ سے دو ہستیوں کا شکر ادا نہیں ہو سکتا اس لیے آپ مجھے خدا سے طلب کریں تاکہ میں تیرا شکر ادا کرتا رہوں یا پھر مجھے

خدا کے سپرد کر دیں تاکہ اس کا شکر ادا کرنے میں مشغول ہو جاؤں۔

یہ سن کر والدہ نے فرمایا میں اپنے حقوق سے دستبردار ہو کر تجھے خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ چنانچہ بعد ازیں آپ ملکِ شام کی جانب نکل گئے اور وہیں ذکر و شغل کو جزوِ حیات بنا لیا اور مکمل تین سال شام کے میدانوں اور صحراؤں میں زندگی گزاری اور اس عرصہ میں یادِ الٰہی کی وجہ سے کھانا پینا سب ترک کر دیا نہ صرف یہ بلکہ ایک سو سترہ مشائخ سے بھی نیاز حاصل کر کے ان کے فیوض سے سیراب ہوتے۔ انھیں مشائخ کرام میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔

ایک مرتبہ آپ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے تو انھوں نے فرمایا کہ اے بایزید فلاں طاق میں جو کتاب رکھی ہوئی ہے اسے اٹھا لاؤ آپ نے عرض کی کہ وہ طاق کس جگہ ہے؟ امام جعفر صادق رض نے فرمایا کہ آپ نے اتنا عرصہ رہنے کے بعد بھی وہ طاق نہیں دیکھا۔ آپ نے عرض کی کہ طاق تو کجا میں نے تو کبھی آپ کے روبرو سر نہیں اٹھایا۔ اس وقت امام صاحب نے فرمایا اب تم مکمل ہو چکے ہو لہٰذا بسطام واپس چلے جاؤ۔

ایک جگہ آپ کسی بزرگ سے نیاز حاصل کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو جس وقت آپ ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ انھوں نے قبلہ کی طرف تھوک دیا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ ملاقات کیے بغیر واپس آ گئے اور فرمایا کہ اگر وہ بزرگ مدارجِ طریقت کو جانتا تو شریعت کے خلاف کام نہ کرتا اور آپ کے ادب کا یہ عالم تھا کہ مسجد جاتے وقت راستے میں بھی نہ تھوکتے اور سفرِ حج پر جاتے ہوئے چند قدموں پر نماز ادا کرتے ہوئے فرماتے کہ بیت اللہ کوئی دنیاوی بادشاہوں کا دربار نہیں کہ جہاں آدمی ایک دم پہنچ جائے۔ اس طرح آپ پورے بارہ سال کے عرصے میں مکہ مکرمہ پہنچے لیکن حج کے بعد مدینہ منورہ حاضر نہ ہوتے اور فرمایا کہ یہ کوئی معقول

بات نہیں کہ حج کے طفیل مدینہ منورہ حاضری دی جائے۔ اس کی زیارت کے لیے انشاء اللہ پھر حاضر ہوں گے۔

اس کشف المحجوب اور تذکرۃ الاولیاء کی عبارت جواب تک حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق لکھی گئی اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت داتا علی ہجویری اور حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر وعظیم الشان بزرگ بھی حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ کے مدح خواں ہیں جو ان کو عارف باللہ و فلکِ معرفت اور تمام اولیاء میں ان کا مرتبہ ایسا بیان کر رہے ہیں، جیسا کہ حضرت جبریل امین کا فرشتوں میں۔ دوسرا یہ معلوم ہوا کہ شیخ بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کس قدر باادب و شریعت کے پابند تھے جو آدمی شریعت کی مخالفت کر کے قبلہ کی طرف تھوک رہا تھا۔ آپ نے اس سے ملاقات کرنا بھی گوارا نہ کی۔

ان کے بعد اب شیخ اکبر محی الدین محمد بن علی اندلس المعروف ابنِ عربی رح کے متعلق کچھ اختصار سے عرض کرتا ہوں۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ جس قدر رموزِ تصوف آپ نے بیان فرمائے ہیں کسی اور نے اس قدر بیان نہ کیے۔ آپ قائلین وحدۃ الوجود کے امام تھے آپ سے کرامات و خرقِ عادات لَاتُعَدُّ وَلَا تُحصیٰ صادر ہوئی ہیں۔ شیخ الاسلام صاحب قاموس شیخ ابنِ عربی کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ مجھے آج تک معلوم نہیں ہوا کہ کوئی شخص علم شریعت وحقیقت میں امام محی الدین شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے مبلغ علم کو پہنچا ہو کیونکہ وہ ایک دریا ناپیدا کنار تھے اور ان کی تصانیف بحرِ زخار ہیں کسی ایسے رموز مفید اور مطالب بیان نہیں کیے اور ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنا حق تعالیٰ کی قربت حاصل کرنا ہے۔

علامہ قطب الدین شیرازی آپ کی مدح یوں کرتے ہیں۔ شیخ اکبر شریعت و

حقیقت دونوں میں بے نظیر فرد تھے جو لوگ ان کے کلام پر طعن کرتے ہیں وہ کیا کریں اس کلام کو وہ سمجھ نہیں سکتے اور جو لوگ ان کو برا کہتے ہیں تو ان کو ایسا جانو جیسے وہ لوگ ہیں جو سبھوں کو برا کہتے ہیں۔

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی شان یوں بیان کرتے ہیں۔ امام محی الدین ابن العربی بہت بڑے جلیل القدر ولی اور اپنے زمانے دے قطب الاقطاب تھے۔ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپکی شان میں یوں رطب اللسان ہیں۔ شیخ اکبر عارفوں کے مربی اور حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم بر قدم چلنے والے تھے۔

امام عبداللہ ابن سعد یافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کو ولایت عظمیٰ حاصل تھی۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ شیخ محی الدین ابن العربی آیتہ من آیات اللہ تھے اور اس زمانہ میں علم وفضل کی کنجی انہیں کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی اور حضرت شیخ کمال الدین کاشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شیخ محی الدین ابن العربی محقق کامل وصاحب کرامات تھے۔ شیخ قطب الدین حموی قدس سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے۔

شیخ محی الدین ابن العربی کے منکر مت ہونا اور انہیں برا مت کہنا کیونکہ اولیاً اللہ کا لحم مسموم ہوتا ہے اور ان سے بغض رکھنے والے اکثر نصرانی مرے ہیں۔ ایسا بھی ہوا کہ بعض نے شیخ کی عبارت میں جھوٹی عبارتیں بھی داخل کر دی ہیں تاکہ لوگ حضرت شیخ کو ظاہر شریعت کا مخالف سمجھیں اور ان کے اپنے حسد کی آگ بجھے۔

ایک شخص مسمیٰ کمال الدین ابن الخیاط یمن کا رہنے والا تھا اس نے چند مسائل اپنے پاس سے لکھے اور بلاد اسلام میں بھیجے اور کہا یہ محی الدین ابن العربی کے عقائد ہیں آپ کی ان کے متعلق کیا رائے ہے چونکہ وہ عقائد لغو تھے اس لیے سب نے برا کہا۔ ان مذکورہ

بالا اقوال و عبارات سے معلوم ہوا کہ کس قدر عظیم الشان و جلیل القدر آئمہ دین اور مشائخ عظام شیخ محی الدین ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ کی مدحت کر رہے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض حاسدوں نے آپ کو لوگوں سے طعن و طنز کا نشان بنوانے کے لیے اور انھیں آپ کے متعلق بدظن کرنے کے لیے اپنی طرف سے کچھ قابلِ اعتراض و مخالفِ شرع عبارتیں لکھ کر آپ کی طرف منسوب کر دیں جن کی وجہ سے لوگ آپکے متعلق بد گمانی اور طعن طنز کرنے لگے۔ اب یہاں تک ان تینوں حضرات، حضرت حسین بن منصور حلاج و بایزید بسطامی اور شیخ اکبر حضرت محی الدین ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے متعلق چند کتابوں سے عبارتیں لکھی گئی ہیں، ان سے واضح ہوا کہ ان میں کس شان و عظمت سے ان حضرات عارفین کاملین کے مناقب بیان کیے گئے ہیں اور کس قدر عظیم الشان اولیاء کرام و مشائخ عظام ان کی شان عظمت کے قائل ہیں مگر افسوس ان نجدیوں پر جو بے خوف و خطر ہو کر اور آخرت کے انجام و وبال سے بے نیاز ہو کر بے باکی سے اہلِ اللہ پر طرح طرح کے بہتان باندھ کر ان کی شان میں گستاخیاں کر رہے ہیں۔ ان کے عقیدت مند غلاموں کی دل شکنی و دل آزاری کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسوں کے شر سے سب کو محفوظ رکھے، آمین بحرمتِ رسولہٖ الکریم۔

تنبیہ: وہابیوں کے اسی رسالہ مجلتہ الدعوۃ کی مذکورہ عبارت میں جن اشعار کی بنا پر سرِ ربانی قندیلِ نورانی شیخ الشیوخ حضرت بایزید بسطامی پر غلط و بے بنیاد الزام لگائے گئے ہیں اور اشعار کی غلط مرادیں بیان کی گئیں۔ اب ان الزامات کو دور کرنے کے لیے اور اشعار کی صحیح مرادیں واضح کرنے کے لیے بیان کیا جائے گا۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْقَوِيِّ الْقَدِيْرِ۔ شعر اوّل۔

فَفِيْ حَالٍ اُقِرُّ بِهٖ وَفِيْ حَالٍ اُمَجِّدُهٗ۔ پس کبھی اس ذاتِ بالا کی صفاتِ کاملہ کا دل و زبان سے اقرار کرتا ہوں اور کبھی اس کی بزرگی بیان کرتا ہوں۔

مذکورہ بالا شعر کے جزو اوّل کا ترجمہ کیا ہے کہ کبھی میں رب کا کلمہ پڑھتا ہوں، یہ درست نہیں۔ اس کی چند وجوہات ہیں۔ اوّل یہ کہ اقرار سے مراد کلمہ تب ہوتا جب کوئی کافر ایمان لائے مگر جب اقرار کی نسبت مسلمان کی طرف ہو تو پھر اقرار سے مراد کلمہ پڑھنا نہیں اس لیے کہ مسلمان تو کلمہ بطور ذکر و ورد پڑھتا ہے نہ کہ بطور اقرار بلکہ اقرار سے مراد اس وقت یہ ہوگی کہ وہ اپنے رب کے محسن و منعم و معطی و پروردگار ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ کلمہ پڑھنے کا اطلاق صرف اجرائے زبان پر ہوتا ہے جبکہ اقرار کا اطلاق قلب ولسان دونوں پر ہوتا ہے اس لیے اقربہ کا معنی اس کا کلمہ پڑھتا ہوں کرنا عام کو بلا قرینہ خاص کرنا مکابرہ و تجاہل ہے۔
نیز مذکورہ شعر کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کئی انواع پر ذکر قلبی ذکر لسانی ذکر لسانی و قلبی۔ پھر کبھی ذکر کا مقصد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح تہلیل کرنا ہوتا ہے اور کبھی ذکر کا مقصد اس کے فیض و عطا احسان و انعام کا اقرار کرنا ہوتا ہے، لہٰذا مذکورہ شعر سے مراد یہ ہی ہے کہ کبھی میں اس ذات تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تہلیل کرتا ہوں اور کبھی اس کے فیض و عطا اور احسان و انعام کا دل و زبان سے اقرار و اعتراف کرتا ہوں۔

شعر دوم:

فَإِنِّيْ بِالْغِنَىٰ وَلَنَا اُسَاعِدُهٗ وَاُسْعِدُهٗ

وہابیوں نے اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے اس کا ترجمہ کیا ہے:

اور میں اس سے بے پرواہ ہوں بلکہ اس کی مدد کرتا ہوں اور اس کو خوش بخت بناتا ہوں۔ حالانکہ یہ ترجمہ سیاقِ کلام کے اعتبار سے بھی اور موقع و محل کے اعتبار سے بھی غلط ہے۔ سیاقِ کلام سے اس کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے شعر میں بیان ہو رہا ہے کہ میں اس ذات تعالیٰ کے فیض و عطا اور احسانات و انعامات

کا اقرار کرتا ہوں اور اس کی بزرگی بیان کرتا ہوں، پھر وہ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں اس سے بے نیاز ہوں بلکہ میں اس کی مدد کرتا ہوں اور اس کو خوش بخت بناتا ہوں معاذ اللہ۔ نیز نحوی قاعدہ ہے کہ جہاں حرف جار ہو وہاں کچھ عبارت پوشیدہ مانی جاتی ہے تو لہٰذا اس میں بِہٖ کَائِنٌ پوشیدہ ہونے کا امکان ہے پھر یہ جملہ یوں بنے گا۔ فَاِنِّیْ بِہٖ کَائِنٌ بِالْغِنٰی۔

معنی اس کا یوں ہوگا۔ پس میں اس ذات باقی پر اکتفا کر کے دنیائے فانی سے بے نیاز ہوں۔ اس شعر کا دوسرا جزو۔ وَلَنَا اَسَاعِدُہٗ وَ اَسْعِدُہٗ۔ اَسَاعِدُ سَعَادَۃٌ یا سَعُدٌ کی جمع ہے سعدٌ کا معنی خوش بخت ہونا مبارک ہونا، فرمانبردار ہونا، خدمت میں حاضر ہونا ہے جیسا کہ لَبَّیْکَ وَ سَعْدَیْکَ یعنی میں تیری خدمت میں حاضر ہوں۔ تو اس شعر کا ترجمہ یوں گا۔

ہمارے لیے اس کی خوش بختیاں ہیں اور میں اس کی فرمانبرداری کرتا ہو۔

شعر سوم: فَیَحْمَدُنِیْ فَاَحْمَدُہٗ۔ اس کا ترجمہ وہابیوں نے مذکورہ رسالہ میں یوں کیا ہے:

وہ میری ثناء بیان کرتا ہے میں اس کی ثناء بیان کرتا ہوں۔ حالانکہ یہ ترجمہ اس جگہ کرنا غیر مناسب ہے۔ پھر کوئی ایسی مجبوری بھی نہیں کہ اس ترجمے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو کیونکہ عربی زبان میں بہت وسعت ہے کبھی یہ بھی ہوتا ہے ایک ہی کلمہ کئی معنوں میں مشترک ہوتا ہے ان سے کوئی معنی قریبی ہوتا ہے اور کوئی بعیدی بعض اوقات متکلم جب کلام کرتا ہے تو اس کی مراد بعیدی معنی ہوتا ہے مگر سامع کے ذہن میں اس سے قریبی معنی آتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ جب آپ اپنی زوجہ جدۃ الانبیاء حضرت سیدہ سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ سرزمین مصر سے گزر رہے تھے تو مصر کا بادشاہ جو کہ ظالم و نفس پرست تھا اور وہ حسین و جمیل عورتوں کی

عزتوں کو لوٹتا تھا اس نے اسی غرض سے راستوں پر سپاہی متعین کر رکھے تھے کہ حسین خوبرو عورت کو دیکھیں اس کے پاس لائیں لہٰذا جب ان سپاہیوں نے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ کو دیکھا جو کہ حسن و جمال میں لاثانی تھی وہ جبراً ان دونوں کو اس ظالم نفس پرست بادشاہ کے پاس لائے جب اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ آپ کی کیا لگتی ہے تو آپ نے ان سے حکیمانہ کلام فرمایا کہ یہ میری بہن ہے آپ نے اس سے بعیدی معنی مراد لیا کہ یہ از روئے ایمان میری روحانی بہن ہے اور وہ اس سے بہن کا قریبی معنی سمجھے کہ یہ رشتہ کے اعتبار سے بہن بھائی ہیں اس لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قتل کے درپے نہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اپنے خلیل علیہ السلام کی عزت کو اس ظالم کے ہاتھوں سے بچا لیا۔

یہ صرف سمجھانے کو ایک مثال بیان کر دی ورنہ اس پر اور مثالیں بھی دی جا سکتی ہیں۔ تو سمجھانا یہ تھا کہ جب زبان عربی میں وسعت بھی ہے اور کوئی تعذر و مجبوری بھی نہیں تو ان وہابیوں کو کیا ضرورت پیش آئی جو ایک ایسے ولی کامل کے حق میں زبان درازی کر رہے ہیں جس کی شانِ عظیمہ کا اعتراف بڑے بڑے اولیاء کرام و مشائخ عظام بھی کرتے ہیں۔ اب مذکورہ شعر کا معنی و مقصد بیان کیا جاتا ہے۔

فَیَحْمَدُنِیْ فَاَحْمَدُہٗ۔ (۱) وہ مجھے حمد کی جزاء دیتا ہے پس میں اس کی حمد بیان کرتا ہوں۔ (۲) وہ مجھے حمد کی توفیق دیتا ہے پس میں اس کی حمد بیان کرتا ہوں (۳) وہ مجھے حمد کے لائق بناتا ہے پس میں اس کی حمد بیان کرتا ہوں۔

شعر چہارم: وَیَعْبُدُنِیْ وَاَعْبُدُہٗ۔

اس کا ترجمہ وہابی مذکورہ رسالہ میں یوں کرتے ہیں۔ وہ مجھے پوجتا ہے میں اس کی پوجا کرتا ہوں۔ حالانکہ یہ تو ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی پوجا کرنے سے پاک ہے بلکہ صرف وہی پوجا کے لائق ہے تو پھر ایک عارف کامل سے

ایسے کلام کا وقوع ممکن نہیں لہٰذا مذکورہ شعر میں دو احتمال ہیں۔ یا تو یَعْبُدُنی میں با مُشَدَّد ہے تو اس صورت میں مصباح اللغات میں مندرجہ ذیل معانی بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) فرمانبردار بنانا (۲) غلام بنانا (۳) عبدالطریق راستہ کو چلتا ہوا بنانا۔ تو ان معانی کے اعتبار سے ترجمہ یوں ہوگا۔

(۱) وَیُعَبِّدُنِیْ۔ اور مجھے فرمانبردار بناتا ہے۔ وَاَعْبُدُہٗ۔ اور میں اس کی عبادت کرتا ہوں (۲) اور مجھے سیدھا راستہ چلاتا ہے اور میں اس کی عبادت کرتا ہوں۔ (۳) وہ مجھے اپنا عبد کہتا ہے اور میں اس کی عبادت کرتا ہوں۔ دوسرا احتمال یہ کہ یعبد میں با غیر مُشَدَّد ہو جیسے یَعبدُنی، تو پھر بھی معنی یہ ہی مناسب ہے کہ وہ مجھے عبادت کی توفیق دیتا ہے اور میں اس کی عبادت کرتا ہوں یا وہ مجھے بندگی کے لائق بناتا ہے اور میں اس کی بندگی کرتا ہوں۔

شعر پنجم: فَمَنْ لَیلٰی وَمَنْ لُبْنٰی وَمَنْ هند وَمَنْ بثنة
وَقیس وَمَنْ بشر اَلَیْسُوْا کُلُّھُمْ عَیْنَہٗ۔

اس کا ترجمہ وہابی یوں کرتے ہیں۔ کیا لیلیٰ و لبنیٰ اور کیا قیس و بشر سب اللہ ہی تو ہیں۔ حقیقت میں اس کا یوں ترجمہ کرنا کہ مخلوق کو اللہ بنا دیا یہ بے خوفی اور شقاوت قلبی کی علامت ہے اس لیے کہ اگر غور و فکر کیا جائے تو اس کے اور بھی کئی پہلو نکل سکتے ہیں مگر ان کا مقصد چونکہ اس مرد حق کو کافر و مشرک بنانا ہے اور وہ یونہی پورا ہوتا تھا۔

تصریح: اس کلام میں حرف مَنْ کو بطور استفہام انکاری لایا گیا اور انسان کے مِنْ کُلِّ وَجُوْہٍ غیریت کی نفی کی اور دوسرے حصے اَلَیْسُوْا کُلُّھُمْ عَیْنَہٗ میں مِنْ بعض وُجُوْہٍ عَیْنِیَّتْ کی طرف اشارہ کیا۔ غیریت کی نفی کی وجوہات۔ پہلے یہ سمجھ لیں کہ غیریت کا اطلاق دو طرح پہ ہے۔ ایک یہ کہ دو چیزوں کو آپس میں مِنْ کُلِّ وَجْہٍ بے تعلق ہونا اس اعتبار سے بھی انسان اللہ کا غیر نہیں کہ اس سے

بے تعلق ہو۔ انسان کا وجود اللہ تعالیٰ کے وجود کے سوائے ناممکن و محال ہے۔

دوسرا غیریت کا اطلاق یہ کہ دو چیزوں کا جُدا اشارہ حِسّیہ کو قبول کرنا تو اس اعتبار سے بھی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کا غیر نہیں اس لیے کہ کوئی چیز بھی اس حیثیت سے جُدا نہیں کہ وہاں اللہ تعالیٰ موجود نہ ہو۔ نیز انسان کا کیا سب مخلوق کا وجود اللہ تعالیٰ کے فعل تخلیق کا اثر ہے تو اثر کی ابتدا ہی مؤثر سے متعلق ہوتی ہے اس لیے وہ اپنے مؤثر یعنی ذاتِ تعالیٰ کا غیر نہیں۔ اسی طرح انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت کا مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۔ اور خود تمہی میں اس کے جلوے ہیں۔ کیا تمہیں سوجھتا نہیں۔ یونہی وجود اشیاء اپنی حقیقتوں اور ہیئتوں کے ساتھ ازل سے ہی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا تو جب اسے منظور ہوا اور ارادۂ تخلیق فرمایا تو انہیں اشیاء کو جو اس کے علم میں تھیں حکم دیا کُنْ ہوجا پس وہ معرضِ وجود میں آگئیں تو یہ اشیاء یعنی ماسوا اللہ از رو علم اللہ تعالیٰ کی صفت ٹھہری اور صفت نہ عین ذات ہے نہ غیر، نیز قبل از تخلیق بھی اللہ تعالیٰ بِالْقُوَّۃِ اشیاء کا خالق تھا یہ اشیاء اس کی مخلوق اور بعد از تخلیق اللہ تعالیٰ بالفعل اس کا خالق ہوا اور اشیاء اس کی مخلوق۔

مذکورہ بیان کا مقصد یہ تھا کہ صاحب کلام کا اس میں انھی امور کی طرف اشارہ کرنا قریب قرینہ ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابْ اور مقصدِ کلام یہ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب کلام بتلانا چاہتا ہے کہ مخلوق سے محبت کی تمام صورتوں میں ضروری نہیں کہ حظ نفسانی کو ہی دخل ہو بلکہ بعض صورتیں رضائے الٰہی کا باعث بھی بنتی ہیں۔

ہر شخص کو آئینہ میں اپنی صورت نظر آتی ہے

مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ وجود کائنات آئینہ کی مانند ہے جیسے ہر شخص کو آئینہ میں

اپنی ہی صورت خوب یا بد نظر آتی ہے اسی طرح کائنات کا معائنہ کرنے والے ہر شخص کو اپنا آپ ہی نظر آتا ہے اگر اس کا اپنا دل صاف اور خدا کی طرف متوجہ ہے تو اسے ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی حقانیت وحدانیت کی دلیل نظر آتی ہے اور اس کی قدرت کاملہ کا کرشمہ نظر آتا ہے اور اس کی کاریگری کا عظیم نمونہ نظر آتا ہے اور ہر چیز میں اسے اللہ تعالیٰ کے جلوے نظر آتے ہیں اور اس کی طلب حق میں ذوق پیدا ہوتا اور طلب آخرت کی رغبت میں اضافہ ہوتا ہے اور حادثات و واقعات اس کے لیے باعثِ عبرت بنتے ہیں اگر اس کا اپنا دل ناپاک وسیاہ اور روح غفلت میں مبتلا ہے تو اسے کسی میں نقص و عیب نظر آئیں گے اور کسی سے عداوتؐ نفرت اور حرص دنیا اور نفس پرستی میں مبتلا ہوگا اور افعال شیطانی کی طرف مائل ہوگا۔

واضح رہے کہ مذکورہ بیان کا مقصد یہ بتانا ہے کہ عقل مندی و دیانت داری یہ ہے کہ کلام کے مقصد و مراد کو سمجھا جائے اور حتی الامکان بزرگان سلف کو طعن و طنز اور برائی کی طرف نسبت سے بچایا جائے۔

یازدہم: اس میں وہابیوں کے رسالہ مجلۃ الدعوۃ سے وہ عبارت پیش کی جاتی ہے جس میں انہوں نے ایک حدیث کے متعلق نامناسب و کفریہ باتوں کو اپنے پاس سے صوفیاء کی طرف منسوب کیا اور ان کے متعلق بدزبانی و گستاخانہ رویہ اختیار کیا لکھتے ہیں۔ لیکن ہوا پرستوں صوفیوں کو اس حدیث سے اپنا مطلب نکالنا ہے لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بندہ زیادہ عبادت کر کے خود اللہ ہی بن جاتا ہے اور اس کے اعضاء اللہ تعالیٰ کے حقیقی اعضاء بن جاتے ہیں اور رب بن جاتا ہے اور اس پر کوئی عبادت واجب نہیں ہوتی۔

مَعَاذَ اللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ الْکُفْرِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ فِتْنَۃِ الْوَھَابِیَۃِ فِی الدِّیْنِ۔

اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ اگر یہ وہابی اپنے دعویٰ میں سچے ہوتے تو جن عقائد کو انھوں نے صوفیاء کرام کی جانب منسوب کیا ہے اس پر کسی تصوف یا عقائد کی کتاب کا حوالہ پیش کرتے لہٰذا ان کے حوالہ پیش نہ کرنے سے ثابت ہوا کہ یہ ان کذابوں کی اپنی اختراع ہے۔ یہ تو کسی بھی اہلِ ایمان کا عقیدہ نہیں کہ زیادہ عبادت کرنے سے بندہ اللہ بن جاتا ہے بلکہ عقیدہ یہ ہے کہ بندہ 'بندہ' ہی رہتا ہے خواہ وہ کتنے عظیم مراتب حاصل کرے اور خواہ کتنا ہی عروج پر پہنچ جائے، اور نہ ہی اسے عبادت معاف ہوتی ہے خواہ وہ کتنا ہی اللہ تعالیٰ کا محبوب و مقرب بن جائے۔ نیز عبادتِ الٰہی تو بندے کے لیے زیب و زینت ہے اور تخلیق انسان کا مقصدِ اعظم بندگی ہے بلکہ یوں کہیے کہ بندہ ہی بندگی سے ہے تو باقی رہا جو عقیدہ مجلۃ الدعوۃ والے وہابی بیان کر رہے ہیں یہ تو انھیں شیطان کی طرف سے القا ہوا ہوگا۔

اسی طرح یہ بھی اہل ایمان خاص و عام کا عقیدہ قدیمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اعضا سے پاک ہے ہاں البتہ وہابیوں، دیوبندیوں کا وہی خدا جسم و اعضاء والا ہوگا جو بقول ان کے عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔

دوازدہم: اس مذکورہ رسالہ میں وہابی یوں لکھتے ہیں۔

عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ دلوں میں رہتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے امتیوں کا رب تو اپنے عرش عظیم پر رہتا ہے۔

اس مذکورہ عبارت میں ایک تو یہ غلط بیانی کی گئی ہے کہ عام لوگ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دلوں میں رہتے ہیں حالانکہ کسی بھی صحیح العقیدہ مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ دلوں میں مقیم یا مقید ہے البتہ بعض آیات و احادیث میں ظاہراً یہ ثبوت پایا جاتا ہے جیسا کہ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ ہم انسان کی شاہ رگ سے بھی قریب ہیں۔ وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ اور خود تمہی میں ہے۔ کیا

تمہیں سوجھتا نہیں۔ اسی طرح حدیث شریف میں ہے۔

نہ مجھے میری زمین سما سکے نہ مجھے میرا آسمان سما سکے لیکن مجھے میرے مومن بندے کا دل اپنے میں سما سکتا ہے۔

وضاحت: مذکورہ آیتوں اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کے دلوں میں رہنے کے جو معنی پائے جاتے ہیں ان کا اطلاق مجازی واعتباری اور تشریفی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو بَیْتِیَ فرمایا یعنی میرا گھر اسی طرح مساجد کو اللہ کا گھر کہا جاتا ہے اس اعتبار سے کہ ان کو صرف اللہ کے ذکر و عبادت کے لیے بنایا جاتا ہے اسی طرح انسانی قلوب کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر اور آیات قدرت میں غور و فکر کے لیے بنایا ہے اور جس طرح بیت اللہ و مساجد اللہ تعالیٰ کی رحمت اور توجہ خاص کا مرکز ہیں اسی طرح انسانی (یعنی مؤمنین کے) قلوب کو بھی اگر صاف رکھا جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نزولِ رحمت اور توجہ خاص کا مرکز ہوتے ہیں۔

مذکورہ دونوں آیتوں اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر مجازی واعتباری طور پر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں میں رہتا ہے تو حرج نہیں لیکن بایں طور پر اعتقاد رکھنا کہ معاذ اللہ وہ دلوں میں محاط و مقید ہے یا حلول کیے ہوتے ہے یہ نصوصِ واضح اور اجماع امت کے خلاف ہے۔

دوم، اس عبارت میں یہ فریب دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اس کے اُمتیوں کا رب اپنے عرش عظیم پر رہتا ہے حالانکہ حقیقتاً اس پر اولین و آخرین سلف و خلف خاص و عام سب امتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ اللہ رب العزت جلِ شانہٗ مکان سے پاک و منزہ مبرء ہے بلکہ تمام مکان و مکین اپنے قیام و وجود و بقاء میں اس ذاتِ موجد و قیوم کے محتاج ہیں البتہ یہ عقیدہ جدیدہ کہ اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہے یا رہتا ہے وہابیوں دیوبندیوں کا خود ساختہ و تراشیدہ ہے۔

اور اس کے رد و ابطال کے لیے بے شمار نقلی و عقلی دلائل موجود ہیں جن میں سے چند یہاں بطور اختصار پیش کیے جائیں گے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مجید فرقانِ حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۔

آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا احاطہ کرتا ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْط ۔ اللہ تعالیٰ سب کو محیط ہے۔

یہ محال ہے کہ محیط اپنے محاط کا محاط بن جائے

یہ جاننے کے بعد یہ بھی جاننا چاہیے کہ عقل سلیم پر واضح ہے کہ جو محیط ہو اس کے لیے محال ہے کہ اپنے محاط کا محاط بن جائے تو مذکورہ آیتوں کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے اگر بقول ان وہابیوں کے جو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ عرش پر رہتا ہے تو اس عقیدہ خبیثہ شنیعہ جدیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے لیے عرش کا مکان[1] یا ظرف ہونا لازم آتا ہے تو مکان وہ ہوتا ہے جو چھ جہتوں سے مکین کو محیط ہو تو اللہ تعالیٰ پر کسی چیز کا محیط ہونا اس کا بطلان بالا سطور پر واضح ہو چکا ہے اور اگر اسے ظرف کہیں تو اس کے بطلان کو عقلی دلائل سے آگے ثابت کیا جائے گا۔

اب جس آیت سے طائفہ وہابیہ اللہ کے لیے عرش پر ہونے کا ثبوت پیش

---

[1]: مکان کی تعریف فلاسفہ نے کی ہے کہ جسم حاوی کا جسم محوی سے مس کرنا۔ اس تعریف سے اللہ تعالیٰ کا جسم ہونا لازم آئے گا اور محل حوادث ہونا لازم آئے اور یہ دونوں محال ہیں۔ (ابو العلا)

کر رہے ہیں اس پر چند تفاسیر سے حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

(۱) ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ط (القرآن)

اِسْتَوٰی یَلِیْقُ بِہٖ۔ استواء فرمایا جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔

تفسیر جلالین۔

(۲) متشابہات کی تفسیر میں سلف و خلف کے طریقہ کا بیان

قَوْلُہٗ اِسْتَوٰی یَلِیْقُ بِہٖ۔ ہٰذَا طَرِیْقَۃُ السَّلَفِ فِیْ تَفْوِیْضِ عِلْمِ الْمُتَشَابِہِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی وَطَرِیْقَۃُ الْخَلَفِ یُؤَوِّلُوْنَہٗ بِالْاِسْتِیْلَاءِ وَالْقَہْرِ وَالتَّصَرُّفِ وَاِلٰی ہٰذَیْنِ الطَّرِیْقَتَیْنِ اَشَارَ صَاحِبُ الْجَوْہَرَۃِ بِقَوْلِہٖ وَکُلُّ نَصٍّ اَوْہَمَ التَّشْبِیْہَا اَوِّلْہُ اَوْ فَوِّضْ۔ فَالْاِسْتِوَاءُ کَمَا یُطْلَقُ عَلَی الرُّکُوْبِ یُطْلَقُ عَلَی الْاِسْتِیْلَاءِ وَھُوَ الْمُرَادُ ھُنَا۔

تفسیر صاوی علی الجلالین للعلامہ احمد صاوی رحمۃ اللہ علیہ۔ فرماتے ہیں صاحب جلالین کا یہ قول کہ استواء فرمایا جیسے اس کی شان کے لائق ہے، یہ طریقہ علماء سلف کا ہے وہ اس قسم کی متشابہ آیات کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کرتے ہیں اور متاخرین کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس کی تاویل غلبہ و تسلط اور تصرف کے ساتھ کرتے ہیں اور صاحب جوہرہ نے ان دونوں طریقوں کی طرف اشارہ کیا ہے اپنے اس قول سے کہ ہر نص جو اشتباہ کا وہم ڈالتی ہو اس کی تاویل کی جائے یا اس کا علم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑا جائے۔

پس استواء کا جیسے اِستقرار ہونے پر اطلاق کیا جاتا ہے ایسے ہی غلبہ پر بھی کیا جاتا ہے اور وہ ہی مُراد یہاں ہے۔

(۳) صاحب مدارک التنزیل جلدسوم میں، اس آیت کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں۔

اِسْتَوَلٰی عَلَیْہِ بِاِحْدَاثِہٖ - اللہ تعالیٰ کا امرعرش کی تخلیق پر غالب ہوا۔ اسی آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تفسیر روح البیان میں یوں بیان کرتے ہیں۔

اَصْلُ الْاِسْتِوَاءِ اَلْاِسْتِقْرَارُ والتَّسَاوِیُ وَاِعْتِدَالُ الشَّیْئِ فِیْ ذَاتِہٖ مَتٰی عُدِّیَ بِعَلٰی اِقْتَضٰی مَعْنَی الْاِسْتِلَاءِ وَالْغَلَبَۃِ کَمَا فِی الْمُفْرَدَاتِ وَھُوَ الْمُرَادُ ھُنَا وَمَعْنَی الْاِسْتِلَاءِ عَلَیْہِ کِنَایَۃٌ عَنِ الْمُلْکِ السُّلْطَانِ وَالْمُرَادُ بَیَانُ نَفَاذِ تَصَرُّفِہٖ فِیْہِ وَدُوْنَہٗ لٰکِنَّہٗ خَصَّ الْعَرْشَ بِالذِّکْرِ بِکَوْنِہٖ اَعْظَمُ الْاَجْسَامِ --

اصل میں استواء کا معنی قرار پکڑنا اور برابر ہونا اور کسی چیز کا اپنی ذات میں معتدل ہونا ہے اور جب اس پر علیٰ داخل ہو تو استلاء و غلبہ کے معنی کا مقتضی ہوتا ہے جیسا کہ اسے مفردات میں بیان کیا ہے اور وہی مراد یہاں ہے اور اس پر غلبہ کا معنی ملک اور تسلط سے کنایہ ہے اور مراد اس میں اور اس کے علاوہ کائنات میں نفاذ تصرف کو بیان کرنا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے عرش کے ذکر کو اس لیے خاص کیا کہ وہ تمام اجسام سے بڑا ہے۔

مذکورہ حوالجات سے ثابت ہوا کہ:

اس آیت کا یہ معنی کرنا کہ اللہ عرش پر رہتا ہے مقصد کلام الٰہی اور تفاسیر کے خلاف ہے

اس آیت کا یہ معنی لینا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر رہتا ہے یا عرش پر قائم ہے تفاسیر صحیحہ اور مقصد کلام الٰہی کے خلاف ہے اور اس معنی کی وجہ سے عقیدہ توحید میں جو مفاسد و خرابیوں کا پیدا ہونا لازم آتا ہے ان میں سے چند کا بیان مندرجہ ذیل ہے۔

اگر بقول ان کے اللہ تعالیٰ عرش پر ہے تو ان سے پوچھیں کہ عرش کو اس کا مکان کہو گے یا ظرف مکان کا محال ہونا۔ تو پیچھے ثابت ہو چکا ہے اگر ظرف کہو گے تو بتاؤ کہ وہ ظرف اللہ تعالیٰ سے چھوٹا ہے یا بڑا یا برابر۔ آخری دو کا اقرار یا اعتقاد تو صریح کفر ہے اس لیے کہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور اسی پر ہی امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ اللہ اکبر من کل شیئٍ یعنی اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور اگر کہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کو ظرف سے بڑا مانتے ہیں پھر بھی بھنور کفر سے بچ کر ان کی کشتی کنارے لگتی نظر نہیں آتی اس لیے کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالےٰ کا بعض ظرف میں ہے اور باقی اس سے بڑھا ہوا ہے تو اس سے اس ذاتِ تعالیٰ کے لیے تبعیض و تجزی لازم آگئی جس سے وہ پاک منزہ ہے۔ نیز ان سے پوچھیں کہ تم جو کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ عرش پر رہتا ہے بتاؤ کہ عرش کو قدیم مانتے ہو یا حادث اگر قدیم کہو تو تَعَدُّدُ قُدَمَاء لازم آئے گا جس کے بطلان پر اجماعِ امت اور اگر حادث کہو جیسا کہ وہ ہے تو ہر حادث مخلوق ہے اس سے یہ لازم آئے گا کہ خالق اپنے قیام کے لیے مخلوق کا محتاج ہے تو جو محتاج ہے وہ اِلٰہ الحق نہیں نیز محلِ حوادث ہونا لازم آیا جو قدیم اور ازلی کے لیے محال ہے۔ (ابو العلا)

پھر ان کو بتانا ہوگا کہ وہ قبل از حدوث عرش کہاں رہتا تھا؟ اگر کوئی اور جگہ بتائیں تو مذکورہ بطلان تو لازم آئے گا ہی، علاوہ اس کے انتقال و تغیر بھی لازم آئے گا تو جو اسے قبول کرے وہ اِلٰہُ الْحَقّ نہیں۔ یوں ہی اگر اللہ تعالیٰ کو قائم علی العرش مانیں تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ محتاج ہے اور عرش محتاج اِلَیہ' تو محتاج الیہ کا قبل از محتاج ہونا ضروری ہے تو دریں صورت مخلوق کا قبل از خالق لازم آئے گا جس کا اعتقاد صریح کفر ہے۔

تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ باب چہارم تصوف کے بیان میں اس میں تین فصلیں آئیں گی۔ فصل اوّل ضرورت تصوف کے بیان میں، دوم تصوف کی تعریف میں، سوم صوفی کی تعریف میں۔

فصل اوّل ضرورتِ تصوّف کے بیان میں

(۱) علم قرآن دو قسم پر ہے ظاہری و باطنی جیسے ظاہری علم کو حاصل کرنے کے لیے کئی طرح کے اصول و قواعد اور معانی و مطالب جاننے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح باطنی علم کو حاصل کرنے کے لیے تصوف کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔

(۲) امراض دو قسم کی ہیں جسمانی و روحانی۔ قسم اوّل کا علاج ادویات کے ذریعے کیا جاتا ہے دوم کا تصوّف کے ذریعے۔

(۳) مسلمان کو دو طرح کی طہارت حاصل کرنا ضروری ہے۔ ظاہری و باطنی ظاہری طہارت پاک پانی سے حاصل ہوتی ہے اور باطنی تصوف سے حاصل ہوتی ہے اس لیے کہ تصوف سے ایثار و خلوص ترکِ حرص اور صبر و رضا محبتِ حقیقی اور توکل علی اللہ کا درس ملتا ہے۔

(۴) اعضائے انسانی دو قسم کے ہیں ظاہری جیسے سر، چہرہ، ہاتھ، پاؤں

وغیرہ اور باطنی جیسے دل ود ماغ وغیرہ۔ تو ظاہری اعضاء کو مزین اتباع شریعت سے کیا جاتا ہے اور باطنی کو نورِ تصوّف سے۔

(۵) تصوّف کا بنیادی اُصول احسان ہے

اور احسان عبادت کی جان ہے جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے جسے حدیثِ جبریل کہتے ہیں، مذکور ہے حضرت جبریل علیہ السلام ایک دن حضور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں انسانی صورت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ کے سامنے دوزانو بیٹھ کر چند سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے جن میں سے ایک یہ تھا کہ احسان کیا ہے؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی یوں عبادت کر گویا کہ اُسے تو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اُسے نہ دیکھ سکے تو یقین جان کہ وہ تجھے دیکھتا ہے۔

اسی طرح ایک حدیث شریف جیسے حضرت سیدنا علی ہجویری داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب کشف المحجوب شریف میں روایت کیا ہے جس میں قبول تصوف کی ضرورت کو یوں بیان کیا ہے۔

مَنْ سَمِعَ صَوْتَ اَھْلِ التَّصَوُّفِ فَلَا یُؤْمِنُ کُتِبَ عِنْدَ اللّٰہِ مِنَ الْغٰفِلِیْنَ۔ جس نے اہل تصوف کا بُلاوا سنا پس اسے نہ مانا وہ عنداللہ غافلوں میں لکھا جاتا ہے۔

فقہ و تصوّف دونوں کا حاصل کرنا ضروری ہے

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرورتِ تصوف کو یوں بیان کرتے ہیں۔ مَنْ تَصَوَّفَ وَلَا تَفَقَّہَ تَزَنْدَقَ مَنْ تَفَقَّہَ وَلَا تَصَوَّفَ تَفَسَّقَ مَنْ جَمَعَ بَیْنَھُمَا تَحَقَّقَ۔

جس نے تصوف اختیار کیا اور فقہ کو حاصل نہ کیا وہ زندیق ہوا جس نے فقہ حاصل کیا اور تصوف کو اختیار نہ کیا وہ فاسق ہوا اور جس نے دونوں کو جمع کیا وہ حقیقت کو پہنچا۔ اس سے ثابت ہوا کہ شریعت اور تصوف میں کوئی اختلاف و تضاد نہیں بلکہ سالک صادق اور طالب حق کو چاہیئے کہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے فقہ و تصوف دونوں کی دامن گیری کرے اور انہیں حسب مقدور حاصل کرے۔

سیدی حضور داتا علی ہجویری بن عثمان ہجویری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کشف المحجوب شریف میں حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مبارک تصوف کے متعلق یوں بیان کرتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ نَعْتٌ یُقِیْمُ الْعَبْدَ فِیْہِ قِیْلَ نَعْتٌ لِلْعَبْدِ اَمْ لِلْحَقِّ فَقَالَ نَعْتُ الْحَقِّ حَقِیْقَۃً وَنَعْتُ الْعَبْدِ رَسْمًا۔

یعنی تصوف بندہ میں ایک ایسی صفت منقش ہے کہ بندہ اس صفت کے ساتھ ہی بندہ ٹھہرتا ہے۔ سوال ہوا کہ یہ نعت عبد ہے یا حق تعالیٰ کے لیے تو جواب میں کہا کہ حقیقتاً تصوف صفت حق تعالیٰ ہے اور صفت عبد رسماً و مجازاً ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تصوف سے انسان کو عروج و کمال حاصل ہوتا ہے۔

معنوی اعتبار سے بھی تصوف میں عظیم خوبی ہے

نیز معنوی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو تصوف میں عظیم خوبی نظر آتی ہے

اس لیے تصوف کا معنی صفائی پاکیزگی ہے جو کہ کدورت کی ضد جیسے کہ حدیث میں ہے۔ ذَهَبَ صَفْوُ الدُّنْيَا وَبَقِيَ كَدْرُهَا۔ دنیا سے پاکیزگی صفائی جاتی رہی اور کدورت باقی رہی۔

فصل دوم تصوّف کی تعریف میں

فیروز اللغات صفحہ ۲۹۳ پر تصوف کی یوں تعریف کی گئی ہے۔

(۱) تصوف صوفیوں کا عقیدہ۔

(۲) علم معرفت۔

(۳) دل سے خواہشوں کو دور کرکے خدا کی طرف دھیان لگانا۔

(۴) تزکیہ نفس کا طریقہ۔

(۵) پشمینہ پہننا۔

عربی لغات کی معروف کتاب المنجد کے صفحہ ۱۲۷ پر تصوف کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ تصوف صوفی ہونا صوفیوں جیسے اخلاق اختیار کرنا۔ الصُّوف اون جمع اصواف۔ صُوْفَةٌ اون کا ٹکڑا۔ اَخَذَهُ بِصُوْفِ رَقَبَتِهِ اس نے اسے زبردستی پکڑ لیا۔ اَلصَّوَّافُ اون کو بیچنے والا اَلصُّوْفِيَّةُ عبادت گزاروں کی جماعت واحد اَلصُّوْفِيُّ۔

اسی طرح شیخ الحدیث والتفسیر استاذ العلماء مفتی اعظم پاکستان الحاج مولانا ابوالعلا محمد عبداللہ قادری اشرفی رضوی مدظلہ العالی ناظم اعلیٰ جامعہ حنفیہ قصور نے اپنی کتاب التعریفات میں تصوف کی تعریف یوں بیان فرمائی۔ (علم التصوف)

تَعْرِيْفُهٗ۔ يُعْرَفُ بِهٖ طُرُقُ تَجْرِيْدِ الْقَلْبِ لِلّٰهِ

تَعَالٰی وَ اِحْتِقَارُ مَا سِوَی اللّٰہِ تَعَالٰی وَقَدْ نَقَلَ مَوْلَانَا الْجَامِیُّ قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِیُّ فِیْ کِتَابِہٖ نَفَحَاتُ السَّامِیِّ فِیْ اَحْوَالِ الشَّیْخِ اِبْرَاھِیْمَ بْنَ شَھْرِ یَارَ عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ اِنَّہٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَنَامِ وَسَاَلَ مَا التَّصَوُّفُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ التَّصَوُّفُ تَرْکُ الدَّعَاوِیْ وَ کِتْمَانُ الْمَعَانِیْ۔

علمِ تصوّف کی تعریف

تصوف وہ علم ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے لیے تجریدِ قلب کے طریقوں کی معرفت حاصل ہو اور ماسوا اللہ تعالیٰ سب کو ناچیز جانا جائے۔

دعوؤں کو ترک اور رازوں کو پوشیدہ رکھنا تصوّف ہے

تحقیق جامی قدس سرہ سامی نے اپنی کتاب نفحات السامی میں شیخ ابراہیم بن شہریار علیہ الرحمۃ کے حالاتِ زندگی میں بیان کیا ہے کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور پوچھا یا رسول اللہ تصوف کیا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دعوؤں کا ترک اور رازوں کو پوشیدہ رکھنا تصوف ہے۔ اسی طرح سیدنا عبد القادر جیلانی محبوب سبحانی الحسنی والحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوح الغیب میں اور سیدنا داتا علی ہجویری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کشف المحجوب میں تصوف کی تعریف میں حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول یوں بیان کرتے ہیں۔

تصوّف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے

ـــــــــ حضرت جنید بغدادی

وَالتَّصَوُّفُ مَبْنِیٌّ عَلٰی ثَمَانِ خِصَالٍ۔

(۱) اَلسَّخَاءُ لِسَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔

(۲) وَالرِّضَاءُ لِاِسْحٰقَ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔

(۳) وَالصَّبْرُ لِاَیُّوْبَ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔

(۴) وَالْاِشَارَۃُ لِذَکَرِیَّا عَلَیْہِ السَّلَامُ۔

(۵) وَالْغُرْبَۃُ لِیَحْیٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ۔

(۶) وَالصُّوْفُ لِمُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ۔

(۷) وَالسِّیَاحَۃُ لِعِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ۔

(۸) وَالْفَقْرُ لِسَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے۔ سخاوت ابراہیم علیہ السلام سے حاصل کرے۔ وہ یہ کہ راہ حق میں اپنے بیٹے تک کو فدا کر دیا اور رضائے حق تعالیٰ پر راضی رہنے میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اقتداء کرے۔ اگر اللہ کی رضا مال جان اور اولاد دینے میں ہو تو دریغ نہ کرے اور صبر ایوب علیہ السلام سے سیکھے۔ وہ یوں کہ جسم میں جسمانی پریشان کن تکلیف سے بھی اگر امتحان ہو تو بخوشی برداشت کرے اور ثابت قدم رہے اور اشارہ حضرت زکریا علیہ السلام سے سیکھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ارشاد فرمایا۔

اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ط

یہ کہ تین دن تو لوگوں سے بات نہ کرے مگر اشارہ سے اسی سورۃ دوسرے

مقام پر ارشاد فرمایا۔

اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا۔ جبکہ اس نے اپنے رب کو خفیہ طور سے پکارا۔ اور غربت یحییٰ علیہ السلام کی اقتداء میں اختیار کرے کہ وہ اپنے وطن میں اپنے آپ کو مسافر سمجھتے تھے اور رشتہ داروں عزیزوا قارب میں رہ کر سب سے بے گانے تھے۔ اور سیاحت عیسیٰ علیہ السلام کی اقتداء میں اختیار کرے کہ آپ اپنے سفر میں اس قدر مجرد تھے کہ سوائے ایک پیالہ اور کنگھی کے ہمراہ کچھ نہ رکھا تھا کہ جب ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے پانی پی رہا ہے تو اپنے پیالہ کو پھینک دیا اور جب ایک اور شخص کو دیکھا کہ وہ بالوں میں انگلیوں سے خلال کر رہا ہے تو آپ نے کنگھی کو بھی پھینک دیا۔ اور لبس صوف میں اقتداء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کرے کہ آپ کا لباس ہمیشہ صوف کا زیب تن ہوتا تھا۔

اور فقر میں اتباع سید الانبیاء حبیب کبریا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرے۔ بایں طور کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کیں اور فرمایا اے محبوب آپ کو اختیار ہے جس قدر چاہیں ان میں سے خرچ کر لیں لیکن محبوب رب ذوالجلال حضور رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کی یا الٰہ العلمین میں یہ نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز کھاؤں اور تیرا شکر بجالاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں۔

یوں ہی کشف المحجوب شریف میں تصوف کے متعلق حضرت ابوالحفص نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول بیان کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔۔

تصوّف آداب کا نام ہے

اَلتَّصَوُّفُ کُلُّہٗ آدَابٌ لِکُلِّ وَقْتٍ اَدَبٌ وَلِکُلِّ حَالٍ اَدَبٌ فَمَنْ لَزِمَ آدَابَ الْاَوْقَاتِ بَلَغَ مَبْلَغَ الرِّجَالِ وَمَنْ ضَیَّعَ الْاَدَبَ فَھُوَ بَعِیْدٌ مِنْ حَیْثُ یَظُنُّ الْقُرْبَ وَمَرْدُوْدٌ مِنْ حَیْثُ یَظُنُّ الْمَقْبُوْلَ۔

تصوف سب کا سب آداب ہے۔ ہر وقت کے لیے ایک ادب ہے اور ہر حال کے لیے ایک ادب ہے تو جس نے سب اوقات کے آداب اپنے پر لازم کر لیے وہ رجالِ کاملین کے مرتبہ کو پہنچا اور جس نے اس راہ کی رسم و ادب کو ترک کر دیا اور آداب ضائع کر دیئے وہ ان بلند درجہ والوں سے بعید ہو گیا اور گمان کرتا رہا کہ میں ان سے قریب ہوں اور وہ ان کی بارگاہ سے مردود ہو گیا حالانکہ اسے یہی گمان رہا کہ وہ قرب کے درجہ پر ہے۔

کشف المحجوب شریف میں ہی ابو الحسن نوری کا قول تصوف کے متعلق یوں نقل کیا گیا ہے:

تصوّف حسنِ اخلاق کا نام ہے

لَیْسَ التَّصَوُّفُ رُسُوْمًا وَلَا عُلُوْمًا وَلٰکِنَّہٗ اِخْلَاقٌ۔

یعنی تصوف رُسوم و عُلوم نہیں لیکن یہ ایک خاص خصلت ہے۔ بریں وجہ کہ اگر تصوف رسمی چیز ہوتی تو مجاہدہ و ریاضت سے حاصل ہو جاتا اور اگر یہ علم ہوتا تو محض تعلیم و تربیت سے حاصل ہو جاتا لہٰذا ثابت ہوا کہ تصوف ایک خصلتِ خاص کا نام ہے اور جب تک اس خصلت کو اپنے اندر پیدا نہ کرے

اس وقت تک اس کا حصول ممکن نہیں۔ اور حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ کا قول کشف المحجوب شریف میں یوں بیان کیا گیا ہے۔
اَلتَّصَوُّفُ حُسْنُ الْخُلُقِ۔ تصوف نیک خصلت کا نام ہے۔
سیدُ الاولیاء امام الاصفیاء حضرت سیدنا داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حقیقت تصوف کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

خصائلِ حمیدہ تین قسم پر ہیں

حضرت داتا صاحب

خصائل حمیدہ کی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ اوامرِ الٰہیّہ ادا کرنے میں ریاء و دکھلاوے کو دخل نہ ہو اور صرف اپنے رب کی رضا جوئی میں اداءِ فرائض ہو۔ دوسری یہ کہ لوگوں کے ساتھ نیک خصلت سے پیش آئے کہ بڑوں کی عزت اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آئے اور معاملات میں انصاف پسند ہو اور اس میں کسی قسم کا معاوضہ مطلوب نہ ہو۔ تیسری یہ کہ اپنے نفس کو ہوائے شیطانی کی متابعت سے دور رکھے اور ہر قسم کی حرص و خواہش نفسانی سے بچے۔ جو ان تینوں خصائل حمیدہ کے زیور سے اپنے آپ کو مزین کرے اور ان خوبیوں سے اپنے آپ کو متصف کرے وہ اس عظیم درجہ تصوف کو حاصل کرنے والا ہو سکتا ہے۔

اسی کشف المحجوب شریف میں حضرت ابو علی قزوینی کا قول یوں منقول ہے۔ اَلتَّصَوُّفُ هُوَالْاِخْلَاقِ الرَّضِيَّةَ۔ تصوف ایک پسندیدہ خصلت ہے۔ خصائلِ پسندیدہ وہی ہوتے ہیں کہ بندہ احوال و اوقات میں اپنے رب پر راضی رہے اور سب کام اسی کی رضا جوئی کے لیے کرے۔

اسی کشف المحجوب شریف میں ہی حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول یوں بیان کیا گیا ہے۔

اَلتَّصَوُّفُ هُوَ الْحُرِّيَّةُ وَالْفُتُوَّةُ وَ تَرْكُ التَّكَلُّفِ وَالسَّخَاءُ بَذْلُ الدُّنْيَا۔ یعنی تصوف ایک ایسی آزادی ہے کہ بندہ قیدِ حرص سے آزاد ہو جاتا ہے اور تصوف ایسی جوانمردی ہے کہ بندہ خواہشاتِ نفسانیہ سے مجرد ہو جاتا ہے اور تصوف تکلفات کا ایسا ترک کر دینا ہے کہ ہر متعلق اور مقسوم کے اندر خوش رہتا ہے اور تصوف ایک ایسی سخاوت کا نام ہے کہ دنیا کو اہل دنیا پر ہی چھوڑ دیتا اور خود بے تعلق ہو جاتا ہے۔ اب تصوف کی بلند پایا کتاب عوارف المعارف سے اہل معرفت کے چند اقوال کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

(اول) حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تصوف کی بنیاد تین خصلتوں پر ہے۔

(۱) تمسک بالفقر و محتاجی۔

(۲) صاحب بذل و ایثار ہونا۔

(۳) تعرض و اختیار کا چھوڑنا۔

(دوم)

حقائق کے حصول اور مخلوق کے مال و متاع سے ناامید ہونا تصوف ہے

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تصوف حقائق کا حصول اور خلائق کے مال و متاع سے ناامید ہونا ہے اور جو شخص صاحب فقر نہیں وہ

صاحب تصوف نہیں۔

(سوم) ادنیٰ خلق کو چھوڑ کر اعلیٰ کو اختیار کرنا تصوّف ہے

شیخ ابو محمد جریری رحمتہ اللہ علیہ سے تصوف کے متعلق سوال ہوا تو کہا تصوف
پر ادنیٰ خلق کو چھوڑنا اور اعلیٰ خلق کو اختیار کرنا ہے۔

چہارم: بعض صوفیاء کرام کا قول ہے کہ تصوف کا اوّل علم اور اوسط
عمل اور آخر اس کا عطا من اللہ ہے۔

پنجم: بعض صوفیاء کرام کا یہ قول ہے کہ تصوف ذکر با جماعت اور
وجد با سماعت اور عمل با طبیعت ہے۔

ششم: بعض صوفیاء کرام کا یہ قول ہے کہ تصوف ترک تکلف اور
بذلِ روح کا نام ہے۔

ہفتم: حضرت رویم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے کہ تصوف یہ ہے
کہ نفس کو اللہ کے ساتھ اس کی رضا پر چھوڑ دیا جائے۔

حضرت غوث اعظم رض کا تصوّف کے متعلق ارشاد

اسی طرح فتوح الغیب میں حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی غوث صمدانی
رضی اللہ عنہ نے تصوف کو یوں بیان کیا ہے۔

فِی التَّصَوُّفِ دَعَلیٰ اِیِّ شَیْءٍ مَبْنَاہُ۔ قَالَ رَضِیَ اللّٰہُ
تَعَالیٰ عَنْہُ وَ اَرْضَاہُ اُوْصِیْکَ بِالتَّقْوَی اللّٰہِ وَطَاعَتِہٖ وَلُزُ
وْمِ ظَاہِرِ الشَّرْعِ وَسَلَامَۃِ الصَّدْرِ وَسَخَاءِ النَّفْسِ
وَبِشَاشَۃُ الْوَجْہِ وَبَذْلِ النَّدٰی وَکَفِّ الْاَذٰی وَحَمْلِ

الْاَذٰی وَالْفَقْہِ وَحِفْظِہٖ حُرُمَاتِ الْمَشَائِخِ وَالْعُسْرَۃِ مَعَ الْاِخْوَانِ وَالنَّصِیْحَۃِ بِلْاَصَاغِرِ وَالْاَکَابِرِ وَتَرْکِ الْخُصُوْمَۃِ وَالْاِرْفَاقِ وَمُلَازِمَۃِ الْاِیْثَارِ وَمُجَانِبَۃِ الْاِدْخَارِ وَتَرْکِ صُحْبَۃِ مَنْ لَیْسَ مِنْ طَبْقَتِہِمْ وَالْمُعَاوِنَۃِ فِیْ اَمْرِ الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا۔

تصوف کے بیان میں اور جس پر تصرف کی بنیاد ہے۔ کہا اس نے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور اس نے اسے راضی کیا میں تجھے اللہ سے ڈرنے اور اس کی فرمانبرداری اور شریعت کے ظاہر پر عمل کرنے اور دل کو برے ارادوں سے سلامت رکھنے اور سخی دل ہونے اور بشاش چہرہ رہنے اور ایثار میں کوشش کرنے اور اذیت نہ پہنچانے اور خود اذیت پر صبر کرنے اور فقر اختیار کرنے اور مشائخ کی حرمتوں کی حفاظت کرنے اور بطور ہمدردی مسلمان بھائیوں کی تنگی و تکلیف میں شامل ہونے اور چھوٹے بڑوں سے خیر خواہی کرنے اور جھگڑے فساد کو چھوڑنے اور شفقت کرنے اور ہمیشہ ایثار کرنے اور خوراک ذخیرہ نہ کرنے اور ایسوں کی صحبت کو ترک کرنے جو ان کے ہم مشرب نہیں اور دین و دنیا کے کاموں میں لوگوں سے معاونت کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اسی طرح محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول تصوف کے متعلق یوں ہے۔

اَلتَّصَوُّفُ خُلُقٌ فَمَنْ زَادَ عَلَیْکَ فِی الْخُلُقِ زَادَ عَلَیْکَ فِی التَّصَوُّفِ۔ (کشف المحجوب)

تصوف نیک خصلت ہے تو جو نیک خصلت میں تجھ سے بڑھا ہوا ہے وہ تصوف میں بھی تجھ سے اسی قدر زیادہ ہے۔ حضرت ابو عمر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ کا

قول کشف المحجوب شریف میں یوں بیان ہوا ہے۔
اَلتَّصَوُّفُ رُؤْيَةُ الْكَوْنِ بِعَيْنِ النَّقْصِ بَلْ غَضِّ الطَّرْفِ عَنِ الْكَوْنِ۔ تصوف یہ ہے کہ عالم کو بنظرِ نقص وحدوث دیکھے بلکہ وجودِ عالم سے آنکھ کو بند کرلے۔

اسی میں حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول تصوف کے متعلق یوں بیان کیا گیا ہے۔ اَلتَّصَوُّفُ صَفَاءُ السِّرِّ مِنْ كُدُوْرَةِ الْمُخَالَفَةِ۔
تصوف نام ہے مخالفتِ حق کی کدورت سے دل کو پاک رکھنے کا۔
کشف المحجوب میں ہی حضرت ابن الجلاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس طرح بیان ہوا ہے۔ اَلتَّصَوُّفُ حَقِيْقَةٌ لَا رَسْمَ لَهُ۔ تصوف ایسی حقیقت کا نام ہے جس کی تعریف رسمی نہیں ہوسکتی اس لیے کہ رسم مخلوق کا وہ حصہ ہے جو معاملات میں مستعمل ہوتا ہے۔

تصوّف خاصۂ الٰہیّہ ہے

تصوف حقیقت میں خاصہ الٰہیہ ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کیونکہ جب تصوف مخلوقات سے اعراض کرنے کو کہا جاتا ہے تو لا محالہ اس کے لیے رسم و رواج مخلوقی سے جُدا ہونا ضروری ہے۔ اب یہاں پر اہلِ ایمان سے جو ابھی اہلِ معرفت کے حوالہ جات سے تصوف کی تعریف لکھی گئی ہے اس میں غور و خوض کے بعد انصاف کا مقتضی ہوں کہ یہ قرآن و سنت کے مطابق ہے یا بقولِ نجدیہ مخالف اس کی بنیاد قرآن و سنت پر استوار ہے یا بقول نجدیہ جہالت پر۔ اس پر عمل سے قرب الٰہی کی توقع ہوسکتی ہے یا بقول نجدیہ دوری کی؟ یہ میرے ایمان کا فیصلہ ہے کہ اہلِ ایمان کو از روانصاف تصوف کی خوبیوں اور اچھائیوں کو ماننا

پڑے گا اور اس راستے کو عنداللہ حق ماننا پڑے گا اس لیے کہ یہ ان نفوس قدسیہ کا راستہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان ہوا۔

فصل سوم صوفی کی تعریف میں یہاں پر وضاحت کرتا چلوں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ صوفی موصوف ہے اس کا بیان کو مؤخر کیا گیا ہے اور تصوف صفت ہے جس کے بیان کو مقدم کیا گیا حالانکہ موصوف کا ذکر صفت سے مقدم ہونا چاہیئے اس لیے کہ صفت اپنے موصوف کے تابع و متعلق ہوتی ہے اور موصوف متبوع و متعلق بہ ہوتا ہے۔ نیز صفت اپنے قیام کے لیے موصوف کی محتاج ہوتی ہے تو بریں وجہ موصوف کا ذکر صفت سے مقدم ہونا چاہیئے تھا تو جواباً کہتا ہوں کہ جیسے قبل ازیں تصوف کی تعریف میں بیان ہو چکا ہے کہ تصوف حقیقتاً صفت عبد نہیں بلکہ صفت الٰہیہ ہے لہٰذا اسی کی عظیم شان و مرتبہ کے پیش نظر اسے مقدم کیا گیا۔

یہاں ایک وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی یہ کہے اگر تصوف صفتِ الٰہیہ ہے تو یہ منقول ہو کر مخلوق میں کیسے آئی حالانکہ صفاتِ الٰہیہ کا منقول ہونا ممکن نہیں تو جواباً کہہ دیتا ہوں کہ تصوف جو مخلوق کی صفت ہے یہ وہ عین صفت حق تعالیٰ نہیں بلکہ اس کی تاثیر و پرتو ہے۔ اب مذکورہ موضوع کے متعلق حوالہ جات پیش خدمت ہیں۔

مخدوم الاولیاء حضرت سیدنا داتا علی بن عثمان ہجویری ثم لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے اپنی شہرہ آفاق کتاب کشف المحجوب شریف میں صوفیا کی تعریف میں حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول یوں بیان کیا ہے۔

صوفیاء وہ ہیں جن کی ارواح کدورت سے مجلّٰہ ہو چکی ہوں

اَلصُّوْفِيَّۃُ هُمُ الَّذِيْنَ صَفَتْ اَرْوَاحُهُمْ فَصَارُوْا فِیْ صَفِّ الْاَوَّلِ بَيْنَ يَدَیِ الْحَقِّ۔ صوفی وہ ہیں جن کی ارواح کدورتِ بشریہ سے مجلہ ہو چکی ہوں اور تمام آفاتِ نفسانیہ سے پاک ہو کر حرص و ہوائے شہوانیہ سے خلاص پا کر دربارِ الٰہی میں صفِ اوّل کے اندر درجہ تقرب پر فائز ہوں اور ماسوائے اللہ سے بعید ہو چکی ہوں۔

اسی مذکورہ کتاب میں ہی ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور قول یوں بیان کیا گیا ہے۔

صوفی نہ کسی کا مالک ہوتا ہے نہ مخلوق میں سے کسی کی مِلک

اَلصُّوْفِیُّ الَّذِیْ لَا يَمْلِكُ وَلَا يُمْلَكُ۔ صوفی وہ ہے جو نہ کسی کا مالک ہو اور نہ کسی کی مِلک۔ یعنی وہ دنیا اور اہلِ دنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ کشف المحجوب میں ہی حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول صوفی کی تعریف میں یوں لکھا گیا ہے۔

اَلصُّوْفِیُّ اِذَا نَطَقَ بَانَ نُطْقُهٗ بِالْحَقَائِقِ وَاِنْ سَكَتَ نَطَقَتْ عَنْهُ الْجَوَارِحُ بِقَطْعِ الْعَلَائِقِ۔

صوفی وہ ہے کہ جب کلام کرے تو اس کا کلام اس کی حقیقت کا مظہر ہو اور ایسی کوئی بات نہ کہے جو اس میں نہ ہو۔ اور جب وہ خاموش رہے تو اس کی خاموشی اس کے حال کی ترجمان ہو اور علائق دنیا وی سے بے تعلقی کا ثبوت اس کے اعضا سے واضح ہو یعنی گفتار صوفی اس کے حسبِ حال ہو اور کردار

صوفی میں شان تجرید اس قدر ہو کہ قطع دنیا اس سے واضح نظر آئے۔
حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معروف کتاب عوارف المعارف کے چوتھے باب میں حال صوفیاء کے متعلق ایک حدیث اور اپنا اظہار خیال کرتے ہیں جس کا ترجمہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

سینہ کو کینہ اور کسی کی بدخواہی سے پاک رکھ' الحدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میرے فرزند اگر تو صبح اور شام ایسی کر سکے کہ تیرے دل میں کسی کی طرف سے کینہ اور بدخواہی نہ ہو تو کر۔ اس کے بعد فرمایا اے میرے فرزند یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت کو جلایا تو اس نے مجھے جلایا اور جس نے مجھے جلایا وہ میرے ساتھ بہشت میں ہوگا۔

صاحب کتاب علیہ رحمۃ فرماتے ہیں۔ اور بڑا شرف اور کمال فضل ہے جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم نے اس کے حق میں دی ہے جس نے اس کی سنت کو جلایا تو یہ صوفیہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اس سنت کو جلایا اور سینوں کے کینہ اور بدخواہی سے صفائی ان کے کام کی بنا ہے بلند ہے اور اس سے جوہر ان کا ظاہر ہوگیا اور فضیلت ان کی روشن ہوگئی اور وجہ اس کی یہ کہ وہ اس کے احیاء پر قادر ہوئے اور اس کے حق واجب کے ساتھ مستعد ہوگئے اس کی وجہ صرف یہ ہی ہے کہ انہوں نے دنیا میں زہد اختیار کیا اور دنیا کو دنیا داروں اور اس کے طالبوں پر چھوڑ دیا اس واسطے کہ کینہ اور نفاق کا اٹھان دنیا اور اہلِ دنیا کے نزدیک رفعت اور منزلت کی محبت ہے اور صوفیاء نے اس بارے میں بالکل بے پروائی اور بے رغبتی اختیار کی۔

اس مسطورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ صوفیا کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے قرب الہٰی اور رفعت درجات کا سبب صفائی قلب و تزکیہ نفس اور دنیا کے مال متاع سے عدم محبت اور اہل دنیا کی طرف عدم توجہ ہے اسی کی تائید حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث سے بھی ہوتی ہے جیسے سیدنا و مخدومنا حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب شریف میں اس طرح بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارثہ سے فرمایا۔

تُو نے صبح کیسی کی؟ حارثہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ کا استفسار

كَيْفَ اَصْبَحْتَ يَا حَارِثَةُ قَالَ اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا بِاللّٰهِ حَقًّا فَقَالَ اُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ يَا حَارِثَةُ اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ حَقِيْقَةً فَمَا حَقِيْقَةُ اِيْمَانِكَ فَقَالَ عَزَلْتُ وَحَرَّفْتُ نَفْسِيْ عَنِ الدُّنْيَا فَاسْتَوٰى عِنْدِيْ حَجْرُهَا وَذَهَبُهَا وَفِضَّتُهَا وَمَدَرُهَا فَاسْهَرْتُ لَيْلِيْ وَاَظْمَاْتُ نَهَارِيْ حَتّٰى صِرْتُ كَاَنِّيْ اُنْظُرُ اِلٰى عَرْشِ رَبِّيْ بَارِزًا وَكَاَنِّيْ اُنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ وَيَتَزَاوَرُوْنَ فِيْهَا وَكَاَنِّيْ اُنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ النَّارِ يَتَضَاغَوْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ يَتَعَادَوْنَ۔

اے حارثہ آج تم نے کیسی صبح کی۔ حارثہ بن زید رضی اللہ عنہ نے عرض

کی، میں نے آج سچا مومن ہونے کی حالت میں صبح کی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حارثہ غور کر کیا کہہ رہے ہو۔ یاد رکھو ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور ہر دعویٰ پر ایک دلیل ۔ بتا تیرے ایمان کی کیا حقیقت ہے اور تیرے دعویٰ کی کیا دلیل ہے؟

عرض کی میں اپنی ذات کو دنیا سے علیحدہ کر لیا اور میں نے اپنا منہ دنیا سے موڑ لیا۔ اب میری نظر میں پتھر سونا چاندی اور کنکر کوڑا سب برابر ہیں۔ اور جب دنیا و مافیہا سے آزاد ہو چکا تو اس درجہ پر پہنچا کہ آج میں شب روز کی بھرپور عبادت سے بلند مقام پر فائز ہوا کہ گویا میں رب العلیٰ کے عرش بریں کا بلا حجاب مشاہدہ کر رہا ہوں اور گویا میں اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں وہ سیر و تفریح میں ہیں اور گویا کہ میں جہنمیوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ تڑپ رہے ہیں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ وہ آنکھ پھاڑ پھاڑ کر جہنم میں دیکھ رہے ہیں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا۔ عَرَفْتَ تو نے جان تو لیا۔ فَالْزِمْ پس اب اس حال کی محافظت کر۔

فائدہ مذکورہ بالا حدیث پاک میں کمال ایمان اور قوی حال کی دلیل دنیا کی عدم محبت اور اس کے غم و فکر سے آزاد ہونا دی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تصدیق ارشاد فرمایا کہ اس حال کی محافظت کر اور اس مقام کو ہاتھ سے جانے مت دو۔ اس سے صوفیاء کرام کی تعلیم و معمول کی بھی تصدیق و تائید ہوتی ہے جو دنیا سے عدم محبت اور اس کے غم و فکر سے آزادی اور عبادت ریاضت میں مصروفیت اور خلوص و تقویٰ کو بنیادی حیثیت دیتے ہیں۔ اب مذکورہ بیان کے مطابق ہی صوفی کی تعریف میں حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ملاحظہ فرمائیں۔

صوفی وہ ہے کہ نہ طلب اسے تھکائے اور نہ سلب اسے جگہ سے ہلائے یعنی وہ حضرات طلبِ حق و طلب خیر سے نہ تھکتے ہیں اور نہ بے نیاز ہوتے ہیں اور اگر دنیاوی مال واسباب ان سے ضائع وسلب ہو جائے تو ان کے پایۂ استقلال کے لیے باعث تنزلزل اور ہمتِ عالی کے لیے باعثِ مایوسی نہیں بنتے۔

اسی طرح سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس کی تعریف میں یوں ہے۔ صوفی وہ ہے جو کدورت سے پاک اور شوق و مستی میں سرشار ہو اور آدمیوں سے منقطع ہو کر اللہ کی طرف رجوع لائے اور دنیا سے اس طرح بے تعلق ہو کہ سونا مٹی اس کے نزدیک برابر ہو۔

شیخ الحدیث والتفسیر شیخ جامع حنفیہ الحاج

ابوالعلاء مولانا محمد عبداللہ قادری اشرفی رضوی

کا مصنف پر اظہارِ شفقت بصورتِ دعا

فخر العلماء والصلحاء ورئیس المتصوفین علامہ محمد محبت علی خاں صاحب قادری دامت برکاتہم العالیہ لاہور نے مقام تصوف کو اس طریقہ سے بیان فرمایا۔

مولیٰ تعالیٰ ان کو اپنے محبوب اکرم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقۂ جلیلہ میں صحیح معنی میں بحرِ تصوف کی شناوری عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

ماشاء اللہ

از فقیر ابوالعلا محمد عبداللہ قادری قصور

باب پنجم وحدۃ الوجود کے بیان میں

فصل اوّل، وحدۃ الوجود کے متعلق آیات کے بیان میں۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ (سورۃ نور پارہ ۱۸) وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (سورۃ البقرہ پارہ ۱) اور مشرق و مغرب سب اللہ ہی کا ہے تو تم جدھر منہ کرو ادھر وَجْہُ اللّٰہِ (اللہ کی رحمت تمہاری طرف متوجہ) ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ وسعت والا علم والا ہے۔

وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (سورۃ الذریٰت پ ۲۶) ترجمہ: اور خود تم میں ہے تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں، وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ اور ہم دل کی رگ سے بھی اس کے زیادہ نزدیک ہیں۔

مذکورہ بالا آیات سے مندرجہ ذیل مرادیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات ہر جگہ اور ہر چیز میں موجود ہیں۔

(۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا ظہور اور ان کی تاثیر ہر چیز میں موجود ہے۔

انسان اللہ کی معرفت کا مظہر ہے

(۳) یہ کہ انسان کا اپنا وجود ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت کا مظہر ہے۔

(۴) یہ کہ اللہ تعالیٰ از روے علم و قدرت و تصرف انسان کے اتنا قریب تر ہے کہ اس کی عقل بھی اندازہ نہیں کر سکتی۔

فصل دوم: وحدۃ الوجود کے متعلق تفاسیر سے حوالہ جات میں۔

(اوّل) صاحب تفسیر مدارک التنزیل امام عبداللہ بن احمد نفسی رحمۃ

اللہ علیہ اس آیت اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تفسیریں بیان کرتے ہیں۔

وَالْمَعْنٰی ذُوْ نُوْرِ السَّمٰوٰتِ۔ وَنُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْحَقُّ شَبَّهَهٗ بِالنُّوْرِ فِیْ ظُهُوْرِهٖ وَبَیَانِهٖ كَقَوْلِهٖ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ۔ اَیْ مِنَ الْبَاطِلِ اِلَى الْحَقِّ وَاَضَافَ النُّوْرَ اِلَیْهِمَا لِلدَّلَالَةِ عَلٰی سِعَةِ اِشْرَاقِهٖ وَفَشُوْ اِضَاءَتِهٖ حَتّٰی تَضِیْئُ لَهٗ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَجَازَ اَنِ الْمُرَادُ اَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِنَّهُمْ یَسْتَضِیْئُوْنَ بِهٖ۔

اور نور کا معنی یہاں ذُو نور السمٰوات یعنی آسمانوں اور زمین کے نور والا اور آسمانوں اور زمین کا نور حق ہے اسے نور سے تشبیہ اس کے ظہور اور واضح ہونے کی وجہ سے دی جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ اللہ والی ہے ایمان والوں کا انہیں اندھیریوں سے نور کی طرف لاتا ہے یعنی باطل سے حق کی طرف لاتا ہے اور ان دونوں کی طرف اضافت اس کی وسعت چمک اور روشنی کے پھیلاؤ کی وجہ سے کی گئی تھی کہ اس کے لیے آسمان اور زمین روشن ہو گئے اور یہ بھی جائز ہے کہ آسمانوں اور زمین سے مراد اس پر رہنے والے ہوں اس لیے کہ وہ اس نور حق سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔

(دوم) اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

اسمِ نور کی تفسیر

قَالَ الْاِمَامُ الْغَزَالِیُّ قُدِّسَ سِرُّهٗ فِیْ شَرْحِ الْاِسْمِ

النُّوْرُ هُوَ الظَّاهِرُ الَّذِیْ بِہٖ کُلُّ ظُهُوْرٍ فَاِنَّ الظَّاهِرَ فِیْ نَفْسِهٖ اَلْمُظْهِرُ لِغَیْرِهٖ یُسَمّٰی نُوْرٌ وَمَهْمَا قُوْبِلَ الْوُجُوْدُ بِالْعَدَمِ کَانَ الظُّهُوْرُ لَا مَحَالَةَ لِلْوُجُوْدِ وَلَا ظَلَامَ اَظْلَمُ مِنَ الْعَدَمِ فَالْبَرِیْئُ مِنْ ظُلْمَةِ الْعَدَمِ اِلٰی ظُهُوْرِ الْوُجُوْدِ جَدِیْرٌ بِاَنْ یُّسَمّٰی نُوْرٌ وَالْوُجُوْدُ نُوْرٌ فَائِضٌ عَلَی الْاَشْیَاءِ کُلِّهَا مِنْ نُوْرِ ذَاتِهٖ فَهُوَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَکَمَا اِنَّهٗ لَا ذَرَّةَ مِنْ نُوْرِ الشَّمْسِ اِلَّا وَهِیَ دَالَّةٌ عَلٰی وُجُوْدِ الشَّمْسِ النَّیِّرَةِ فَلَا ذَرَّةَ مِنْ وُجُوْدِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا اِلَّا وَهِیَ لِجَوَازِ وُجُوْدِهَا دَالَّةٌ عَلٰی وُجُوْبِ وُجُوْدِ مُوْجِدِهَا۔ (تفسیر روح البیان، جلد ۶)

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسم نور کی شرح میں کہا کہ نور وہ ایسا ظاہر ہے جس کے ساتھ سب کا ظہور ہے پس بلا شبہ جو اپنی ذات میں ظاہر ہو وہ اپنے سے علاوہ کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے اسی کا نام نور ہے اور جو عدم سے وجود میں لایا گیا تو لامحالہ اس کا ظہور وجود کے لیے ہوا اور کوئی بڑا اندھیرا بھی عدم کے اندھیرے سے بڑا نہیں تو جو عدم کی ظلمت سے مبرّ ہے کہ اس کا ظہور وجود کیلئے ہو زیادہ لائق ہے کہ اس کا نام نور رکھا جائے اور وجودِ نور فیض پہنچانے والا تمام اشیاء کو نور ذات تعالیٰ سے لے کر پس وہ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ پس جیسا کہ نور شمس کا کوئی ذرہ نہیں مگر وہ شمس کے روشن وجود پر دلالت کرتا ہے اسی طرح آسمانوں اور زمین کے وجود اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کوئی ذرہ ایسا نہیں، مگر وہ اپنے ممکن وجود کے ساتھ دلالت کرتا ہے اپنے موجد کے وجوب وجود پر۔

(سوم) وَجَوَّزَ بَعْضُ الْمُحَقِّقُوْنَ کَوْنَ الْمُرَادُ مِنَ النُّوْرِ

فِي الْآيَةِ الْمُوْجِدِ كَأَنَّهُ قِيلَ اللّٰهُ مُوْجِدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَوَجْهُ ذَالِكَ بِأَنَّهُ مَجَازٌ مُرْسَلٌ بِاعْتِبَارِ لَازِمِ مَعْنَى النُّوْرِ وَهُوَ الظَّاهِرُ بِنَفْسِهِ الْمُظْهِرُ لِمَا سِوَاهُ وَالْمُسْتَعَارُ لَهُ الْوَاجِبُ الْوُجُوْدِ الْمُوْجِدُ لِمَا عَدَاهُ۔

(تفسیر روح المعانی، جلد ۱۷)۔

اور بعض محققین نے اسے جائز کہا ہے کہ اس آیت میں نور سے مراد ذاتِ موجد ہو، گویا کہ یوں کہا گیا کہ اللہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اور وجہ اس کی یہ کہ وہ مجاز مرسل ہے باعتبار لازم معنی نور اور نور وہ ہے جو اپنی ذات میں روشن ہو ما سوا کو روشن کرنے والا ہو اور مستعار لہ ' ذات ' واجب الوجود ہے جو اپنے سوا سب کا موجد ہے۔

واقفِ اسرار ربانی عارف باللہ شیخ اکبر ابنِ عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ کے زیرِ تفسیر فرماتے ہیں۔

تَمْثِيْلٌ لِلْقُرْبِ الْمَعْنَوِيِّ بِالصُّوْرَةِ الْحِسِّيَّةِ الْمُشَاهَدَةِ وَاِنَّمَا كَانَ اَقْرَبَ مَعَ عَدَمِ الْمُسَافَةِ بَيْنَ الْجُزْءِ الْمُتَّصِلِ بِهِ وَبَيْنَهُ لِاَنَّ اِتِّصَالَ الْجُزْءِ بِالشَّيْءِ يَشْهَدُ بِالْبَيْنُوْنَةِ وَالْاِثْنَيْنِيَّةِ الرَّافِعَةِ لِلْاِتِّحَادِ الْحَقِيْقِيِّ وَمَعِيَّتُهُ وَقُرْبُهُ مِنْ عَبْدِهِ لَيْسَ كَذَالِكَ فَاِنَّ هُوِيَّتَهُ وَحَقِيْقَتَهُ الْمُنْدَرِجَةَ هُوِيَّتِهِ وَتَحَقُّقُهُ لَيْسَ غَيْرَهُ بَلْ اِنَّ وُجُوْدَ الْمَخْصُوْصِ الْمُعَيَّنِ اِنَّمَا هُوَ بِعَيْنِ حَقِيْقَتِهِ الَّتِيْ هِيَ الْوُجُوْدُ مِنْ حَيْثُ هُوَ وُجُوْدٌ وَلَوْلَاهُ لَكَانَ عَدَمًا صِرْفًا وَلَاشَيْئًا مَحْضًا فَحَبْلٌ غَايَةُ الْقُرْبِ الصُّوْرِيِّ

اَیِ الْاِتِّصَالَ بِالْجُزْئِیَّۃِ الَّذِیْ لَا اِتِّصَالَ الشَّیْءُ مِنْہُ فِی الْاَجْسَامِ لَحُوْقِہٖ لِسَبَبِ حَیَاۃِ الشَّخْصِ ھٰذَا اَتَمَّ مِنْہُ بِبَقَائِہٖ ثُمَّ بَیَّنَ اَقْرَبِیَّتَہٗ لِیَنْتَفِیَ الْقُرْبَ بِمَعْنَی الْاِتِّصَالِ وَالْمُقَارِنَۃِ کَمَا قَالَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْہِ السَّلَامُ ھُوَ مَعَ کُلِّ شَیْءٍ لَا بِمُقَارِنَۃٍ اِذَا الشَّیْءُ بِہٖ ذَالِکَ الشَّیْءُ وَبِدُوْنِہٖ لَیْسَ شَیْئًا حَتّٰی یُقَارِنَہٗ۔ (تفسیر ابن عربی جزء ۲، صفحہ ۵۲۷)

قرب معنوی کی مثال قرب حسی صوری سے

یعنی اس آیت میں قرب معنوی کے لیے تمثیل قرب صوریہ حسیہ کے ساتھ دی گئی ہے اور البتہ اس کا انتہائی قرب مع العدم مسافت ہے اس کے اور جو جزء اس سے متصل ہے اس کے درمیان اس لیے کہ بلاشبہ کسی چیز سے اتصال جزء اس کی جدائی و دوئی پر دلالت کرتا ہے جو کہ اتحاد حقیقی کا ارتفع و انقطاع کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے قرب و معیت ایسے نہیں پس تحقق اس کی ذات اور حقیقت اس میں ہی موجود ہے اور اس کا تحقق اس سے علاوہ نہیں بلکہ بے شک اس کا وجود مخصوص و معین وہی عین حقیقت کے ساتھ ہے وہ جو وجود ہے اس حیثیت سے ہے کہ وہ وجود واجب ہے کہ اگر وہ نہ ہو تو لازماً عدم صرف ہوتا اور لاشئ محض ہوتا۔
پس جل غایت قرب صوری ہے یعنی اتصال جزئیت ایسا کہ کوئی چیز اجسام میں سے اس سے زیادہ متصل نہ ہو۔ یہ بھی کہ وہ شخص کی حیات کا سبب ہوتا ہے یہ شخص اس سے اپنی بقاء کے لیے پورا ہوتا ہے پھر اپنی اقربیت کو بیان کیا تاکہ قرب بمعنی اتصال و مقارنت منتفی ہو جائے جیسے کہ حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے وہ سب چیز کے ساتھ ہے بحیثیت مقارنت نہیں جب کہ شئ اسی کے وجود سے ہی اس شئ

کا وجود ہے اور اس کے سواء وہ شئے ہی نہیں کہ اس سے مقارنت حاصل کرے۔

علامہ سید محمود الالوسی البغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی تفسیر یوں فرماتے ہیں۔

اَیْ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ حُکِیَ ذَالِکَ عَنْ بَعْضِہِمْ اَیْضاً۔ (تفسیر روح المعانی جزء ۲۶ صـ ۱۷۹)

معنی اس کا یہ ہے کہ ہم اس سے اس کی روح سے بھی زیادہ قریب ہیں اور بعض علماء سے یہی اس کا معنی حکایت کیا گیا ہے۔

شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی زیر تفسیر فرماتے ہیں۔

وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ مِنْ اَنْوَارِ تَجَلِّیَاتِھَا۔ (تفسیر ابن عربی جزء ۲ ص ۵۴۳) صاحب تفسیر کہتے ہیں کہ اس آیت کا معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے انوار تمہارے وجود میں موجود ہیں اگر غور کرو تو انہیں ضرور پاؤ گے۔

(فصل سوم) وحدۃ الوجود کے متعلق حدیث اور اس کی شرح کے بیان میں۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ فَکُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا۔ اِلٰی اٰخِرِہٖ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے میرے ولی

سے عداوت کی میں اسے اعلان جنگ دیتا ہوں اور میرے کسی بندہ کا بمقابلہ فرائض عبادتوں کے کسی دوسرے ذریعہ سے قریب ہونا مجھے زیادہ پسند نہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں پھر جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔

جہاں مذکورہ بالا حدیث قدسی میں اولیاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان و عظمت اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبولیت و محبوبیت کا ذکر ہے وہاں اہل سنت والجماعت کے عقائد کی بھی تائید ہوتی ہے۔

(اولاً) اس میں اللہ تعالیٰ نے ولی کی نسبت اپنی طرف کی فرمایا لِیْ وَلِیًّا یعنی میرا ولی تو ولی کے معانی میں سے ایک معنی دوست اور پیارا بھی ہے اور پھر فرمایا حَتّیٰ اَحْبَبْتُہٗ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اب ان دونوں جگہوں میں اللہ تعالیٰ دوستی و محبت کی نسبت اپنی طرف کی ہے تو محبت میں وحدت معنوی موجود ہوتی ہے۔ سچے دوست کو دوست کی ہر تکلیف ناپسند و ناگوار ہوتی ہے اور دوست کے دوست کو بھی دوست جانا جاتا ہے اور اس کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھا جاتا ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ارشاد ہوا مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ۔

اللہ اپنے ولی کے دشمن کو اعلانِ جنگ دیتا ہے

جس نے میرے ولی سے عداوت کی میں اسے اعلان جنگ دیتا ہوں۔

(ثانیاً) ولی بمعنی قریب بھی ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں فرمایا کہ ولی تب

بنتا ہے جب کہ وہ قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے نیز جب ولی کا قرب
اللہ تعالیٰ سے ثابت ہوا تو یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ یہ قرب کس نوعیت کا ہے اس
لیے کہ قرب و بُعد زمانی و مکانی سے اللہ جلّ شانہٗ متصف نہیں ہوسکتا، کیوں کہ
قرب مکانی جسم کو متلزم اور قرب زمانی تغیرات تجدات کو متلزم ہے تو اللہ تعالیٰ ان سے
پاک و منزہ و مبرا ہے تو لہٰذا یہاں قرب سے مندرجہ ذیل مرادیں مناسب ہیں۔

معنی قرب کا بیان

(اوّل) قرب سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت کے قریب ہونا ہے جیساکہ قرآن
مجید میں ارشاد ہے۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔
بلاشبہ اللہ کی رحمت نیک کاروں سے قریب ہے۔
(دوم) قرب سے مُراد اللہ تعالیٰ کی توجہ خاص۔
(سوم) اللہ تعالیٰ کی رضا سے قریب ہونا جیساکہ قرآن پاک میں وَاسْجُدْ
وَاقْتَرِبْ یعنی اللہ کے لیے سجدہ کر اور اس کی رضا سے قریب ہو۔
(چہارم) قرب سے مُراد یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مؤثرہ سے قریب ہونا جیسا
مذکورہ حدیث قدسی میں ارشاد تعالیٰ ہے کہ میں اپنے مقبول بندہ کے کان آنکھیں
ہاتھ پاؤں ہوجاتا ہوں جن سے وہ تصرف کرتا ہے اس سے مراد یہ ہی ہے کہ جب بندہ
دنیاوی علائق سے دور ہوجاتا ہے اور نفسانی و شہوانی حجابات کو اُٹھا کر اللہ تعالیٰ
کا قرب حاصل کرلیتا ہے تو اللہ کی صفات اس کی طرف متوجہ ہوجاتی ہیں تو اللہ
تعالیٰ کی عطا سے اس میں اس قدر اثر کرجاتی ہیں وہ اللہ کی قدرت کا مظہر بن جاتا
ہے اس سے وہ کام ہونے لگتے ہیں جو انسانی عقل و فہم سے وراء و بالاتر ہوتے ہیں ان
کا نام ہی خوارقِ عادات و کرامات ہے۔ اب قرب معنوی جس کا بیان ابھی بالا سطور

پر ہوا ہے اس کے اثر و تاثیر کی وضاحت کے لیے اس کی مثال قرب حسی کے ساتھ دی
جاتی ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی رہے چنانچہ تجربات و مشاہدات سے یہ ثابت ہے کہ جب
دو چیزوں کا آپس میں قرب و اتصال ہوتا ہے تو جس کی صفت زیادہ مؤثر و قوی ہو
تو دوسری میں اس کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے جیسا کہ لوہا، پیتل یا تانبا یا پتھر کو آگ میں
ڈال دیں تو آگ کی صفت حرارت ان میں بھی اس قدر اثر کر جائے گی کہ یہ بھی آگ
جیسے کام کرنے لگیں گے جو چیز بھی ان سے قریب ہو گی اگر جلنے کے قابل ہے تو اسے
جلا ڈالیں گے اور اگر حرارت قبول کرنے کے قابل ہے تو آگ کی طرح اس میں حرارت
پیدا کر دیں گے اور اگر مذکورہ اشیاء کو ماء باردہ میں ڈال دیں تو اسکی صفت برودت
ان میں اس قدر اثر انداز ہو جائے گی کہ یہ بھی باردہ ہو جائیں گے حتیٰ کہ ماء باردہ جیسے
کام کرنے لگیں گے یعنی جو چیز بھی ان سے قریب ہو گی اس میں بھی برودت پیدا کر دیں
گے اسی طرح اگر دو رنگ ایک ہی کپڑا میں ڈال دیں تو جس کی رنگت زیادہ مؤثر
ہو گی وہ غالب آ جائے گا۔

اسی طرح اگر آپ مختلف ذائقے دار اشیاء کو ملا دیں تو جس کا ذائقہ اکثر و وافر
ہو گا وہ سب پر غالب آ جائے گا۔ تو بتانا یہ مقصود تھا کہ جب مخلوق کی صفات
مؤثرہ کی قوۃ اثر کا یہ کمال ہے کہ کم اثر والی چیز پر قوی اثر والی اس طرح غالب و
حاوی ہو جاتی ہے کہ وہ بھی اس جیسے کام کرنے لگتی ہے اور اس کے اثر کا مظہر بن جاتی ہے
تو جو اللہ تعالیٰ کے قریب ہوا جس کی صفات ازلیہ قدیمہ ذاتیہ ہیں اور تاثیر و تصرف
میں بے حد و بے اندازہ ہیں تو جو بندۂ خدا ان صفات الٰہیہ کے قریب ہو جاتا ہے
وہ بھی اسی طرح ان کی تاثیر کا مظہر بن جاتا ہے جیسے لوہا آگ کی تاثیر کا اگر وہ بول
پڑے کہ میں آگ ہوں تو خلافِ حقیقت نہ ہو گا اس لیے کہ وہ اب آگ ہی جیسا کام
کر رہا ہے۔ یوں ہی جب بندہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مؤثرہ کے قریب ہو جاتا ہے تو اس

ہیں اللہ کی صفات اس قدر اثر کر جاتی ہیں کہ اس کے افعال و تصرفات دیکھنے میں تو عبداللہ کے ہوتے ہیں مگر حقیقت میں کرشمے اللہ کے ہوتے ہیں۔

فصلِ چہارم: وحدۃ الوجود کے متعلق بزرگانِ دین کے اقوال ہیں:

اللہ تعالیٰ کی صفات کی حقیقتوں کا بیان

مولائے کائنات سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کیسا ہے، فرمایا۔

قَرِیْبٌ مِنَ الْاَشْیَاءِ غَیْرُ مُلَامِسٍ بَعِیْدٌ مِنْهَا غَیْرُ مُبَایِنٍ مُتَکَلِّمٌ لَا بِرُؤْیَةٍ مُرِیْدٌ لَا بِهِمَّةٍ صَانِعٌ لَا بِجَارِحَةٍ لَطِیْفٌ لَا یُوْصَفُ بِالْخِفَاءِ بَصِیْرٌ لَا یُوْصَفُ بِالْحَاسَةِ رَحِیْمٌ لَا یُوْصَفُ بِالرِّقَّةِ۔ مشاہدہ حق ص ۹۴

تمام اشیاء سے قریب ہے لیکن چھوا نہیں جاتا۔ بعید ہے لیکن علیحدہ نہیں۔ کلام کرتا ہے مگر دکھائی نہیں دیتا۔ ارادہ کرتا ہے سوچنے کا محتاج نہیں۔ بناتا ہے لیکن بدون ہاتھ کے لطیف ہے مگر مخفی نہیں دیکھتا ہے بغیر آنکھ کے رحیم ہے مگر رقت سے موصوف نہیں۔

تصریح:

(۱) لَمْسًا کا معنی ہے چھونا اور یہ نہیں متصور ہوتا مگر اجسام میں تو اللہ جسم سے پاک ہے اس لیے لمس کی اس سے نفی کی گئی ہے۔

(۲) بُعْد کا معنی ہے دور ہونا مسافت اور لمبائی نیز اس کی تین قسمیں ہیں۔ بُعدِ مکانی، بُعدِ زمانی، بُعدِ بمعنی بلندی مرتبہ۔ یہاں یہی تیسری قسم مراد ہے پہلی دونوں سے اللہ تعالیٰ کو موصوف کرنا جائز نہیں یا یہ مُراد ہے کہ ادراکِ علم

وعقل اور بصر سے بعید ہے۔

(۳) متکلم اسم فاعل بمعنی کلام کرنے والا تو جو کلام کر رہا ہو اسے دیکھا جانا بدیہی ہوتا ہے جبکہ وہ بلا آلات و بلا حجاب کلام کر رہا ہو اس لیے کہ اس کے کلام میں آواز ہوتی ہے جسے سن کر سامع بہ آسانی متکلم کی سمت و جہت کا تعین کر لیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ سمت و جہت سے پاک ہے اور اس کا کلام بلا آواز و بلا کیف ہے اس لیے وہ کلام تو کرتا ہے مگر دیکھا نہیں جاتا۔ نیز دنیاوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کو بیداری میں سر کی آنکھوں سے دیکھنا یہ حضور سید کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم کا ہی خاصہ ہے باقی سب کے لیے ممکن نہیں البتہ آخرت میں تمام مومنین اہل جنت کو بلا کیف زیارت ہوگی۔

(۴) مُرِیدْ اسم فاعل ہے جس کا معنی ارادہ فرمانے والا تو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کی صفت ازلیہ و قدیمہ ہے۔

(۵) صانع اسم فاعل بمعنی بنانے والا مگر وہ ذات تعالیٰ اشیاء کو بنانے اور ایجاد کرنے میں ہاتھوں اور اسباب و آلات کا محتاج نہیں بلکہ جب وہ کسی چیز کو معرض وجود میں لانا چاہتا ہے تو فرماتا ہے کُنْ ہو جا فَیَکُوْنُ پس وہ وجود میں آجاتی ہے۔

(۶) لطیف اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسْنٰی میں سے ہے جس کے معانی مہربانی و احسان کرنے والا نرمی و بھلائی کرنے والا باریک سے باریک اُمور کو جاننے والا کیونکہ لطیف کا معنی بہت باریک اور مخفی ہونے والا بھی ہے مگر اللہ تعالیٰ کو باریک کہنا جائز نہیں اس لیے کہ باریک و موٹا ہونا اجسام کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے اور اسے مخفی کہنا بھی جائز نہیں کیونکہ اس کے انوار و جلوے ہر چیز میں ظاہر و واضح ہیں اور ساری کائنات اس کے وجود کی

آئینہ دار ہے۔

فائدہ مذکورہ قولِ مبارکہ کی ابتداء میں فرمایا قریبٌ من الاشیاء یعنی اللہ تعالیٰ سب اشیاء سے قریب ہے اس میں دو مرادوں کا احتمال ہے۔

(۱) یہ کہ قریب سے مُراد موجود ہو اس لیے کہ قرب مکانی یا زمانی کو ذات تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔

(۲) یہ کہ قریب سے مراد از روئے علم و حکمت و تصرف ہو۔

حضرت سیدنا داتا علی ہجویری اپنی کتاب کشف المحجوب شریف میں حضرت محمد بن واسع رضی اللہ عنہ جو کہ تبع تابعین میں سے بلند پایا بزرگ ہیں ان کا قول وحدۃ الوجود کے متعلق یوں بیان کرتے ہیں۔

مَا رَءَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَءَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ۔ میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی جس میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نہ کیا ہو۔

اسی میں ہی مشائخ کرام کا قول اس کے متعلق یوں بیان کیا گیا ہے۔

مَا رَءَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَرَءَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ قَبْلَہٗ۔

اللہ سب جگہ موجود ہے

میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر اللہ تعالیٰ کو اس میں اس سے پہلے دیکھا۔ اس دیکھنے سے ایک مراد تو یہ ہے کہ چشم باطن سے اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کو سب پر حاوی و غالب پایا۔ دوسری مراد یہ کہ مخلوق کا وجود ہی گواہی دیتا ہے کہ اس کا خالق اس سے پہلے موجود ہے کیونکہ مخلوق کا وجود محتاجی کی علامت ہے تو جو محتاج ہو اس کے محتاج الیہ کا اس سے پہلے ہونا ضروری ہے۔

اسی کشف المحجوب شریف میں حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول وحدۃ الوجود

کے متعلق یوں بیان کیا گیا ہے۔

مَا رَءَیْتُ شَیْأً قَطُّ اِلَّا اللّٰہَ یعنی بِغَلَبَاتِ الْمُحَبَّۃِ وَ غَلْیَانِ الْمُشَاھِدَۃِ۔ میں نے کوئی چیز کبھی نہیں دیکھی مگر اللہ تبارک تعالیٰ کو غلبہ محبت اور جوش مشاہدہ کے ساتھ دیکھا۔ ان اقوال مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ممکنات و مخلوقات کا وجود اللہ تعالیٰ کے وجود کا مظہر تام ہے مگر اسے دیکھنے کے لیے چشم بینا و حق نما ہونی ضروری ہے اس لیے کہ کور چشم کو تو اپنا وجود ہی نظر نہیں آتا اسے حق تعالیٰ کا وجود مخلوق کے وجود سے کیا نظر آئے گا مگر چمگادڑ کے انکار سے سورج کا روشن وجود معدوم نہیں ہوتا۔

بہرحال اللہ تعالیٰ کو دیکھنے اور پہچاننے کے لیے انسان کا اپنا وجود ہی آئینہ ہے جیسے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ اور تمہارے وجودوں میں ہے کیا تمہیں سوجھتا نہیں۔ اسی طرح حدیث شریف میں ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ۔ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

انانیّت حجاب اکبر ہے

تصریح: انسان میں انانیت معرفت الٰہیہ اور معرفت نفس کے درمیان حجاب اکبر ہے جس نے اسے درمیان سے ہٹا دیا اسے اپنی حقیقت نظر آئی کہ وہ محتاج و مخلوق و حادث ہے تو اسے محتاج الیہ اور خالق و قدیم کی خود بخود پہچان ہوگئی۔ نیز اگر انسان اپنی ابتداء پر نظر ڈالے اور غور و خوض کرے کہ جب وہ ماں کے پیٹ میں بے جان نطفہ کی حالت میں آیا تو اس کو زندگی کس نے بخشی اور اس کو وہاں روزی کس نے عطا کی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس وقت کی یوں یاد دلاتا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلَالَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ۔ تو لہٰذا وہ ضرور جان لے گا کہ ایسی ذات واجب الوجود اور قادر مطلق لازماً ہے جس نے اس بے جان کو زندہ کیا اور شکم مادر میں اسے روزی عطا کی۔

فصل پنجم: وحدۃ الوجود پر عقلی دلائل اور اس پر اعتراضات کے جوابات کے بیان میں

وحدۃ الوجود کے متعلق صوفیاء کرام کا عقیدہ

وحدۃ الوجود کے متعلق صوفیاء کرام کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیائے کائنات میں موجود ہے اور عالم کون اس کے وجود سے جدا نہیں۔ اب اس پر چند عقلی دلائل ملاحظہ ہوں۔

وجودِ باری تعالیٰ کائنات کی روح ہے اور کائنات مثل جسم کے ہے تو جسم کا بعد از انفکاک و انفراق روح زندہ اور باقی رہنا ممکن نہیں تو نتیجہ یہ نکلا کہ اگر وجود تعالیٰ کائنات میں جلوہ گر نہ ہو تو کائنات کی بقاء ممکن نہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا وجود بالذات ہے اور وجود کائنات بالعرض ہے تو عرض کا قیام و تشخص بغیر ذات کے ممکن نہیں۔

(۳) وجود باری تعالیٰ ظاہر ہے اور وجودِ کائنات اس کا مظہر ہے اور اللہ کی قدرت اور کمالاتِ انوار و تجلیات نیز تمام صفاتِ مؤثرہ و متصرفہ اس کے ظہورات ہیں۔

ظہورِ ظاہر کیلئے مظہر کا ہونا ضروری ہے

اور یہ بات عقلِ سلیم پر مخفی نہیں کہ ظاہر تب ہی ظاہر ہوتا ہے جب اس کا مظہر

موجود ہو اور اسی طرح مظہر تب ہی مظہر بنتا ہے جب اس سے کوئی ظاہر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قبل از تخلیق کائنات کنزِ مخفی تھا جب اسے اپنا وجود ظاہر کرنا منظور ہوا تو اس نے جانِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو پیدا کیا اور اسی نور سے سب کائنات کو پیدا کیا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

میں اللہ کے نور سے ہوں اور سب میرے نور سے ہیں

اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ وَكُلُّهُمْ مِنْ نُوْرِیْ میں اللہ کے نور سے ہوں اور سب کے سب میرے نور سے ہیں۔

یہ عقیدہ مسلم ہے کہ صفات سُبْحَانَہٗ تعالیٰ اس کی ذات سے موخر نہیں اور نہ ہی زیرِ قدرت ہیں کہ جب چاہے انہیں اپنا لے بلکہ یہ بھی اس کی ذات کی طرح ازلیہ وقدیمہ ہیں تو علیم بھی اس کی ایک صفت ہے جس کا معنی صاحب علم اور وہ اپنے معلومات کے حقائق واحوال اور مقاصد واغراض کو ازل سے ہی جانتا ہے تو اس کے معلومات میں سے وجود کائنات بھی ہے لہٰذا یہ بھی از روئے علم الہٰی ازلی ہے اور از روئے تخلیق حادث نیز بعد از تخلیق یہ ہی کائنات جو ازل سے علم الٰہیہ میں موجود تھی اس کو مظہر ذات بنا کر اس سے ظہور فرمایا تو یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مظہر وظاہر ایک دوسرے سے جدا نہیں تو ثابت ہوا کہ وجود کائنات از روئے علم الٰہیہ ازل سے اور از روئے قیام بعد از تخلیق وجود باری سے جدا نہیں۔

علمِ حق کی اقسام کا بیان

واضح ہو کہ علم حق تین طرح کا ہے۔

(۱) علم ذاتی یعنی اپنی ذات کا علم اس میں حق تعالیٰ خود ہی عالم خود ہی معلوم اور خود ہی علم ہے۔ حق تعالیٰ نے مرتبہ ذات میں خود کو جان کر سب کو جان لیا کیونکہ وہی سب کا مبداء و اصل ہے۔

(۲) علم فعلی ذات حق سے بذریعہ فیض تمام اشیاء کے حقائق وصُوَر قبل از خلق علم الٰہی میں موجود و نمایاں ہوتے ہیں۔ اگر یہ علم نہ ہو تو حق تعالیٰ کے افعال اضطراری و بے اختیار ہوں گے اور اشیاء کو پیدا کرنے کے بعد جاننا لازم آئے گا جو جہل حق کو مستلزم ہے اور یہ محال ہے۔

(۳) علم انفعالی تمام اشیاء کو پیدا کرنے کے بعد عالم شہادت میں بعد از شہود ہوتا ہے۔ مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ تیسری قسم سے مراد یہ نہیں کہ یہ علم اللہ تعالیٰ کو بعد از تخلیق اشیاء نیا حاصل ہوتا ہے بلکہ مراد یہ کہ جیسے ان اشیاء کا ہونا علمِ الٰہی میں تھا اسی طرح ان کو وجودِ خارجی (ظاہری) میں لا کر ملاحظہ فرماتا ہے۔

کائنات کی بنیاد دانہ کُنْ ہے

سب کائنات کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا ارشاد کُنْ ہے اس لیے کہ اس کی مثال دانے جیسی ہے اور کائنات جو کہ کُنْ کا اثر اور نتیجہ ہے اس کی مثال اس درخت جیسی ہے جو دانہ سے نمودار ہوتا ہے۔ لہٰذا جس طرح دانہ خود نظر نہیں آتا مگر اثر اس کا درخت میں موجود ہوتا ہے اسی طرح دانہ کُنْ خود تو نظر نہیں آتا، مگر کائنات اسی کا اثر ہے۔ واضح ہو کہ کُنْ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

کلامِ الٰہی قدیم ہے

اور یہ عقیدہ مسلمہ ہے کہ کلام الٰہیہ حادث نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت قدیمہ

ہے تو صفات الہٰیہ ذاتِ الٰہیہ سے جدا نہیں اور وجودِ کائنات اس کی صفات سے جُدا نہیں تو نتیجہ یہ نکلا کہ وجودِ کائنات وجودِ تعالیٰ سے جُدا نہیں۔

اللہ تعالیٰ مؤثر حقیقی و ذاتی ہے اور وجودِ کائنات اس کا اثر ہے تو یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ مؤثر و اثر کے درمیان مناسبت ضرور ہوتی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ یہ فلاں مؤثر کا اثر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی جن جن صفاتِ مؤثرہ کے اثرات ہیں ان کی کارفرمائیوں پہ دلالت کرتی ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں وجودِ کائنات اور خود اپنے وجود میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا تاکہ ہم ان کی معرفت سے صفات کو جان سکیں اور ان کے ذریعے ذات کی معرفت حاصل کر سکیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

وحدۃ الوجود پر اعتراضات کے جوابات

اعتراض: اللہ تعالیٰ کو اشیاءِ کائنات میں موجود ماننے سے حلول لازم آئے گا اور یہ اسلامی عقائد کے خلاف ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ کو اشیاءِ کائنات میں موجود ماننے سے حلول لازم نہیں آتا اس لیے کہ جیسا کہ حلول کا مفصل بیان قبل ازیں گزر چکا ہے یہاں مختصراً بیان کرتا ہوں کہ حلول کی دو قسمیں ہیں، طریانی و سریانی۔

(۱) طریانی یہ کہ دو جسموں میں سے ایک ظرف ہو دوسرے کے لیے تو اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے نہ ظرف۔

(۲) سریانی یہ کہ حال سرایت کیئے ہوئے ہو محل کے کل اجزاء میں تو اللہ تعالیٰ نہ حال ہے نہ محل اور نہ اجزاء سے مرکب تو پھر حلول کیسے لازم آئے گا؟

اعتراض: اگر تسلیم کیا جائے کہ وجودِ باری تعالیٰ جمیع اشیاءِ کائنات میں

موجود ہے تو اشیاء میں سے بعض وہ بھی ہیں جن میں نجاست و خباثت ہوتی ہے تو ان میں موجود ہونے سے ذات تعالیٰ کو تنجس و تلوث لازم آتا ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ کا اشیاءِ کائنات میں موجود ہونا اجسام و اعیان کی طرح نہیں کہ اسے تنجس و تلوث لازم آئے بلکہ موجود ہونے سے مراد یہ کہ اس کی صفات کے آثار اور اس کے وجود کے انوار و تجلیات کائنات کے ذرہ ذرہ سے ظاہر ہیں اسے یوں سمجھیں کہ جیسے چاند و سورج کی روشنی ہر جگہ موجود ہے اور تمام چیزوں پر پڑتی ہے مگر کسی نجس چیز کی نجاست کا اور کسی خبیث چیز کی خباثت کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا تو چاند و سورج اللہ جل شانہٗ کی مخلوق میں سے ہیں تو جب اس کی مخلوق تک نجاست و خباثت نہیں پہنچ سکتی تو خالق جو ہر عیب و نقص سے پاک و منزہ ہے وہاں نجاست و خباثت کو کیسے رسائی ممکن ہے۔ نیز جو قادر ہے کہ ایک ہی غذا سے ایک ہی پیٹ میں دودھ کو گوبر و پیشاب ناپاک سے پاک اور علیٰحدہ کر سکتا ہے اور سمندر میں مختلف علیٰحدہ الوان و ذائقوں والے پانی کو آپس میں ملنے نہیں دیتا وہ اپنی ذاتِ پاک کو نجاستوں و خباثتوں سے دور کیوں نہ رکھ سکے۔

اعتراض: جب اللہ تعالیٰ اشیاءِ کائنات میں موجود ہے پھر نظر کیوں نہیں آتا؟ کیا اشیاء کا وجود اس کی ذات پر غالب ہے؟

جواب: اشیاءِ کائنات کا وجود اللہ تعالیٰ کے وجود پر غالب نہیں بلکہ وجود موجودات بھی اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کے جلوؤں کے ذریعے نظر آتا ہے نیز ہمیں اللہ تعالیٰ کے دنیا میں نظر نہ آنے کی عارفین نے دو وجہیں بیان کی ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ اظہر ہے یعنی نہایت ظہور پذیر۔

(۲) اللہ تعالیٰ اقرب ہے یعنی نہایت ہی قریب۔

تو یہ بھی جانتے ہیں کہ جو چیز نہایت اظہر و چمک دار ہو اسے دیکھنے کی آنکھوں

میں طاقت نہیں ہوتی جیسے کہ بجلی کی چمک یا دوپہر کے وقت سورج کی ٹکیہ کی طرف نظر لگائیں تو آنکھیں چندھیا جاتیں گی اور پوری طرح اس کے وجود کا ادراک کرنے پر قادر نہ ہو سکیں گی تو پھر وجود ذاتِ حق کو سوائے چشم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کس کی مجال اور کس کی آنکھ میں طاقت ہے کہ دنیاوی زندگی میں بیداری میں دیکھ سکے جس کے انوار و تجلیات کا یہ عالم ہے کہ اگر ادنیٰ تجلیٰ طور پر پڑھ جائے تو اسے جلا کر راکھ بنا دے اور جسے دیکھنے کی آنکھ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام میں بھی قوت برداشت نہ ہو اس صاحبِ انوار و تجلیات کو کون دیکھ سکتا ہے۔

اسی طرح جو چیز قریب تر ہو وہ بھی دکھائی نہیں دیتی لہٰذا ناک و پلکیں اسی لیے نظر نہیں آتے کہ آنکھوں سے قریب تر ہیں۔ پس ذاتِ حق تعالیٰ اسی لیے ہمیں نظر نہیں آتا کہ وہ ہماری جانوں سے بھی ہم سے قریب ہے جیسے کہ اس کا ارشاد ہے۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد۔

ہم اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔

اعتراض

یہ جو تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کائنات کے ہر ذرہ میں موجود ہے اور سب سے اس کا ظہور ہو رہا ہے تو اشیاء موجودات کی مختلف صورُ الشکال ہیں اور جداگانہ حقائق و احوال ہیں اور الگ الگ اغراض و مقاصد ہیں تو یہی مختلف اشیاء وجودِ حق کے لیے مظاہر ہیں تو جب ان میں تعدد و کثرت ہے تو ظہورات میں بھی تعدد و کثرت لازم آئے گی جس کی وجہ سے وجود واحد میں کثرت لازم آئے گی تو وحدت میں کثرت باطل ہے۔

مختلف نسبتوں اور متعلّقات سے

ذاتِ واحد میں کثرت لازم نہیں آتی

جواب

یہ جو تعدد مظاہر سے ظہورات کی کثرت ہے ذات واحد میں کثرت کو لازم نہیں کرتی اس لیے کہ یہ جو مظاہر (اشیائے کائنات) میں ظہورات کی کثرت ہے یہ صفات تعالیٰ کی نسبتوں اور ان کے مختلف اثرات کے ظہور کی بنا پر ہے جیسا کہ وجود کائنات کو اگر از روئے خلقت دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کا کمال نظر آتا ہے اور اگر وجود کائنات کو از جہت ترتیب و تشکیل دیکھیں تو اللہ تعالیٰ کی صفت صانعیت دکھائی دے گی۔

اسی طرح نظامِ کائنات کا معمول کے مطابق بلا تجاوز و تکاسل چلنا اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت کا مظہر ہے یوں ہی جانداروں اور نامیات کی پرورش اور نشو و نما کو ملاحظہ کریں تو اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کے جلوے نظر آئیں گے اسی طرح موجودات و معدودات ممکنات و مستحیلات علویات سفلیات ظاہرات و مغیبات کے احوال و حقائق کو جاننا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت علمیت کے کمال کا مظہر ہے۔

الغرض یہ تعدد و کثرت اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی مختلف نسبتوں اور متعلقات کی وجہ سے ہے جس سے ذاتِ واحد حق تعالیٰ میں کثرت لازم نہیں آتی۔

کثرتِ اسماء کثرتِ صفات پر دلالت کرتے ہیں

بلکہ کثرتِ اسماء کثرتِ صفات پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ مشہور کلام ہے۔
کَثْرَۃُ الْاَسْمَاءِ تَدُلُّ عَلٰی کَثْرَۃِ الصِّفَاتِ۔

اعتراض

یہ جو تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ جمیع موجودات میں موجود ہے پھر بتاؤ کہ موجودات ذاتِ واجب الوجود کا عین ہیں یا غیر۔ اگر عین کہو گے تو لازم آئے گا کہ وہی ساجد وہی مسجود وہی عابد وہی معبود وہی خالق وہی مخلوق وہی رازق وہی مرزوق وغیرہ اور اگر غیر کہو تو موجود فِیْ جَمِیْعِ الْاَشْیَاءِ کا دعویٰ غلط اور اگر عینیت و غیریت دونوں کو مانو گے تو اجتماع ضِدَّین لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔

ذاتِ حق اور موجودات کے درمیان نسبت عینیت و غیریت دونوں متحقق ہیں

جواب

ذات تعالیٰ واجب الوجود اور موجودات میں عینیت و غیریت دونوں متحقق ہیں وہ ایک جہت سے اور یہ ایک جہت سے اگرچہ بادی النظر اجتماع ضدین محال معلوم ہوتا ہے جیسے کہ اس پر قاعدہ دلالت کرتا ہے اَلضِّدَّانِ لَا یَجْتَمِعَانِ مگر اس سے دو ضدیں لغوی مراد ہیں جن کا اجتماع محال ہے لیکن اصطلاحی ضدیں

جمع ہوسکتی ہیں اسی وجہ سے محققین کو جامع الاضداد کہتے ہیں مثلاً نور و ظلمت کے
درمیان ضد لغوی کی نسبت ہے اس لیے یہ دونوں ایک جگہ ایک ہی وقت میں جمع
نہیں ہوسکتی اس لیے کہ معنی ان اشیاء کا اپنی جگہ قائم ہے اور اگر اپنی وضع پر قائم نہ
رہے تو ان کا اجتماع ممکن ہے مثلاً سائے کو اگر مجازاً از روئے استعارہ ظلمت کہیں
تو اس کا اجتماع ہوسکتا ہے اور یہ سایہ جس کا نام ظلمت رکھ لیا ہے نور کے ساتھ ایک
جگہ اور ایک وقت میں جمع ہوسکتا ہے جیسا کہ دیکھا گیا ہے کہ ایک وقت اور ایک
جگہ تابش آفتاب کا نور اور سایۂ دیوار جمع ہوتا ہے کیونکہ سائے سے مراد ظلمت
اصطلاحی ہے جب یہ جان لیا تو یہ بھی جاننا چاہیئے وجود ذات حق اور موجودات
میں جو عینیت ہے یہ حقیقی لغوی نہیں اس لیے ان کا اجتماع شیٔ واحد میں ممکن ہے
اب نسبت عینیت و غیریت کی مثال یوں سمجھیں کہ اگر کوئی شخص اپنے اردگرد کئی
آئینے رکھ لے تو ہر آئینے میں ذات و صفات اس کی بعینہٖ نمودار ہوں، نموداری صفات
یہ کہ ہر حرکت و سکون شادمانی و غمگینی ہنسی و گریہ شخص عکس میں ظاہر ہوگا لہٰذا اس
سبب سے شخص عین عکس ہے۔ عینیت حقیقی اصطلاحی ہے اگر لغوی ہوتی تو جو
کیفیت کہ عکس پر گزرتی ہے اسے شخص پر گزرنا بھی واجب ہوتا چونکہ عکس ہزاروں
آئینوں میں ہے، اس کثرت سے وحدت شخص پر کوئی فرق نہیں پڑتا اگر آئینہ و عکس
پر پتھر ماریں یا نجاست ڈالیں شخص اس سے متضرر و متنجس نہیں ہوتا بلکہ اپنے حال
پر ہی رہتا ہے اس لیے کہ شخص و آئینہ میں غیریت اصطلاحی ہے اگر حقیقی لغوی
ہوتی تو شخص کے احوال و کیفیات کا عکس آئینوں میں دکھائی نہ دیتا اسی طرح وجود
حق اور وجود کائنات میں عینیت و غیریت دونوں متحقق ہیں۔ عینیت اس جہت سے
تمام موجودات وجود حق کے مظہر و عکس ہیں اور ذات حق ان کے لیے بمنزلہ روح ہے
اور غیریت اس وجہ سے کہ موجودات کے احوال و کیفیات کے تغیرات و تبدلات سے

ذاتِ تعالیٰ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

باب ششم

وہابیوں کے رسالہ مجلتہ الدعوۃ کی بعض گستاخانہ و دل آزار تحریرات کے بیان اور اس پر تنقیدی جائزہ میں۔

فصل اوّل

اس میں وہابیوں کے مذکورہ رسالہ شمارہ ستمبر ۱۹۹۴ء کے ۱۶ تا ۱۷ کی عبارت کے بیان میں:

لکھتے ہیں، ملتان مدینۃ الاولیاء یعنی ولیوں کا شہر کہا جاتا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ملتان قریبًا اڑھائی لاکھ پیروں کا مسکن ہے اس لیے لوگ اسے کہتے ہیں پیریں پُر۔ اڑھائی لاکھ میں سے سوالاکھ کو زندہ مانا جاتا ہے اور سوالاکھ پیر مردہ مانے جاتے ہیں مگر وائے افسوس ان سوالاکھ کو مردہ بھی نہیں کہنے دیا جاتا کیونکہ ان مُردوں کی یاد زندوں سے بھی زیادہ بیان کی جاتی ہے۔

اس ملتان کے بارے میں بہاؤالدین زکریا ملتانی نے کہا کہ

ملتان ما بجنت اعلیٰ برابر است پا بنہ کہ ملک سجدہ می کند

یعنی ہمارا ملتان جنت اعلیٰ کے برابر ہے پاؤں آہستہ رکھو کیونکہ فرشتے یہاں سربسجود ہیں کیونکہ یہاں بڑے بڑے ولی دفن ہیں۔ یہاں ہم کچھ خاص ولیوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ بہاؤالدین زکریا ملتانی سلسلہ جنیدیہ سہروردیہ کے بانی ہیں۔ ان کے مرشد وجیہ الدین اور نجیب ضیاء الدین ہمدان و زنجان کے درمیان واقع ایک قصبہ سہرورد کے رہنے والے تھے اسی نسبت سے ان کا سلسلہ طریقت سہروردیہ

کہلایا انہیں سماع (قوالی) سے بے حد رغبت تھی۔ حسن قوال اور عبداللہ رومی قوال
اور شیخ ابراہیم عراقی نے آپ کے دربار میں کلام سنایا ہے۔ سیر العارفین تاریخ
فرشتہ اور فوائد الفوائد میں سماع کی ان محفلوں کا ذکر ملتا ہے جو ان کی خانقاہ اور
حجرے میں برپا ہوئیں اور جن میں وجد و حال اور رقص و وصال کی منزلوں سے گزرے۔
عبداللہ رومی قوال نے شیخ شہاب الدین سہروردی کے دربار میں اپنا کلام
سنایا تو بعد میں وہ ملتان آیا اور شیخ زکریا ملتانی نے اس کو ساتھیوں سمیت حجرے
میں بلایا، عشاء کی نماز کے بعد دو پارے تلاوت کیے آخر میں عبداللہ قوال سے
سماع کی فرمائش کی۔

ہر سال صفر کے ماہ میں شیخ زکریا ملتانی کا عرس (شادی) ہوتی ہے۔ قبر کو
سال کے بعد غسل دیا جاتا ہے، چادر ڈالی جاتی ہے۔ ہندوادوار میں قلعہ کہنہ
بت ملتان کی وجہ سے پوجا پاٹ کا مرکز تھا جیسے سورج دیوتا کے حضور مشعلیں روشن
کی جاتی تھیں ویسے ہی آج بھی ان درباروں پر چراغ جلائے جاتے ہیں اُس وقت
بھی مترا کے حضور بھجن گائے جاتے تھے آج بھی قوالی گائی جاتی ہے۔ پہلے بھی پھول
عطر نذر کیے جاتے تھے آج بھی پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ اس سماع (قوالی)
کی شریعت میں کیا حیثیت ہے، ڈھول تالیوں اور سازوں کے ساتھ اللہ و رسول
کا نام لینا کس قدر ثواب کا کام ہے، قارئین خود سمجھ سکتے ہیں۔ لوگوں کا پہلے وقتوں
میں دور دراز کئی کئی ماہ کا سفر کر کے نذرانے لے کر دعا کے لیے آنا اور سندھ کے
ہندوؤں کا سورج دیوتا کے درشن کے بعد سر اور داڑھی منڈوانا کتنی گہری مماثلت
رکھتا ہے۔ آج بھی ملتان کے نواحی دریا چناب میں جب کشتی بھنور میں پھنس جاتی
تو ملاح نعرہ لگاتے ہیں کہ بہاؤ الحق بیڑا دھک۔

قرآن گواہ ہے کہ مشرکین مکہ کی جب کشتی بھنور میں پھنستی تو وہ بھی اللہ کو

خالص کر کے پکارتے مگر نجات پانے کے بعد شرک کرتے لیکن آج کا مسلمان نما ملاح تو مشکل گھڑی میں بھی دوسروں کو پکارتا ہے۔ انجام کار ملتان سے کراچی تک چلنے والی ایک گاڑی کا نام بھی بہاؤالدین زکریا ایکسپریس رکھا گیا، وہ گاڑی چند سال پہلے سانگھی ریلوے اسٹیشن پر بری طرح دھکی گئی کہ بہت سے جاں بحق ہوتے اور کئی زخمی ہوتے۔

ایک یونیورسٹی کا نام بھی ملتان میں زکریا یونیورسٹی رکھا گیا مگر رزلٹ برائے نام دے رہی ہے۔ یہ یونیورسٹی علماء دین تو پیدا کرنے سے قاصر ہے لیکن دنیادار آفیسر اور بے دین دانشور پیدا کرنے میں آگے آگے ہے۔ مشہور ہے کہ ملتان ایک نہ ایک دن پانی میں ڈوبے گا کیونکہ دریا کے پانی نے بہاؤالدین کے مزار کی چوٹی کو سلام کرنے آنا ہے جس سے لا محالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مزار کے گنبد کی چوٹی جو شہر کی سطح زمین سے کافی بلندی پر ہے جب پانی سلام کرنے اوپر چڑھے گا تو سارا شہر غرقاب ہوگا، مگر قبوریوں کو اس سے کیا غرض کہ چاہے سارا شہر ڈوب جائے لیکن چوٹی کو سلام ہونا چاہیئے۔

جب ۱۹۹۲ء میں ملتان میں سیلاب کا ریلا گزرا تو فوج کے ایک ہزار جوان دن رات دریا کے بند بوسن کی حفاظت میں لگے رہے۔ افسوس کہ پانی کو بہاؤالحق کی چوٹی تک سلام کرنے کے لیے نہ پہنچنے دیا گیا۔ دوسرے دن مقامی اخبار نوائے وقت میں سرخی تھی کہ ملتان شہر کو بند بوسن نے بچالیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اڑھائی لاکھ پیر جس مدینۃ الاولیاء میں ہیں کچھ کام نہ آئے۔ اب چاہیئے تو یہ تھا کہ چڑھاوے اور چادریں بند بوسن پر چڑھائی جائیں، چراغ وہاں جلائے جاتے اور ملتان کو شاہ شمس اور بہاؤالحق کی نگری کہنے کی بجائے بند بوسن کی نگری کہا جاتا مگر برا ہو پیر پرستی کا کہ وہ اپنی دکان بند کرنے کو ہرگز تیار نہیں بلکہ الٹا

گستاخی کا طعنہ بھی ساتھ دیتے ہیں حالانکہ جس طبلے کی تھاپ کو سن کر طوائف ڈانس کرتی ہے اس پلید طبلے پر جو میرے نبیؐ کا پاک نام لیتے ہیں وہ خیر سے آج عاشقِ رسولؐ ہیں۔ اپنی ماں بہن اور بیٹی کا نام اگر سرِ عام طبلے پر سن لیں تو کٹ مرنے کو تیار ہو جائیں گے، نبیؐ کا نام طبلے کی تھاپ پر سُن کر سر دُھنتے ہیں۔ آج کوئی یہ بات کہنے کو تیار نہیں کہ میں اپنی ماں بہن بیٹی کا عاشق ہوں مگر نبیؐ کے لیے بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ ہم نبیؐ کے عاشق ہیں۔ تو یہ نعوذ باللہ نقل کفر کفر نہ باشد۔ نبیؐ ان کے معشوق ہوئے، کتنی زبردست میرے نبیؐ کی توہین ہے۔

اسی صفحہ پر ہی کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:

وہ ملک پاکستان جس کے حصول کی بنیاد ہی یہ تھی کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ، کہ اس ملک میں اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہیں ہو گی مگر جب ملک فرنگیوں کے تسلط سے بظاہر آزاد ہوا تو اب پاکستان کا مطلب کیا قلندر رہا ہو اور داتا ہو گیا یعنی اب اس ملک میں ان بزرگوں کی پوجا ہو گی۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں لوگوں نے کہا کہ ہماری شہری آبادی پر جب بندو گولے پھینکتے تھے لاہور راوی پل کے اوپر سبز کرتوں والے بزرگوں نے بم کیچ کر کر کے دریا میں پھینکنے لگتے۔ بہت بڑے باؤلر تھے۔ کاش یہ باؤلر پاکستانی کرکٹ ٹیم میں شامل ہوتے۔ بہرحال کچھ نے کہا کہ نہیں جی ہماری پاک فوج نے جرنیلی نعرہ حیدری لگایا تو ہم جنگ جیت گئے۔ بعض نے کہا کہ وہ تو ملکہ ترنم جو کہتی ہیں کہ موسیقی روح کی غذا ہے، نے کہا میرے ڈھول سپاہیا تینوں رب دیاں رکھاں تب جا کر ہماری پاک فوج جوش میں آئی اور ہم نے جنگ جیت لی۔

لیکن ۱۹۷۱ء میں نہ تو کرتوں والے بزرگ کام آئے نہ ہی جرنیلی نعرہ حیدری کام آیا اور وطن عزیز کا ایک بازو مشرقی پاکستان بیدردی سے کاٹ کر بنگلہ دیش

بنا دیا گیا۔

فصل دوم، مذکورہ عبارت پر تنقیدی جائزہ میں

اب یہاں تک جو وہابیوں کے مذکورہ رسالہ کی عبارت لکھی جا چکی ہے اس پر ادنیٰ تفکر سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان نجدیوں کے عزائم کیا ہیں۔

وہابیوں کے قول وفعل میں تضاد کا بیان

مذکورہ رسالہ میں جگہ جگہ دعویٰ تو یہ کر رہے ہیں کہ ہم جی کشمیر میں ہندوؤں سے جہاد کر رہے ہیں مگر ان کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بد باطن مسلمانوں میں کوشش فساد کر رہے ہیں۔ دعویٰ تو ان کا یہ ہے کہ ہم اصطلاح فی الدین کر رہے ہیں، مگر ان کے عمل سے واضح ہوتا ہے کہ یہ بد انجام فساد فی الدین کر رہے ہیں۔ اگر ان نجدیوں میں حیا ہوتی یا کچھ رمق اخلاق ہوتی تو انہیں سوچنا چاہیئے تھا کہ جس ملک پاکستان میں رہ کر یہ آج زبان درازیاں کر رہے ہیں اس کے بانی وحاصل کرنے والے اہل سنت والجماعت ہی ہیں اور اس ملک میں کم وبیش ۸۵ فیصد آبادی اولیاء کرام وصوفیاء عظام کے عقیدت مند اہل سنت والجماعت کی ہے۔ انکی شرافت و امن پسندی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کے عقائد کے خلاف سازشوں اور ان کی دل آزاریوں سے باز رہنا چاہیئے۔

اولیاء کی گستاخیوں سے باز نہیں رہو گے تو ہم بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے

بہرحال جب یہ اولیاء کرام وصوفیاء عظام کی گستاخیوں اور اہل سنت والجماعت

کے عقائد کے خلاف سازشوں اور ان کی دل آزاریوں سے باز نہیں آتے تو ہم بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دینے پر مجبور ہیں اس لیے کہ صوفیاء و اولیاء رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین ہمارے محسنین اور واجب الاحترام و اکرام ہیں انہیں کا صدقہ ہم کھاتے اور انہیں کا صدقہ ہم جیتے ہیں اور عقائد حقہ اہل سنت والجماعت کا دفاع بھی ہم پر لازم ہے اس لیے کہ یہی حق ہے اور اسی پر ہی نجات ہے اور اسی پر اعتقاد ہی ذریعہ شفاعت ہے۔

اب ان کے رسالہ کی مذکورہ عبارت کا تفصیلی تنقیدی جائزہ لیا جائے گا۔

(۱) ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ ...... مشہور یہ ہے کہ ملتان قریباً اڑھائی لاکھ پیروں کا مسکن ہے جن میں سوا لاکھ کو زندہ مانا جاتا ہے اور سوا لاکھ پیر مُردہ ملتے جاتے ہیں مگر واتے افسوس کہ ان سوا لاکھ پیروں کو مردہ بھی نہیں کہنے دیا جاتا۔ از جانب گدائے اولیاء۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ملتان شریف مدینۃ اولیاء ہے بکثرت اولیاء و صوفیائے کرام نے اسے شرف سکونت بخشا ہے مگر اس کا ثبوت کسی کتاب میں نہیں دیکھا کہ یہ نفوس قدسیہ اڑھائی لاکھ ہی تھے، پھر یہ شمار کرنا عقلاً مشکل نظر آتا ہے اس لیے کہ بعض ایسے بھی اولیاء کرام ہوتے ہیں جو تا زندگی اپنے حال کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ بہرحال یہ کوئی حتمی ولازمی بات نہیں کہ وہ حضرات اڑھائی لاکھ ہی ہوں بلکہ اس سے زیادتی و کمی کا احتمال و امکان موجود ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ ہر پیر کہلانے والا ولی بھی ہو

نیز ان کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ملتان میں اڑھائی لاکھ پیر رہتے ہیں کیوں کہ پیروں کی مردم شماری کسی کے پاس نہیں اور نہ ہی یہ ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پیر

کہلانا شروع کر دیا وہ ولی بھی بن گیا کیونکہ بعض وہ بھی اپنے کو پیر کہلاتے ہیں جو بد عقیدہ یا بدکردار ہوتے ہیں تو ایسے ہرگز ولی نہیں بن سکتے۔ ولی تو وہ ہی بنتے ہیں جو عقیدۃً اور عملاً اہلسنت کے طریقہ کو اختیار کرتے ہیں اسی طرح ان کا یہ کہنا بھی غلط و بے بنیاد ہے کہ ان میں سے سوا لاکھ کو زندہ اور سوا لاکھ کو مردہ مانا جاتا ہے۔

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ ہر ولی زندہ ہے

ہمارا یعنی اہل سنت و جماعت کا تو عقیدہ ہے کہ جو ولی ہے وہ زندہ بھی ہے یہی عقیدہ ہماری کتابوں میں ہے ایسے ہی ہمارے علماء کرام بیان کرتے ہیں۔ اسی عبارت میں وہابیوں نے اپنی تکلیف کا اظہار یوں کیا ہے کہ وائے افسوس کہ ان سوا لاکھ کو بھی مُردہ نہیں کہنے دیا جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء کرام کو مُردہ کہنے سے ان کی غذا ہضم ہوتی ہے اور تب ہی ان نجدیوں کے پیٹ کا درد جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اپنی غذاؤں کو ہضم کرنے اور درد پیٹ سے آرام پانے کے لیے شب روز اولیاء کرام و صوفیاء عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو مُردہ کہنے میں مصروف رہتے ہیں۔

(۲) وہابیوں کا مذکورہ بیان میں یہ کہنا کہ جیسے سورج دیوتا کے حضور مشعلیں روشن کی جاتی تھیں ویسے ہی آج بھی ان درباروں پر چراغ جلائے جاتے ہیں اس وقت بھی متھرا کے حضور بھجن گاتے جاتے تھے آج بھی قوالی گائی جاتی ہے پہلے بھی پھول وعطر نذر کیے جاتے تھے آج بھی پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ از جانب گدائے اولیاء۔

اس پر غور کرنے سے واضح ہو جائے گا کہ ان بد باطنوں کے دلوں میں اہل اللہ و اولیاء کرام کے متعلق کس قدر بغض و عناد اور عداوت موجود ہے جس کا جگہ جگہ اظہار کر رہے ہیں۔ جن حضرات قدسیہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں اولیاء اللہ کہا

انہیں کو یہ نا عاقبت اندیش بتوں سے تشبیہ دے رہے ہیں اور ان کے عقیدت مند غلاموں کو ہندوؤں بُت پرستوں سے تشبیہ دے رہے ہیں اور ان مزارات سے اظہارِ عقیدت و محبت کے طور پر امورِ خیر کو ہندو مشرکانہ رسومات سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ میں ان وہابیوں سے پوچھتا ہوں جو ہندو بُت پرست اپنے بُت خانوں میں مشعلیں جلاکر روشنی کرتے ہیں کیا ان کا مقصد وہاں نماز پڑھنا یا تلاوتِ قرآن اور دیگر ذکرو اذکار کرنا ہوتا ہے ؟ مگر جو لوگ اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مزارات پر چراغ یا موم بتیاں جلاتے ہیں یا بجلی کے ذریعے روشنی کا اہتمام کرتے ہیں ان کا مقصد تو وہاں تلاوتِ قرآن ذکرو اذکار اور قرب وجوار میں نماز پڑھنے یا تبرکات وغیرہ تقسیم کرنا ہوتا ہے جبکہ یہ سب کارِ خیر اور امورِ شرعیہ میں سے ہیں۔

اور ان وہابیوں کا کہنا کہ پہلے بھی متراکے حضور بھجن گاتے جاتے تھے آج بھی قوالی گائی جاتی ہے۔

کس قدر یہ عظیم گستاخی اور خبثِ قلبی کا اظہار ہے کہ ہندوؤں کے بھجن جس کو متراکے لیے گاتے ہیں اور قوالی کو جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جاتا ہے اور اولیاء کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کیا جاتا ہے، اُسے آپس میں ہم مثل و یکسا کہہ رہے ہیں تو یہ ہے ان کی توحید اور یہ ہے ان کی مسلمانی جس کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ اگر ان میں عقل ہوتی اور عداوت و عناد کے پردے ان کے دلوں کی آنکھوں پر نہ ہوتے تو سوچتے۔

اللہ ورسول کا ذکر تو وہی ہے، خواہ
مولوی کی زبان سے ہو خواہ قوال کی!

آخر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تو وہی ہے خواہ کسی قوال

کی زبان پر ہو خواہ کسی مولوی کی زبان پر۔ یہ تو نہیں کہ جب وہ مولوی صاحب کی زبان سے ادا ہو تو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے لیکن جب کسی قوال کی زبان سے ادا ہو تو وہ مترا کا بھجن بن جاتے۔ مگر کیا جانے وہ جو کہ دلوں کے اندھے ہیں۔ اوران وہابیوں کا یہ کہنا کہ پہلے بھی پھول وعطر نذر کیے جاتے تھے آج بھی پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔

برادرانِ اسلام ذرا غور کریں کہ ان بدبختوں کو کس قدر اولیاء کرام وصوفیاء عظام کے بغض وعداوت نے اندھا کر دیا ہے کہ جو پھولوں کی چادریں مشرکین اپنے بتوں پر انہیں خدا و معبود سمجھ کر ان کی عبادت کے قصد سے ڈالتے ہیں ان کو اور جو پھولوں کی چادریں اولیاء کرام کے خدام ان کے مزارات پر انہیں اللہ تعالیٰ کے مقبول ومحبوب بندے جان کر عنداللہ ثواب کے قصد سے ڈالتے ہیں، برابر کہہ رہے ہیں حالانکہ بفضلہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام اجمعین کے غلاموں اور اولیاء علیہم الرضوان کے خدام جو ان کے مزارات پر پھولوں کی چادریں ڈالتے ہیں ان کے پاس بطورِ دلیل صحیح بخاری کی حدیث موجود ہے جسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبر والوں پر سے گزرے جن کو عذاب ہو رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تازہ شاخ طلب کی اور اس کے دو حصے کر دیتے پھر ایک ایک حصہ کو ان دونوں قبروں پر نصب کر دیا اور ارشاد فرمایا یہ جب تک تازہ ہیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی رہیں گی اور تسبیح کے باعث ان کے عذاب میں تخفیف ہو گی۔

جب تازہ شاخوں کی تسبیح سے اہلِ قبور کو فائدہ پہنچتا ہے تو تازہ پھولوں سے کیوں نہیں؟

اسی حدیثِ پاک کو پیش نظر رکھ کر غور کریں کہ جب تازہ شاخوں کی تسبیح سے اہلِ قبور کو فائدہ ہوتا ہے تو پھر تازہ پھولوں کی تسبیح سے انہیں فائدہ کیوں نہیں ہوتا یا پھر یہ وہابی ہی بتادیں کہ تازہ پھول اللہ سبحانہٗ کی تسبیح نہیں کرتے؟ نیز پھول ڈالنے کا یہ بھی فائدہ ہے کہ جو زائرین مزارات پر یا دیگر قبور پر فاتحہ و تلاوت یا دیگر ورد و اذکار وغیرہ کرتے ہیں ان کے لیے تازہ خوشبودار پھول دل جمعی اور سکونِ قلب کا باعث بنتے ہیں اور بالخصوص اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندوں کے مزارات پر چادریں یا پھول پتیاں اس لیے بھی پیش کرنا عملِ مستحسن ہے کہ اس میں ان کی تعظیم اور شان و عظمت کا اظہار ہے اور لوگوں کے دلوں میں ان اللہ کے پاکباز بندوں کی عزت و تعظیم میں اضافہ کا سبب بن سکتے ہیں اور ان سے فیض حاصل کرنے میں رغبت کا سبب بھی بن سکتے ہیں۔

(۳) ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ .... آج بھی ملتان کے نواحی دریا چناب میں جب کشتی بھنور میں پھنس جاتی تو ملاح نعرہ لگاتے ہیں کہ بہاؤالحق بیڑا دھک۔ قرآن گواہ ہے کہ مشرکینِ مکہ کی جب کشتی بھنور میں پھنستی تو وہ بھی اللہ کو خالص کر کے پکارتے مگر نجات پانے کے بعد شرک کرتے لیکن آج کا مسلمان نما ملاح تو مشکل گھڑی میں بھی دوسروں کو پکارتا ہے۔ از راقم گدائے اولیاء۔

مشرکین جانتے تھے ہمارے خودساختہ معبودان باطلہ نفع و ضرر کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی کسی مشکل میں کام آسکتے ہیں۔ پس وہ رسمی طور پر اپنے آباؤ اجداد کو

ان کی پوجا کرتے ہوئے دیکھ کر وہ بھی اسی دینِ باطلہ کو اختیار کر لیتے اور بت پرستی شروع کر دیتے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یوں بیان کرتے ہیں۔

ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ - (بخاری کتاب الجنائز)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر بچہ فطرتِ دینِ حق پر پیدا ہوتا ہے پس اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ نیز ہر مشرک کافر بھی ہے اور کافر کا لغوی معنی پوشیدہ کرنے والا۔ تو پوشیدہ کرنے والا تب ہی ہوگا جب اسے معلوم ہے مگر وہ اس پر پردہ ڈالتا ہے لہٰذا جب ہر بچہ خواہ کافر کا ہو یا مسلم کا اس کا فطری دین اسلام ہی تھا پھر وہ نظام کائنات کو بھی معمول کے مطابق چلتا ہوا دیکھتا رہا اور مظاہر قدرت کو بھی دیکھتا رہا۔ پس وہ اس حقیقت سے واقف تھا کہ نظام کائنات کو چلانے والا اور مظاہر میں ظاہر ہونے والا ذاتِ حق وحدہٗ لاشریک ہی ہو سکتا ہے جو نظام کائنات کو معمول کے مطابق چلا رہا ہے اور غیب سے روزی دے رہا ہے اور زندگی و موت دیتا ہے لیکن وہ دنیاوی رشتہ داریوں کے پیش نظر یا عار و شرم کے خوف سے یا باطل کی زیب و زینت اور عیش و عشرت کو دیکھ کر اور شیطانی مکر و فریب میں آ کر دینِ حق کی طرف نہیں آتے تھے مگر جب وہ سمندری طوفان میں گھر جاتے یا بھنور میں پھنس جاتے تو انہیں اپنی ہلاکت نظر آنے لگتی تو وہ چونکہ جانتے و سمجھتے تھے کہ ہلاکتوں سے نجات

دینے والا وہ قادرِ مطلق ذات حق ہی ہے اسی لیے وہ نجات کے حصول کے لیے اسی کو ہی پکارتے مگر نجات پانے کے بعد وہ مذکورہ باطل پرستی کے اسباب کی بنا پر باطل کو چھوڑنے پر تیار نہ ہوتے اور اپنے خود ساختہ معبودانِ باطلہ کی ہی پوجا کرتے اور ان کو ذاتِ حق وحدہٗ لا شریک کا شریک ٹھہراتے مگر مشرکین کے ساتھ ان اہلِ ایمان حضرات کو تشبیہ دینا جو اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندوں سے استغاثہ و استمداد کرتے ہیں جہالت و حماقت ہے اس لیے کہ ہم اہلِ سنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشکل کشا و حاجت روا حقیقی و ذاتی ہے اور انبیاء علیہ السلام و اولیاء کرام مشکل کشا و حاجت روا عطائی و مجازی ہیں اور حقیقت میں سب مدد و اعانت اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام اس کے مظہر و واسطہ ہیں۔

اب مخلوق سے طلب امداد کے جواز پر مختصراً چند دلائل قرآن وحدیث سے یہاں بیان کیے جاتے ہیں۔

(۱) قرآن مجید فرقانِ حمید میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ السلام کا قوم کو خطاب کرنا یوں بیان کیا ہے۔

قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ۔

عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اللہ کے راستہ میں میرا مددگار کون ہے حواریں نے کہا ہم ہیں اللہ کے دین میں مددگار۔

(۲) جب اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام کو تبلیغ کے لیے فرعون اور اس کی قوم کے پاس جانے کا حکم دیا تو اس نے یوں عرض کی۔

وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ ھٰرُوْنَ اَخِی اشْدُدْ

بِہٖ اَزْرِیْ۔

میرے اہلِ خانہ میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا نائب کر میری کمر کو اس سے مضبوط کر۔

(۳) اسی طرح ذوالقرنین کا واقعہ قرآنِ پاک میں مذکور ہے کہ آپ سفر کے دوران ایک قوم سے ملے جنہوں نے ان سے یاجوج ماجوج کے ظلم کی شکایت کی اور استدعا کی کہ آپ ان کے اور ہمارے درمیان کوئی مضبوط فصیل بنا دیں تو حضرت ذوالقرنین نے جو ان سے کہا اسے اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا ہے۔

وَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّۃٍ۔ اور تم میری مدد قوت سے کرو۔

(۴) اسی طرح ارشادِ ربانی ہے۔

فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰـہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ ط۔

پس تحقیق اللہ وہ اس کا مددگار ہے اور جبریل اور صالح مؤمنین اور اس کے سب ملائکہ مددگار ہیں۔

(۵) وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط

اور نیکی و تقویٰ پر آپس میں مدد دو اور گناہ و سرکشی پر مدد نہ دو۔

یہود قبل از بعثت نبی آخر الزّماں کے

وسیلہ سے دُعائیں مانگتے تھے بعد میں مُنکر ہو گئے

(۶) اللہ تعالیٰ نے پارہ اوّل سورۃ بقرہ میں یوں ارشاد فرمایا۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ط

اور جب ان کے پاس اللہ کی وہ کتاب (قرآن) آئی جو ان کے ساتھ والی کتاب (تورات) کی تصدیق فرماتی ہے اور اس سے پہلے وہ اسی نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا، اس سے منکر ہو بیٹھے۔ پس اللہ کی لعنت منکروں پر۔

مذکورہ آیت کا شانِ نزول

سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اور قرآن کریم کے نزول سے پہلے یہود اپنی طلبِ حاجات کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ بارک وسلم کے نام پاک کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے اور کامیاب ہوتے تھے مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات و خصائص جن کو سابقہ کتابوں میں پڑھ اور اپنے نبیوں سے سن چکے تھے دیکھنے اور پہچاننے کے باوجود حسد و عناد کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کے منکر ہو بیٹھے۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کو قبل از بعثت سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ بنانے پر کچھ وعید نہیں فرمائی اگر وعید فرمائی تو اس پر کہ جس ذات والا صفات کے صدقے سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں فتوحات و کامیابیوں سے نوازا اس کے ہی منکر ہو بیٹھے۔

(۷) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پارہ دوم سورۃ بقرہ میں بنی اسرائیل کے پاس تابوت کے آنے کا ذکر یوں فرمایا۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝

ترجمہ: اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت۔ جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی اٹھائے لائیں گے اسے فرشتے بے شک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لیے اگر ایمان رکھتے ہو۔

مذکورہ آیت میں جس تابوت کا ذکر ہے اس کے متعلق مفسرین حضرات فرماتے ہیں کہ اس میں تمام انبیاء علیہم السلام کی تصویریں اور ان کے مساکن و مکانات کی تصویریں تھیں اور آخر میں حضور سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کی دولت سرائے اقدس کی تصویر ایک یاقوت سرخ میں تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحالت نماز قیام میں ہیں اور گرد آپ کے اصحاب ہیں یہ صندوق حضرت آدم علیہ السلام پر نازل ہوا اور آپ سے وراثتاً منتقل ہوتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا آپ اس میں تورات بھی رکھتے اور اپنا مخصوص سامان بھی چنانچہ اس تابوت میں الواح تورات کے ٹکڑے بھی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور آپ کے کپڑے اور نعلین شریفین اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور ان کا عصا اور تھوڑا سا من جو بنی اسرائیل پر اترا رکھا ہوا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس تابوت کو جنگ کے موقعوں پر آگے رکھا کرتے

تھے۔ اس کی برکت سے بنی اسرائیل کے دلوں کو تسکین رہتی تھی۔ آپ کے بعد یہ صندوق بنی اسرائیل میں وراثۃً منتقل ہوتا چلا آیا۔ جب بھی انہیں کوئی مشکل پیش آتی وہ اسے سامنے رکھ کر دعائیں کرتے اور نجات پاتے اور دشمنوں کے مقابلوں میں اس کی برکت سے فتح یاب ہوتے۔

جب بنی اسرائیل کی حالت خراب ہوئی اور ان کی بدعملی حد سے تجاوز کر گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قوم عمالقہ کو مسلط کر دیا وہ ان سے تابوت چھین لے گئے اور اس مقدس تابوت کو نجس و گندے مقامات پر رکھا اور اس کی نہایت بے حرمتی کی توان گستاخیوں کی وجہ سے طرح طرح کی امراض و مصائب میں مبتلا ہوتے۔ ان کی پانچ بستیاں ہلاک ہوئیں پس انہیں یقین ہوا کہ ان کی بربادی کا سبب اس مقدس تابوت کی اہانت و بے حرمتی ہے تو انہوں نے تابوت کو ایک بیل گاڑی پر رکھ کر بیلوں کو چھوڑ دیا تب فرشتے اسے بنی اسرائیل کے سامنے طالوت کے پاس لاتے اور اس تابوت کا آنا بنی اسرائیل کے لیے طالوت کی بادشاہی کی نشانی قرار دیا گیا تھا پس بنی اسرائیل اسے دیکھ کر اس کی بادشاہی کو مان گئے اور بغیر تاخیر جہاد پر آمادہ ہو گئے کیونکہ تابوت پا کر انہیں اپنی فتح و کامیابی کا یقین ہو گیا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کا اعزاز و احترام لازم ہے اور ان کی برکتوں سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور حاجتیں روا ہوتی ہیں، نیز تبرکات کی بے حرمتی، گمراہوں کا طریقہ اور بربادی کا سبب ہے۔

مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ جو انبیاء علیہم السلام کی تصویریں کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی تھیں۔

(۸) پارہ ۱۳ سورۂ یوسف میں ارشاد ہے۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا۔

حضرت یوسف نے کہا یہ میرا کرتہ لے جاؤ پس اسے میرے باپ کے منہ پر ڈالو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا۔

پھر جب خوشی سنانے والا آیا اس نے وہ کرتہ یعقوب کے منہ پر ڈالا۔ اسی وقت اس کی آنکھیں پھر آئیں

اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندوں کی مشکل کشائی و حاجت روائی کا انکار قرآن سے جہالت ہے

قرآن پاک کی ان دونوں آیتوں سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے تبرکات باعثِ شفا و حاجت روا ہیں وہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ جب بزرگانِ دین کے تبرکات میں یہ تاثیر ہے کہ ان سے مصیبتیں ٹلتی ہیں اور امراض سے شفا ہوتی ہے حاجتیں پوری ہوتی ہیں اور مشکلیں حل ہوتی ہیں تو پھر اللہ تعالےٰ کے مقبول و محبوب بندوں کو مشکل کشا و حاجت روا نہ ماننا حماقت اور قرآنِ مجید سے جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟

قرآنِ پاک سے دلائل کے بعد اب حدیثِ مبارکہ سے استمداد و وسیلہ پر چند دلائل ملاحظہ ہوں۔

حدیث سے استمداد و وسیلہ پر دلائل

(۱) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا قُحِطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ

الْمُطَّلِبِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ بِنَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ ۔ (بخاری جلد اوّل صـ۱۳۷)

وسیلہ سے دُعا قبول ہوتی ہے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے حضرت عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبد المطلب کے توسل سے بارش کی دعا مانگتے پس عرض کرتے الٰہی ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کا وسیلہ پکڑتے تھے پس تو ہمیں بارش دیتا تھا اور اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں تو ہم پر بارش بھیج تبھی لوگ سیراب کیے جاتے۔

روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعرابی کو بخشش کا مژدہ

ذَكَرَ الْحَافِظُ اَبُوْ سَعِيْدٍ سَمْعَانِيُّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَدِمَ عَلَيْنَا اَعْرَابِيٌّ بَعْدَ مَا دَفَنَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَلَاثَةِ اَيَّامٍ فَرَمٰى نَفْسَهٗ عَلٰى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَثَّا مِنْ تُرَابِهٖ عَلٰى رَأْسِهٖ وَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْتَ فَسَمِعْنَا قَوْلَكَ وَوَعَيْتَ عَنِ اللّٰهِ مَا وَعَيْنَا عَنْكَ وَكَانَ فِيْمَا اُنْزِلَ عَلَيْكَ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ وَقَدْ ظَلَمْتُ

نَفْسِیْ وَجِئْتُکَ تَسْتَغْفِرُ لِیْ ذُنُوْبِیْ مِنَ الْقَبْرِ اِنَّہٗ قَدْ غُفِرَ لَکَ حُجَّۃُ اللّٰہِ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ۔ (ص ۸۵ للعلامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی)

حافظ ابو سعید سمعانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے تین روز بعد ہمارے پاس ایک اعرابی آیا تو قبرِ منورہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گر پڑا اور اس کی خاکِ پاک کو اپنے سر پہ ڈالا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ جو کچھ آپ نے کہا ہم نے آپ کے کہنے کو سنا اور جو آپ نے اللہ سے لیا وہ ہم نے آپ سے لیا اور جو آپ پر نازل کیا گیا اس میں یہ بھی تھا۔

ترجمہ: اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسولؐ ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ اور بلاشبہ میں نے خود پہ ظلم کیا اور آپ کے حضور آیا آپ میری شفاعت فرمائیں۔ پس قبرِ انور سے آواز آئی بلاشبہ تحقیق اللہ نے تجھے بخش دیا۔

اب اس روایت کے مقام کی وضاحت کر دیتا ہوں۔ واضح رہے کہ جس اعرابی کا واقعہ مذکور ہوا ہے اس کے متعلق ایک احتمال تو یہ ہے کہ صحابی تھا جیسا کہ اس کے کلام سے ظاہر ہے کہ یا رسول اللہ ہم نے آپ کے قول کو سنا اور اگر اس سننے سے مُراد بالواسطہ ہو تو پھر یہ شخص تابعی ہوگا اس لیے کہ اس کا مدینہ طیبہ میں آنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے تین روز بعد ذکر کیا گیا ہے جبکہ صحابہ رسول اسی طرح کثرت سے مدینہ پاک کی گلی کوچوں میں جلوہ افروز تھے جیسے آسمان پہ ستارے، تو اس نے ان کی زیارت ضرور کی ہو گی تو کسی ایک صحابی کی زیارت کرنے والا اصطلاحِ شریعت میں تابعی کہلاتا ہے لہٰذا جب یہ خود بھی صحابی یا تابعی تھا پھر

عظیم الشان وجلیل القدر صحابی امیر المؤمنین خلیفہ چہارم سیدنا حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں سب کچھ کر اور کہہ رہا تھا اور آپ نے اسے منع نہ کیا اس لیے اس کا قول و فعل حجت شرعی ٹھہرا تو اس سے مندرجہ ذیل عقائدِ حقہ اہلِ سنت کی تائید و تقویت ہوتی ہے۔

ایک روایت سے اہلِ سُنّت والجماعت کے چار عقائد کی تائید

(۱) ندائے یا رسول اللہ جائز اور صحابہ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طریقہ مبارکہ ہے۔

(۲) مذکورہ آیت کا حکم خاص یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی سے متعلق ہی نہیں بلکہ عام و مطلق ہے یعنی تا قیامت جب بھی کوئی امتی گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہو اس کے لیے شفاعت و مغفرت کا مژدہ موجود ہے۔ مذکورہ حکم عام کی اہم وجہ یہ بھی ہے کہ سبب خاص سے حکم خاص نہیں ہوتا بلکہ عام و مطلق رہتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندوں کی بارگاہ میں استغاثہ بعد از وصال و قبل از وصال دونوں طرح جائز ہے اس لیے کہ جو کام ایک جگہ جائز دوسری جگہ شرک نہیں ہو سکتا۔

(۴) ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم صرف سنتے ہی نہیں بلکہ آپ جس سے چاہیں کلام بھی فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کی برکت سے حضرت خالد بن ولید کو کامیابی حاصل ہوتی تھی

(۳) اَخْرَجَ الْحَاکِمُ وَغَیْرُہٗ اِنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِیْدِ فَقَدَ قَلَنْسُوَۃً یَوْمَ الْیَرْمُوْکِ فَطَلَبَہَا حَتّٰی وَجَدَہَا وَقَالَ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَحَلَقَ رَأْسَہٗ فَابْتَدَرَ النَّاسُ جَوَانِبَ شَعْرِہٖ فَسَبَقْتُہُمْ اِلٰی نَاصِیَتِہٖ فَجَعَلْتُہَا فِیْ ہٰذِہِ الْقَلَنْسُوَۃِ فَلَمْ اَشْہَدْ قِتَالًا وَہِیَ مَعِیَ اِلَّا رُزِقْتُ النَّصْرَ۔ (حجۃ اللہ علی العلمین صفحہ ۶۸۶)

حاکم اور اس کے علاوہ نے بیان کیا کہ تحقیق خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنگِ یرموک کے دن ٹوپی کو گم کر بیٹھے پھر اسے تلاش کرنے لگے یہاں تک کہ اسے پا لیا اور اس نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا تو اپنے سر مبارک کو منڈوایا پس لوگ جلدی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کے گرد جمع ہو گئے۔ پس میں نے ان سب سے پہل کر کے ان کی پیشانی مبارک کا بال لے لیا تو اسے اپنی ٹوپی میں ڈال لیا پس میں نے کوئی ایسی جنگ نہیں کی اور یہ ٹوپی پاس ہوتی مگر اس کی برکت سے کامیابی دی جاتی۔

یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہنے سے عبداللہ ابنِ عمرؓ کی مشکل حل ہو گئی

(۴) اسی طرح شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوۃ جلد اوّل میں حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق واقعہ یوں بیان کرتے ہیں۔

مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سُن ہو گیا تو کسی نے ان سے کہا جو تمہیں سب سے زیادہ محبوب ہو اسے یاد کرو تاکہ اس آفت سے چھٹکارا ملے تو انہوں نے فریاد کی اور کہا یا محمداہ ۔ پس ان کا پاؤں اسی وقت ٹھیک ہو گیا ۔ واضح رہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جلیل القدر صحابی ہیں ۔ ان سے مذکورہ واقعہ کے ضمن میں ندائے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور استغاثہ بارگاہِ رسالت میں دونوں ثابت ہوتے ۔

وسیلہ کے بغیر اللہ تعالیٰ سے رسائی ممکن نہیں

حضرت علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح البیان جلد دوم جزو چھٹے میں زیر تفسیر آیت ۔

وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ۔ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاٰيَةَ الْكَرِيْمَةَ صَرَّحَتْ بِالْاَمْرِ بِابْتِغَاءِ الْوَسِيْلَةِ وَلَابُدَّ مِنْهَا اَلْبَتَّةَ فَاِنَّ الْوُصُوْلَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى لَا يَحْصُلُ اِلَّا بِالْوَسِيْلَةِ وَهِيَ عُلَمَاءُ الْحَقِيْقَةِ وَمَشَائِخُ الطَّرِيْقَةِ ۔

اور جان کہ بے شک آیۂ کریمہ نے تلاش وسیلہ کے امر کی صراحت کی ہے اور یقیناً اس کے سوا چارہ نہیں پس بے شک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسائی وسیلہ کے علاوہ حاصل نہیں ہوتی اور وہ وسیلہ سچے علماء اور مشائخ طریقت ہیں ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَدْ ذَكَرْنَا فِیْ كِتَابِ الْاَجْوِبَةِ عَنْ اَئِمَّةِ الْفُقَهَاءِ وَالصُّوْفِيَّةِ ! اِنَّ اَئِمَّةَ الْفُقَهَاءِ وَالصُّوْفِيَّةِ كُلَّهُمْ يَشْفَعُوْنَ فِیْ مُقَلِّدِيْهِمْ وَيُلَاحِظُوْنَ اَحَدَهُمْ عِنْدَ طُلُوْعِ رُوْحِهٖ وَعِنْدَ سُوَالِ مُنْكَرٍ وَنَكِيْرٍ لَهٗ وَعِنْدَ النَّشْرِ وَالْحَشْرِ وَالْحِسَابِ وَالْمِيْزَانِ وَالصِّرَاطِ وَلَا يَغْفِلُوْنَ عَنْهُمْ فِیْ مَوْقَفٍ مِنَ الْمَوَاقِفِ وَلَمَّا مَاتَ شَيْخُنَا شَيْخُ الْاِسْلَامِ الشَّيْخُ نَاصِرُ الدِّيْنِ اللَّقَانِیُّ رَاٰهُ بَعْضُ الصَّالِحِيْنَ فِی الْمَنَامِ فَقَالَ لَهٗ مَا فَعَلَ اللّٰهُ بِكَ فَقَالَ لَمَّا اَجْلَسَانِیَ الْمَلَكَانِ فِی الْقَبْرِ يَسْئَلَانِیْ اَتَاهُمُ الْاِمَامُ مَالِكٌ فَقَالَ مِثْلُ هٰذَا يَحْتَاجُ اِلٰی سُوَالٍ فِیْ اِيْمَانِهٖ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ تَنَحَّيَا عَنْهُ فَتَنَحَّيَا عَنِّیْ اِنْتَهٰی وَاِذَا كَانَ مَشَائِخُ الصُّوْفِيَّةِ مُلَاحِظُوْنَ اِتْبَاعَهِمْ وَمُرِيْدِيْهِمْ فِیْ جَمِيْعِ الْاَحْوَالِ وَالشَّدَائِدِ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَكَيْفَ بِاَئِمَّةِ الْمَذَاهِبِ الَّذِيْنَ هُمْ اَوْتَادُ الْاَرْضِ وَاَرْكَانُ الدِّيْنِ وَاُمَنَاءُ الشَّارِعِ عَلٰی اُمَّتِهٖ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ فَطِبْ يَا اَخِیْ وَقِرَّ عَيْنًا بِتَقْلِيْدِ كُلِّ اِمَامٍ شِئْتَ مِنْهُمْ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ (المیزان الکبری: ص۵۳)

ؔلہ امام الشعرانی علیہ الرحمۃ کا مقام

ؔلہ امام شعرانی علیہ الرحمۃ نے سومرتبہ عالم بیداری میں مختلف اوقات میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچشم سر دیکھا۔ اللہ غنی۔ ماشاء اللہ!

آئمہ فقہاء و صوفیہ اپنے مقلدین کی شفاعت کرتے ہیں

کتاب الاجوبہ میں ہم نے آئمہ فقہاء و صوفیہ سے نقل کیا ہے کہ بلاشبہ آئمہ و فقہاء و صوفیہ سب اپنے مقلدین کے حق میں شفاعت کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو وقتِ وفات اور منکر و نکیر کے اس سے سوال کے وقت اور حشر و نشر و حساب و میزان پل صراط سے گزرتے وقت ملاحظہ فرماتے ہیں اور تمام مقامات میں سے کسی مقام میں ان سے بے خبر نہیں ہوتے اور جب ہمارے شیخ الاسلام شیخ ناصر الدین لقانی فوت ہوئے بعض صالحین نے اسے خواب میں دیکھا تو اس سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے تجھ سے کیا معاملہ کیا تو اس نے بتایا کہ جب دونوں فرشتے نکیرین مجھے قبر میں بٹھا کر سوال کرنے لگے، ان کے سامنے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ آ گئے پس فرمایا اس جیسا شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے میں پوچھنے کا محتاج ہے۔ وہ دونوں فرشتے اس کے اور میرے پاس سے چلے گئے۔

کلام تمام ہوا اور جب مشائخ صوفیہ کا یہ حال ہے کہ اپنے متبعین و مریدین کو تمام احوال و شدائد دنیا و آخرت میں دیکھتے ہیں پھر آئمہ مذاہب کا کیا مقام ہوگا جو کہ زمین کے اوتاد اور دین کے ستون ہیں اور شارع علیہ السلام کے اس کی امت پر امین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا۔ پس اے بھائی خوش ہو، اور ان سب میں سے جس امام کی چاہے تقلید سے آنکھ ٹھنڈی کر۔ اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔

تفسیر کبیر میں پارہ اول۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ کی زیر تفسیر امام فخر الدین رازی حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت یوں لکھتے ہیں کہ جب کوئی جنگل میں پھنس جائے تو کہے۔

اَعِیْنُوْنِیْ عِبَادَ اللّٰہِ یَرْحَمُکُمُ اللّٰہُ۔ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، رب تم پر رحم فرمائے۔

جس سے زندگی میں مدد لی جاسکتی ہے اس سے بعد از وصال بھی مدد لی جاسکتی ہے، امام غزالی

اشعۃ اللمعات شرح باب زیارتِ قبور میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یوں لکھا ہے۔

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی گفتہ ہرکہ استمداد کردہ شود بوے در حیات استمداد کردہ میشود بوے بعد از وفات ویکے از مشائخ عظام گفتہ است دیدم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف میکنند در قبور خود مانند تصرفہائے ایشاں در حیات خود یا بیشتر و شیخ معروف کرخی و شیخ عبدالقادر جیلانی و دو کس دیگر را از اولیاء شمردہ و مقصود حصر نیست آنچہ خود دیدہ و یافتہ است گفتہ۔

امام غزالی نے کہا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاتی ہے اس سے اس کی وفات کے بعد بھی مدد مانگی جاسکتی ہے اور مشائخ عظام میں سے ایک نے کہا ہے کہ مشائخ میں سے میں نے چار کاملین کو دیکھا کہ وہ اپنی قبور میں بھی ایسے ہی تصرف کرتے تھے جیسے ان کی زندگی میں ان کے تصرفات یا اس سے بھی زیادہ اور اس نے معروف کرخی اور شیخ عبدالقادر جیلانی اور اولیاء میں سے دو اور کا نام لیا اور مقصود حصر بیان کرنا نہیں بلکہ جو اس نے خود دیکھا یا پایا اسے بیان

کردیا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز صنہ؟ پر فرماتے ہیں۔

اگر انبیاء واولیائے عون الٰہی کے

مظاہر و اسباب جان کر مدد مانگی جائے تو جائز ہے

—— شاہ عبد العزیز

باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد باشد و اورا اعوان الٰہی نداند حرام است واگر التفات محض بجانب حق است و اورا ایکے از مظاہر عون الٰہی دانستہ وبکار خانہ اسبابی وحکمت او تعالیٰ درآں نمودہ بغیر استعانت ظاہر نماید ودراز عرفان نخواہد بود ودر شرح نیز جائز وروا است ودر انبیاء واولیاء ایں نوع استعانت تعبیر کردہ اند ودر حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لاغیر۔

سمجھنا چاہیئے کہ کسی غیر سے مدد مانگنا بھروسہ کے طریقہ پر کہ اس کو مدد الٰہی نہ جانے حرام ہے اور اگر توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہے اسے اللہ تعالیٰ کی مدد کا ایک مظہر سمجھ کر اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور کارخانہ اسباب جان کر اس سے ظاہری مدد مانگی تو عرفان سے دور نہیں ہے اور شریعت میں بھی جائز وروا ہے اور اس کو انبیاء واولیاء کی مدد کہتے ہیں لیکن درحقیقت اس قسم کی استمداد غیر سے نہیں بلکہ استمداد حضرت حق تعالیٰ سے ہی ہے۔

بفضلہ تعالیٰ یہاں تک جو قرآن حدیث اور دیگر کتب سے حوالہ جات پیش کیے گئے ان سے انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام سے استغاثہ اور طلب وسیلہ

اور بزرگوں کے تبرکات سے فیض و برکت حاصل کرنا ثابت ہوا ابھی اس پر کثیر حوالے پیش کیے جا سکتے ہیں مگر یہاں تو مقصد اختصاراً وہابیوں کے اس قول کا رد کرنا تھا جس میں وہ اس سنی عقیدہ مسلمان ملاح کو جو مشکل وقت میں جب اس کی کشتی بھنور میں پھنس جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے شہنشاہ اولیاء نگری ملتان شریف کے والی حضرت سیدنا بہاؤ الدین ذکریا رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں استغاثہ کرتا ہے مشرکین سے بھی بڑا مجرم کہا ہے مگر درحقیقت وہابیوں کے اس قول کا اطلاق صرف اس ملاح پر ہی نہیں ہوتا بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام و اولیاء عظام کے خدام پر بھی ہوتا ہے جو اپنی مشکلوں میں انہیں اللہ تعالیٰ کی عون کا مظہر اور مشکل کشا بالعطاء الٰہی سمجھ کر ان سے استغاثہ و فریاد کرتے ہیں۔

مجلۃ الدعوۃ والے وہابیوں کا یہ کہنا کہ ملتان سے کراچی تک چلنے والی ایک گاڑی کا نام بھی بہاؤ الدین زکریا ایکسپریس رکھا گیا۔ وہ گاڑی سندھ کے سانگھی اسٹیشن پر بری طرح دھکی گئی کہ بہت سے جاں بحق ہوئے اور کئی زخمی ہوئے۔ ملتان میں ایک یونیورسٹی کا نام بھی زکریا یونیورسٹی رکھا گیا مگر رزلٹ برائے نام دے رہی ہے۔ یہ یونیورسٹی علماء دین تو پیدا کرنے سے قاصر ہے لیکن دنیا دار آفیسر اور بے دین دانشور پیدا کرنے میں آگے آگے ہے۔ (از گدائے اولیاء)

برادرانِ اسلام ذرا غور فرمائیں کہ ان بد بختوں کو اولیاء اللہ سے کس قدر عداوت و دشمنی ہے اور کس طرح ان کے صدور مثلِ تنور اولیاء اللہ سے دشمنی کی حرارت سے شعلہ زن ہیں کہ اگر حصول برکت کی غرض سے کسی چیز کی نسبت اولیاء اللہ کی طرف کی جائے تو انہیں ناگوار اور ان کے لیے باعث تشویش ہے مگر پاکستان میں ہی کئی ایسے مقامات و چیزیں موجود ہیں جن کے نام و نسبت سکھوں ہندوؤں کی طرف منسوب ہیں مگر وہ ان کے لیے باعثِ تشویش و پریشانی نہیں ہیں اگر ان

کو تکلیف و پریشانی ہے تو ان سے ہے جن پر غوث الثقلین یا داتا علی ہجویری یا بہاؤ الدین زکریا ملتانی یا خواجہ معین الدین اجمیری یا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا نام آجائے۔

اگر بقول تمہارے زکریا یونیورسٹی کامیاب رزلٹ بہت کم دے رہی ہے اور علماء دین پیدا نہیں کر رہی دنیادار آفیسر اور بے دین دانشور زیادہ پیدا کر رہی ہے تو بتاؤ کہ اس میں حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا کیا قصور ہے یہ تو آج کل ماحول ہی ایسا بن چکا ہے کہ پڑھنے والے پڑھائی پر توجہ کم دیتے ہیں اور فضول کاموں اور بری باتوں میں وقت زیادہ گزارتے ہیں۔ اسی طرح دنیاوی تعلیم بے دینی رسم و رواج کی طرف زیادہ راغب ہیں اور دینی تعلیم و تربیت کی طرف بہت کم توجہ دیتے ہیں لیکن تم وہابیوں دیوبندیوں کو تو اپنی درسگاہوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ جو لوگ ان سے فارغ ہوئے انہوں نے کیا کردار ادا کیا، تو تمہیں بکثرت ایسے لوگ نظر آئیں جنہوں نے دنیا کی خاطر دین کو بیچا اور اللہ و رسول کو راضی کرنے کی بجائے انگریزوں اور ہندوؤں کو راضی کیا اور خدمت دین کی بجائے خدمت پیٹ کی آج بھی تمہاری درسگاہوں سے کئی کلاشنکوف اور بم چلانے والے دہشت گرد پیدا ہو رہے ہیں اور اگر خود الدعوۃ والارشاد والے اپنی تنظیم کی طرف ہی دیکھ لیں تو انہیں دہشت گرد ہی نظر آئیں گے۔

ان کا یہ کہنا کہ بہاؤ الدین زکریا ایکسپریس کو حادثہ ہوا جس میں کئی جاں بحق اور کئی زخمی ہوئے۔ ان وہابیوں سے پوچھیں کہ بتاؤ اگر تمہارے نزدیک گاڑی کو حادثہ ہونے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کمزور تھے اور ان میں اتنی طاقت نہ تھی جس گاڑی پر ان کا نام لکھا ہوا تھا اسے

حادثہ سے بچا سکتے یا یہ اس گاڑی کا نام رکھنا اللہ کو پسند نہ آیا اس لیے اس نے حادثہ کرا دیا تو پھر جن ریل گاڑیوں لبسوں کاروں جہازوں کشتیوں اور ملوں کارخانوں مکانوں دُکانوں وغیرہ پر اللہ تعالیٰ کا نام یا اس کا کلام لکھا ہوا ہوتا ہے ان کو بھی بڑے بڑے خوفناک و دردناک حادثات درپیش آجاتے ہیں جس سے بہت جانی و مالی نقصانات ہوجاتے ہیں تو کیا معاذاللہ یہ اللہ تعالیٰ کی کمزوری و عدم قدرت کی وجہ سے ہوتے ہیں ؟ اور جن پر اس کا نام یا کلام لکھا ہوا ہوتا انہیں ان حادثات و نقصانات سے نعوذ باللہ بچا نہیں سکتا ؟

ابھی ماضی قریب میں ہی مسجد بابری کا واقعہ دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ہندوؤں کے شر سے نہیں بچا سکتا تھا؟ اور یہ تو کوئی مسلمان گمان بھی نہیں کر سکتا کہ یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے کہ معاذاللہ، اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے نام یا کلام میں برکت نہیں۔ پھر اگر یہاں اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ قدرت ہوتے اور اس کے نام و کلام میں بالیقین برکت ہونے کے باوجود ان اشیاء کو جن پر اس کے اسماء و کلام لکھا ہوا ہوتا ہے اپنی حکمت و مشیت کی بنا پر انہیں حادثات و نقصانات سے نہیں بچاتا تو پھر انبیاء و شہداء و اولیاء یہ سب اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندے ہیں کوئی بھی مسلمان ان کو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے ہمسر و مدِمقابل نہیں سمجھتا کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف ہو کر بانور حادثات کو روک سکتے ہیں۔ البتہ اہلِ ایمان کا یہ عقیدہ سعیدہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندے اس کی عطا کردہ قدرت و اختیار سے کائنات میں تصرف کرتے ہیں اور یہ بھی اعتقاد ہے کہ اچھے ناموں اور اچھی نسبتوں میں برکت ہوتی ہے۔

اچھّے ناموں اور نسبتوں میں برکت ہوتی ہے

احادیثِ مبارکہ میں ایسے شواہد بہت ملتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آدمیوں اور بستیوں کے ایسے ناموں کو جن کے معانی اور نسبتیں اچھی نہ ہوتیں انہیں بدل دیتے اور اچھے معانی و نسبتوں والے نام رکھ دیتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ اچھے نام و نسبت میں برکت اور نیک فال ہے۔

اور ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ ــــــ مشہور ہے کہ ملتان شہر ایک نہ ایک دن پانی میں ڈوبے گا، کیونکہ دریا کے پانی نے بہاؤالدین کے مزار کی چوٹی کو سلام کرنے آنا ہے جس سے لامحالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مزار کے گنبد کی چوٹی جو شہر کی سطح زمین سے کافی بلندی پر ہے جب پانی سلام کرنے اُوپر چڑھے گا تو سارا شہر غرقاب ہوگا، مگر قبوریوں کو اس سے کیا غرض کہ چاہے سارا شہر ڈوب جائے لیکن چوٹی کو سلام ہونا چاہیئے۔ (از جانب گدائے اولیاء)

ویسا ہی جو قول مشہور بتا رہے ہیں کہ ایک دن ضرور دریا کا پانی گنبد کی چوٹی کو چومے گا یہ قول کوئی حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جائے اور نہ ہی کبھی ایسی بات ہم نے علماء سے سنی ہے۔

نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت
اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظہر ہوتے ہیں

بالفرض دریا کا پانی حضرت سیدنا بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کو سلام کرنے آبھی جائے تو اس سے ملتان شہر کا ڈوبنا لازم نہیں آتا کیونکہ نبی کا معجزہ

اور ولی کی کرامت اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظہر ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عقل ادراک و احاطہ نہیں کر سکتی اسی طرح معجزہ و کرامت بھی عقل کے ادراک و سمجھ سے وراء ہیں نیز عقل ان افعال کو سمجھتی ہے جو عادت کے مطابق ہوں تو معجزات و کرامات خلاف عادت ہوتے ہیں تو اس تمہید کا مقصد یہ تھا اگر بطور کرامت دریا کا پانی حضرت سیدنا بہاؤالدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پُرانوار کو سلام کرتے آجائے تو اس سے شہر کا ڈوبنا لازم نہیں آتا۔ بالفاظ دیگر جو دریا کے پانی سے سلام کرا سکتا ہے وہ بعطاء تعالیٰ شہر کو ڈوبنے سے بچا بھی سکتا ہے۔

اگر قرآن پاک کی رو سے سلیمان علیہ السلام کا اُمتی ولی تخت بلقیس کو مسافت طویلہ سے آنکھ جھپکنے سے پہلے دربارِ سلیمانی میں لا سکتا ہے تو حضور سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امتی ولی بدرجہ اولیٰ دریا کے پانی سے سلام کرا سکتا ہے۔ ان

ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ اخبار میں سُرخی تھی ملتان شہر کو بند بوسن نے بچا لیا۔ پھر کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اڑھائی لاکھ پیر جس مدینۃ الاولیاء میں ہیں کچھ کام نہ آئے۔ اب ان بے عقل وہابیوں سے پوچھیں کہ جس اخباری سرخی کا تم ذکر کر رہے ہو اس میں تو اخبار والوں نے اللہ تعالیٰ کا نام بھی نہیں لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ملتان کو بچا لیا بلکہ انہوں نے لکھا ہے کہ بند بوسن نے ملتان شہر کو ڈوبنے سے بچا لیا پھر تو تمہارے نزدیک مطلب یہ نکلنا چاہیئے تھا کہ اللہ تعالیٰ بھی کچھ کام نہ آسکا۔

ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ اب چاہیئے تو یہ تھا کہ چڑھاوے اور چادریں بند بوسن پر چڑھائی جائیں، چراغ وہاں جلائے جاتے اور ملتان کو شاہ شمس اور بہاؤ الحق کی نگری کہنے کی بجائے بند بوسن کی نگری کہا جاتا۔ (از گدائے اولیاء)

میں ان وہابیوں سے کہتا ہوں کہ ہم اہل سنت وجماعت تو بفضلہٖ تعالیٰ اہل اللہ کے مزارات پر ہی چراغ جلائیں گے اور چادریں چڑھائیں گے اس لیے وہ ہمارے

محسنین ہیں اور ہمیں ان سے عقیدت و محبت ہے۔ ہاں اگر تم اپنا محسن بندبوسن کو سمجھتے ہو اور تمہیں اس کے ساتھ عقیدت و محبت ہے تو تم وہاں چراغ جلالو اور چادریں وہاں چڑھا لیا کرو پھر تم کو یہ بھی مفت مشورہ دیتے ہیں کہ اگر تمہیں ملتان کو شاہ شمس اور بہاؤ الحق کی نگری کہا جانا گوارا نہیں اور بندبوسن کی نگری کہا جانا پسند ہے تو پھر تمہیں چاہیے کہ شاہ شمس اور بہاؤ الحق کی نگری سے نکل کر بندبوسن کے قریب سب وہابی بندبوسن کے نام پر نگری آباد کرلو۔ اس پر کسی مسلمان کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا اس لیے کہ اگر کپڑے سے نجاست دور ہو جاتے تو اچھی بات ہے۔

وہابیوں کا یہ کہنا کہ آج کوئی یہ بات کہنے کو تیار نہیں کہ میں اپنی ماں بہن بیٹی کا عاشق ہوں مگر نبیؐ کے پیسے بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ ہم نبیؐ کے عاشق ہیں تو یہ نعوذ باللہ نقل کفر کفر نا باشد۔ نبیؐ ان کے معشوق ہوئے، کتنی زبردست میرے نبیؐ کی توہین ہے۔ (از جانب خادم خدام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم)

ان وہابیوں کی عقل و شعور کا ذرا جائزہ لیں کہ بجائے اس کے کہ اپنے اس دعویٰ پر کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق کہلانا جائز نہیں کوئی قرآن و حدیث سے عدم جواز پر دلیل پیش کرتے مگر یہ اس کے ناجائز ہونے کی دلیل یہ دے رہے ہیں کہ اس کا اطلاق ماں بہن اور بیٹی پر ناجائز و نامناسب ہے اس لیے اس کا اطلاق ذات مقدسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ناجائز و نامناسب ہے حالانکہ ان کا یہ کلیہ خود ساختہ اور لغو فضول اور گمراہ کن ہے۔

یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ زمانہ مبارکہ نبویہ سے اب تک ہر دور میں ہر ایک مسلمان خاص و عام فخر سے یہ کہتا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محب ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سب سے محبوب ہیں نیز قرآن و حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کو ایمان کی جان کا درجہ دیا گیا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی واضح

ہے کہ ہر ایک کو اپنے والدین اور بھائیوں بہنوں اور بیٹوں بیٹیوں سے محبت ہوتی ہے اور کہہ بھی دیتے ہیں کہ مجھے اپنے والدین اور بھائیوں بہنوں بیٹوں بیٹیوں سے محبت ہے تو لا محالہ محبت کرنے والا محب کہلائے گا اور جن سے محبت کرتا ہے باپ بھائی بیٹا اس کے محبوب ٹھہریں گے اور ماں بہن بیٹی اس کی محبوبہ مگر ماں بہن بیٹی کو اپنی محبوبہ کوئی بھی نہیں کہتا۔ اُدھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب کہنے میں ہر مسلمان فخر محسوس کرتا ہے۔ اِدھر سب اپنی ماں بہن بیٹی کو محبوبہ کہنے میں شرم و عار محسوس کرتے ہیں حالانکہ لازم معنی دونوں طرف یہ ہی بنتا ہے۔

اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ بول چال و گفتگو میں عُرف کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے لہٰذا بعض اوقات کسی چیز کا تلفظ اور الفاظ جُدا جُدا ہوتے ہیں لیکن لازم معنیٰ و مقصد سب کا ایک ہی ہوتا ہے مگر کوئی عرف میں معیوب و غیر حسن سمجھا جاتا ہے اور کسی کو اچھا، تو اس لیے جب متکلم کلام کرتا ہے وہ عُرف کا لحاظ کر کے معیوب سے اعراض کرتے ہوئے عرف میں پسندیدہ کو ترجیح دیتا ہے۔ مثلاً کوئی کہتا ہے یہ میری ماں ہے یا کہتا ہے یہ میرے باپ کی بیوی ہے تو لازم معنی دونوں جملوں کا یہی ہے کہ وہ اس کی والدہ ہے لیکن باپ کی بیوی کہنا عرف میں معیوب سمجھا جاتا ہے اس لیے باپ کی بیوی کہنے سے سب اجتناب کرتے ہیں اور امی، ماں، والدہ وغیرہ کہتے ہیں۔ اسی طرح یہ میرا باپ ہے یا میری ماں کا خاوند ہے لازم معنی دونوں کا یہی ہے کہ وہ اس کا والد ہے لیکن ماں کا خاوند کہنا عُرف میں معیوب سمجھا جاتا ہے اسی لیے ماں کا خاوند کہنے سے سب اجتناب کرتے ہیں اور باپ، ابا، والد وغیرہ کہتے ہیں۔

اس مذکورہ بالا بیان سے یہ معلوم ہو کہ یہ ضروری نہیں کہ جس چیز کی نسبت اپنی ماں بہن یا بیٹی کی طرف کرنا عرف میں عیب ہو اس کی نسبت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا بھی عرفاً عیب ہو۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وہابیوں نے اپنے

اس دعویٰ پر کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق کہلانا جائز نہیں بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے۔ کوئی قرآن وحدیث سے دلیل پیش نہیں کی مگر چونکہ سوادِ اعظم اہلِ سنت وجماعت ہی صراطِ مستقیم ہے اور اس کے تمام عقائد واعمال کی شریعت سے اصل و بنیاد ضرور ہوتی ہے۔

نبی کا عاشق کہلانا صرف جائز ہی نہیں بلکہ بہت بڑی سعادت ہے

اس لیے یہاں بھی اس پر کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق کہلانا اور عاشق ہونا صرف جائز ہی نہیں بلکہ بہت بڑی سعادت مندی ہے۔ دلیل پیش کی جاتی ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے الموضوعات الکبریٰ میں جو حدیث لکھنے کے بعد اس کے متعلق محدثین کا اظہارِ خیال بھی لکھتے ہیں اسے یہاں لکھ دیتا ہوں۔

مَنْ عَشِقَ فَعَفَّ فَكَتَمَ فَمَاتَ مَاتَ شَهِيْدًا۔ يُرْوٰى مِنْ طَرِيْقِ سُوَيْدِ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُسْهِرٍ عَنْ أَبِيْ يَحْيَى الْقَتَّاتِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا بِهٖ مَرْفُوْعًا بِلَفْظٍ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَهُوَ مِمَّا أَنْكَرَهُ ابْنُ مُعِيْنٍ وَغَيْرُهٗ عَلٰى سُوَيْدٍ حَتّٰى حَكَى الْحَاكِمُ عَنْ يَحْيَى بْنِ مُعِيْنٍ لَمَّا ذُكِرَ لَهٗ هٰذَا الْحَدِيْثُ قَالَ لَوْ كَانَ لِيْ فَرَسٌ وَرُمْحٌ غَزَوْتُ سُوَيْدًا۔ قَالَ السَّخَاوِيُّ وَلٰكِنَّهٗ لَمْ يَنْفَرِدْ بِهٖ فَقَدْ رَوَاهُ الزُّبَيْرُ بْنُ بَكَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا

عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ الْمَاجِشُوْنَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ عَنْ اِبْنِ اَبِیْ نَجِیْحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ بِہٖ مَرْفُوْعاً وَهُوَ سَنَدٌ صَحِیْحٌ وَقَدْ ذَكَرَهُ اِبْنُ حَزْمٍ فِیْ مَعْرِضِ الْاِحْتِجَاجِ فَقَالَ فَاِنْ اَهْلِكْ هَوًی اَهْلِكْ شَهِیْداً وَاِنْ تَمُنَّنْ بَقِیْتُ قَرِیْرُ عَیْنٍ۔

رَوٰی هٰذَا لَنَا قَوْمٌ ثِقَاتٌ نَاْوَا بِالصِّدْقِ عَنْ كِذْبٍ مَیْنٍ۔ وَقَالَ الزَّبِیْعُ تَعَفَّفْ اِذَا مَا یَحُلُّ بِالنَّخْلِ عَالِمًا بِكَوْنِ اِلٰهِیٍّ نَاظِرًا وَشَهِیْدًا۔ فَفِیْ خَبَرِ الْمُخْتَارِ مَنْ عَشِقَ كَاتِمًا هَوَاهُ اِذَا مَا مَاتَ مَاتَ شَهِیْدًا وَقَالَ السُّیُوْطِیُّ اَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ فِیْ تَارِیْخِ نِیْسَابُوْرِ۔ وَالْخَطِیْبُ فِیْ تَارِیْخِ بَغْدَادَ۔ وَاِبْنُ عَسَاكِرَ فِیْ تَارِیْخِ دِمَشْقَ۔ وَاَخْرَجَ الْخَطِیْبُ اَیْضاً مِنْ حَدِیْثِ عَائِشَةَ بِلَفْظٍ۔ مَنْ عَشِقَ فَعَفَّ ثُمَّ مَاتَ مَاتَ شَهِیْدًا۔ وَاَوْرَدَهُ الدَّیْلَمِیُّ بِلَا اِسْنَادٍ۔ اَلْعِشْقُ مِنْ غَیْرِ رِیْبَةٍ كَفَّارَةٌ لِلذُّنُوْبِ۔ (مذکورہ کتاب صفحہ ۲۳۸ تا ۲۳۹)

ترجمہ: جس نے عشق کیا پس پاک دامن رہا۔ پھر اپنے حال کو پوشیدہ رکھا پس عنداللہ وہ شہید مرا۔ اسے سوید بن سعید کے طریقہ سے علی بن مسہر سے اس نے ابی یحییٰ قتات سے اس نے مجاہد سے اس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مذکورہ متن کے علاوہ فَهُوَ شَهِیْدٌ کے اضافہ سے روایت کیا ہے اور وہ اس میں سے ہے جس کے راوی سوید کو ابن معین اور اس کے علاوہ نے ناپسند کیا ہے۔ حتیٰ کہ حاکم نے یحییٰ بن معین سے حکایت کیا ہے کہ جب اس کو یہ بیان کیا گیا اس نے کہا اگر میرے پاس گھوڑا اور نیزہ ہوتا تو سوید سے میں جنگ کرتا۔

حضرت امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، مگر سوید نے اکیلے بیان نہیں کیا پس تحقیق زبیر ابنِ بکار نے کہا ہمیں بیان کیا عبدالمالک بن عبدالعزیز بن ماجشون نے عبدالعزیز ابنِ ابی حازم سے اس نے ابن ابی نجیح سے اس نے مجاہد سے مرفوعاً اور وہ صحیح سند ہے اور بے شک اسے ابن حزم نے معرض الاحتجاج میں بیان کیا ہے تو کہا اگر اسے عشق نے ہلاک کیا شہید مرا، اور اگر اسی آرزو پر زندہ رہا آنکھ ٹھنڈی ہوئی اسے ہم کو ثقات حضرات نے بیان کیا ہے جو جھوٹ سے دور رہنے سچ کی طرف رغبت کرنے والے اور ابنِ ربیع نے کہا جس نے اپنے کو محفوظ رکھا جب تنہائی میں علیحدہ ہوا الٰہ العالمین کو دیکھنے والا اور موجود جانتے ہوئے تو مخاسکی روایت میں یوں ہے۔ پاک دامن رہا عشق کو چھپاتے ہوئے جب فوت ہوا شہید فوت ہوا اور علامہ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اسے حاکم نے تاریخ نیسابور میں اور خطیب نے تاریخ بغداد میں اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں لکھا ہے اور نیز خطیب نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے اس متن کے ساتھ بیان کیا ہے۔

مَنْ عَشِقَ فَعَفَّ ثُمَّ مَاتَ مَاتَ شَهِيْدًا۔ جس نے عشق کیا پس پاک دامن رہا پھر مرا وہ شہید مرا۔

اور دیلمی نے اسے بلا اسناد لکھا ہے کہ اَلْعِشْقُ مِنْ غَيْرِ رِيْبَةٍ كَفَّارَةٌ لِلذُّنُوْبِ۔ عشق بغیر شک کے کرتا گناہوں کا کفارہ ہے۔

مذکورہ احادیث جو سچے عشق کی فضیلت کے متعلق بیان ہوئی ہیں ان کا متن کچھ مختلف ہے جبکہ معنی و مقصد سب کا ایک ہی ہے جس سے ان کی صحت کی تائید ہوتی ہے۔

وضاحت: ان احادیث میں جس عشق پر اجر کا ذکر ہوا ہے اس سے مُراد حقیقی بھی ہے اور مجازی بھی۔ عشق حقیقی کو تو روحِ ایمان کا درجہ حاصل ہے اور عشق

مجازی والا بھی اگر نفسانی و شہوانی خواہشات کی تکمیل سے اجتناب کرے گا تو اجر کا مستحق ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں سات افراد کا ذکر کیا کہ وہ روزِ قیامت اللہ کی رحمت کے سایہ میں ہوں گے ان میں اس کو بھی شامل کیا جسے منصب و جمال والی عورت بُرائی پر بلاتی ہو اور اسے خوفِ خدا اس سے مانع ہو۔

ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ وہ ملک پاکستان جس کے حصول کی بنیاد ہی یہ تھی کہ پاکستان کا مطلب کیا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہ اس ملک میں اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہیں ہو گی مگر جب ملک فرنگیوں کے تسلط سے بظاہر آزاد ہوا تو اب پاکستان کا مطلب کیا قلندر باہو اور داتا ہو گیا۔ یعنی اب اس ملک میں ان بزرگوں کی پوجا ہو گی۔ (از جانب گدائے اولیاء)۔

میں ان وہابیوں سے پوچھتا ہوں اگر تمہارے نزدیک حصول پاکستان کا مطلب لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ ہی تھا تو پھر تم نے ان بزرگوں کی جو اس وقت اس عظیم مقصد کے حصول کی کوشش کر رہے تھے مخالفت کیوں کی؟ اور جبکہ تمام علماء و مشائخ اہلِ سنت اس وقت کی مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اپنے علیحدہ وطن ملک پاکستان کا مطالبہ کر رہے تھے تو تمہارے مولویوں نے اس وقت مسلم لیگ کو چھوڑ کر ہندو کانگریس کا ساتھ کیوں دیا اور صلح کلیہ کا مظاہرہ کیوں کیا؟ یہ تم پر واضح ہونا چاہیئے کہ وطنِ عزیز پاکستان کو اولیاء کرام کے غلاموں مزارات کو ماننے والوں نے ہی حاصل کیا تھا جن کی دل آزاری تمہارا وطیرہ بن چکا ہے۔ اور یہ جو تم الزام تراش رہے ہو کہ یہاں بزرگانِ دین اولیاء اللہ کی پوجا کی جاتی ہے یہ بے بنیاد و گمراہ کن اور حقیقت سے خالی ہے اس لیے کہ ایسا کوئی مسلمان نہیں جو کہ اہلِ مزارات اولیاء اللہ کو معاذ اللہ خدا یا خدا کا شریک و برابر سمجھتا ہو بلکہ سب ان اللہ والوں کو مقبول بارگاہِ الٰہی اور اس کے انعام یافتہ و افضل یافتہ

بندے سمجھتے ہیں اوران کی رضا اللہ کی رضا کا باعث اوران کی ناراضگی اللہ کی ناراضگی کا باعث سمجھتے ہیں۔

مزارات پر جو نذر نیاز پیش کی جاتی ہے اس کا مقصد اہلِ مزارات کو ایصالِ ثواب کرنا ہوتا ہے

اولیاء کرام کے مزارات پر جو نذرو نیاز پیش کی جاتی ہے اور لنگر تقسیم کیا جاتا ہے اس کا مقصد بھی ان حضرات قدسیہ کی ارواح مقدسہ کو ایصال ثواب کرنا ہوتا ہے تو شرک تب ہی بنے گا جب اللہ تعالیٰ کو بھی معاذ اللہ ایصالِ ثواب کیا جاتا ہو لیکن ایسا ہرگز نہیں بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت وطاعت مقصود ہوتی ہے۔ جس کا وہ ذات تعالیٰ لائق و مستحق ہے۔ نیز انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام کی بارگاہوں میں ان کے توسل سے دعا مانگنا یہ بھی شرک نہیں بلکہ جائز و ذریعہ قبولیت ہے اور قرآن سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید میں مذکور ہوا کہ آپ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو ان کے پاس بے موسمے تازہ پھلوں کو دیکھا تو پوچھا اے مریم یہ تمہارے پاس کہاں سے آتے ہیں۔ حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے کہا اللہ کے ہاں سے۔ تو جب حضرت زکریا علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ جائے قبولیت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں و برکتوں کی مظہر ہے، رب ذوالجلال کی بارگاہ میں بیٹے کے لیے دعا کی جیسا کہ قرآن نے اسے بیان کیا ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ۔

یہاں سے پکارا زکریا نے اپنے رب کو عرض کی اے میرے رب مجھے اپنے پاس سے ستھری اولاد عطا کر بے شک تو ہی سننے والا ہے۔

بزرگانِ دین کی بارگاہ میں دعا کے طریقوں کا بیان

واضح رہے کہ بزرگانِ دین کی بارگاہِ میں تین طریقوں سے دعا مانگی جاتی ہے۔ ایک یوں کہ ان کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا جیسے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے قحط کے زمانہ میں بارش کی دعا مانگا کرتے تھے دوسرا طریقہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی بارگاہ میں التجا کرنا کہ میری یہ مراد اللہ سے مانگ دو' اس کا ثبوت بھی مذکورہ بالا روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کی دعا کرواتے تھے۔

تیسرا طریقہ یہ کہ خود انہیں سے اپنی مراد مانگے با اعتقاد کہ یہ اللہ کے محبوب ومقبول بندے اللہ کے اذن واختیار سے اس کی نعمتیں تقسیم کرتے ہیں اور کائنات میں تصرف کرتے ہیں۔ مذکورہ تینوں طریقے جائز اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہیں۔ ان وہابیوں کی یہ عبارت پُر شرارت کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں لوگوں نے کہا کہ ہماری شہری آبادی پر جب ہندو گولے پھینکتے تھے لاہور راوی پل کے اُوپر سبز کرتوں والے بزرگوں نے بم کیچ کر کر کے دریا میں پھینکے۔ بہت بڑے باؤلر تھے۔ کاش یہ باؤلر پاکستانی کرکٹ ٹیم میں شامل ہوتے۔ کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں لیکن ۱۹۷۱ء میں نہ کرتوں والے بزرگ کچھ کام آتے نہ ہی جرنیلی نعرہ حیدری کام آیا اور وطن عزیز کا ایک بازو مشرقی پاکستان بیدردی سے کاٹ کر بنگلہ دیش بنا دیا گیا۔ (از جانب گدائے اولیاء)

۱۹۶۵ء کی جنگ میں جو کامیابی اللہ تعالیٰ نے افواج پاکستان کو عطا فرمائی اور جو عزت و سربلندی اللہ تعالیٰ نے قوم پاکستان کو عطا فرمائی اس کو پوری دنیا حیرت و تعجب کی نگاہوں سے دیکھتی تھی کہ بھارت جو پاکستان سے آبادی کے اعتبار سے چار پانچ گنا بڑا تھا۔ فوج و جنگی سامان بھی اس کے پاس پاکستان کی نسبت کئی گنا زیادہ تھا مگر اس نے اتنی مار کھائی اور اتنا نقصان اٹھایا کہ چند دنوں میں اسے مجبوراً گھٹنے ٹیکنے پڑے آخر سوچنا پڑے گا کہ پاکستانی فوج و قوم کے پاس کیا کمال تھا جس کی وجہ سے انہیں عظیم فتح و کامیابی حاصل ہوئی وہ یہ تھا کہ ان کے پاس جذبہ ایمانی اور مدد ربانی تھی تو مدد ربانی فرشتوں کے ذریعے بھی ہو سکتی ہے جیسے جنگِ بدر میں اور انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کے ذریعے بھی اس لیے کہ اگر بنی اسرائیل کی مدد تابوت جس میں انبیاء علیہم السلام کے تبرکات تھے کر سکتا ہے تو امتِ محمدیہ کے اولیاء کرام پاکستان کے اہلِ ایمان کی مدد کیوں نہیں کر سکتے۔

اگر بحوالہ قرآن سلیمان علیہ السلام کی امت کا ولی تخت بلقیس پلک جھپکنے سے پہلے لا سکتا ہے تو امتِ محمدیہ کے اولیاء اللہ ہندوؤں کے گولے پکڑ کے دریا میں کیوں نہیں پھینک سکتے؟

ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں نہ سبز کرتوں والے بزرگ کچھ کام آئے اور نہ ہی نعرہ حیدری کام آیا۔ ان وہابیوں کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں قوم کا اپنا شیرازہ ہی بکھرا ہوا تھا۔ آپس میں دست و گریباں تھے۔ بھائی بھائی کا خون کر رہا تھا تو بھارتی مکاروں عیاروں نے موقع پا کر روس و امریکہ سے گٹھ جوڑ کر کے مشرقی پاکستان کو جدا کر دیا تو مقصد یہ ہے کہ جب مسلمان ہی آپس میں لڑ رہے تھے تو اولیاء اللہ کس کی مدد کرتے، مگر میں ان نجدیوں سے پوچھتا ہوں جو اہل پاکستان [illegible] اڑا رہے ہیں اور انہیں اولیاء کرام کے کام نہ آنے کا طعنہ دے رہے

ہیں اور اولیاء اللہ کے متعلق زبان درازیاں کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں ۱۹۷۱ء کی جنگ میں نہ کچھ بزرگانِ دین کام آئے نہ ہی نعرہ حیدری کام آیا۔ اگر یہ بات ہندو کہہ دیں کہ اے مسلمانوں ۶۵ء کی جنگ میں تو تم کہتے تھے کہ ہمیں یہ عظیم فتح و کامیابی اس لیے حاصل ہوئی کہ ہمارا رب سچا اور قدرت والا ہے اس کی مدد سے ہمیں فتح حاصل ہوئی تو بتاؤ کہ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں تمہارا رب سچا اور قدرت والا تمہارے کام کیوں نہ آیا اور تمہاری مدد کو کیوں نہ پہنچا تو کیا جواب دو گے؟ پھر تم سے پوچھتا ہوں کہ اولیاء عظام کے عقیدت مند غلاموں کو یہ کہہ رہے ہو کہ اولیاء عظام کمزور و بے اختیار ہیں اس لیے وہ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں تمہارے کچھ کام نہ آئے۔ یہ بھی ذرا بتلاؤ کہ جب کویت پر عراق نے قبضہ کیا تو تمہارے نجدی سعودی بادشاہوں اور حکمرانوں کو اپنی حکومت و بادشاہی کی فکر ہوئی تب انہوں نے تمام دشمنانِ اسلام کفار و مشرکین یہود و نصاریٰ کو بلا لیا کہ تم آکر ہماری بادشاہی کو بچاؤ اور حرمین شریفین کی حفاظت کرو۔ کیا تمہارے نجدی سعودی حکمرانوں کو خدا غالب و برتر پر کوئی بھروسہ نہ تھا اور اس حقیقی مددگار کی مدد پر انہیں کچھ یقین نہ تھا کہ انہوں نے اللہ جل شانہ کو اس لائق بھی نہ سمجھا کہ وہ اپنے گھر اور اپنے حبیبؐ کے روضہ کی حفاظت کر سکے گا۔ تو حرمین کی حفاظت کے لیے حرمین کے ازلی دشمنوں کو بلا لیا اور اسلام کی حفاظت کے لیے اسلام کے ابدی دشمنوں کو بلا لیا۔

باب ہفتم

اس میں دو فصلیں آئیں گی اول میں وہابیوں کے رسالہ مجلۃ الدعوۃ کی گستاخانہ عبارت لکھی جائے گی اور دوم میں اس عبارت کا تنقیدی جائزہ لیا

جائے گا۔

فصل اوّل : مذکورہ رسالہ کی گستاخانہ عبارت کے بیان میں۔

وہ یوں ہے۔ سنا ہے پاک پتن میں ایک جنتی دروازہ بھی ہے جس میں سے گزرنے کو لوگ اپنی سعادت سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ پولیس کے ڈنڈے کھا کر بھی اس دروازے سے گزرتے ہیں لیکن اس دروازے کو جنتی دروازہ کس نے قرار دیا؟ اللہ تعالیٰ کا قرآن اور نبیؐ کا فرمان اس بارے میں خاموش ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اور نبیؐ کسی بات کو بیان نہ کریں تو کیا کسی اور کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی طرف سے ایسا حکم جاری کرے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا راستہ ایک ہی راستہ ہے جو صراطِ مستقیم (سیدھا راستہ) ہے اور جو جنت کو جاتا ہے جبکہ دوسرے تمام راستے شیطان کے راستے ہیں اور جو ضلالت و گمراہی کے راستے ہیں اور جن کا آخری سرا جہنم پر جا ختم ہوتا ہے۔ چند سطریں آگے چل کے لکھتے ہیں۔

دنیا میں اگر کوئی جنتی جگہ ہے تو اس کا بیان بھی رسولؐ اللہ نے ان الفاظ میں فرما دیا ہے۔

مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ۔

میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

صحیح بخاری کتاب المناسک باب کراہیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تعری المدینۃ صحیح مسلم کتاب الحج۔

ہمارا ایمان ہے کہ واقعی یہ جنت کا ایک باغ ہے اور رسولؐ اللہ نے سچ فرمایا ہے اور جنت کا یہ باغ رسولؐ اللہ کی قبر کے ساتھ ہی ہے۔ کئی لوگوں نے جنتی دروازہ بنا کر رسولؐ اللہ کے ساتھ مقابلہ کی تو نہیں ٹھان لی ہے؟ کیوں کہ

قبروں پر ہر سال میلے اور عرس منا کر وہ حج کا مقابلہ تو پہلے ہی سے کرتے رہے ہیں اگر ایسا ہی ہے تو پھر اس بہشتی دروازے کو ہمیشہ کے لیے بند کر دینا چاہیئے، مگر کیا کیا جائے اس ملک کا باوا آدم ہی نرالا ہے یہاں اسلام کے خلاف ہر چیز کو برداشت کیا جاتا ہے اور ہر کھلے کفر کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ مجلۃ الدعوۃ ص۲۷ شمارہ ستمبر ۱۹۹۴ء۔

فصل دوم: وہابیوں کے رسالہ مجلۃ الدعوۃ کی مذکورہ عبارت پر تنقیدی جائزہ میں۔

ان وہابیوں کا یہ کہنا... لیکن اس دروازے کو جنتی دروازہ کس نے قرار دیا؟ اللہ تعالیٰ کا قرآن اور نبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس بارے میں خاموش ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اور نبیؐ کسی بات کو بیان نہ کریں تو کیا کسی اور کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی طرف سے ایسا حکم جاری کر دے؟ از جانب گدائے اولیاء۔

سیدنا شیخ فریدالدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا جنتی دروازہ کسی نے اپنے پاس سے نہیں بنایا

فریدالدین گنج شکر کے روضہ کا جنتی دروازہ کسی نے اپنے پاس سے نہیں بنایا بلکہ اس کے متعلق روایت یوں ہے کہ شیخ الاسلام سیدنا بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے وصال سے بعد آپ کے مرید سعید محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ جو شخص اس دروازے سے گزرے گا جنتی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

مَنْ دَخَلَ هٰذِهِ الْبَابَ اٰمِنَ
جو اس دروازہ میں داخل ہوا امن میں آ گیا۔
اب اس ارشادِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا کہ فرید گنج شکر کے جنتی دروازے کو خود خالق کائنات رب ذوالجلال اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی دروازہ قرار دیا ہے اور کسی نے نہیں۔ نیز میں کہتا ہوں کہ اگر مزار فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص ارشاد نہ بھی ہوتا پھر بھی اہلِ ایمان کو اولیاء اللہ کے مزارات کے دروازوں کے جنتی ہونے میں کوئی شک نہیں اس لیے کہ ہر مومن مخلص کی قبر بھی جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم جلد ثانی صفحہ ۳۸۶ کی حدیث اس امر پر شاہد ہے۔

ہر مومن مخلص کی قبر جنّت کا باغ ہے

عَنْ قَتَادَةَ نَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰى عَنْهُ اَصْحَابُهٗ اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ قَالَ يَاْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ قَالَ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّهٗ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ قَالَ فَيُقَالُ لَهٗ اُنْظُرْ اِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ اَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا قَالَ قَتَادَةُ وَذُكِرَ لَنَا اَنَّهٗ يُفْسَحُ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا وَيُمْلَاُ عَلَيْهِ

خُضْرًا اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔

میت، دفنا کے جانے والوں کے

پاؤں پوشوں کی آواز سنتا ہے!

حضرت قتادہ کہتے ہیں ہم کو انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک بندہ کو جب اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے پاس سے جب لوگ واپس پلٹتے ہیں تو بلا شبہ ضرور وہ ان کے پاؤں پوشوں کی آہٹ کو سنتا ہے۔ فرمایا اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں پس اسے بٹھا دیتے ہیں تو اسے کہتے ہیں تو اس شخصیت کے متعلق کیا کہتا تھا فرمایا پس بہر حال جو مومن ہے وہ تو کہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک وہ اللہ کا بندہ خاص اور اس کا رسول ہے فرمایا پھر اسے کہا جاتا ہے اپنے دوزخ کے ٹھکانے کو دیکھ، اب اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ تجھے جنت سے مسکن بدل دیا ہے۔ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس وہ ان دونوں جگہوں کو پوری طرح دیکھ لیتا ہے۔

حضرت قتادہ نے کہا کہ انس رضی اللہ عنہ نے ہم کو بیان کیا کہ اس کی قبر میں اس کے لیے ستر گز وسعت دی جاتی ہے اور یوم نشور تک اس کی قبر گلزار بنا دی جاتی ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر مومن مخلص کی قبر جنت کے باغوں میں سے باغ ہے پھر اولیاء کرام جو کہ کامل و اکمل مومن ہیں ان کے مزارات جنت کے باغ کیوں نہیں؟

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں

فائدہ اس نص حدیث سے اقتضاءً ثابت ہوا کہ مومنین اپنی قبور میں زندہ ہیں اس لیے کہ صرف جسم بے جان کے لیے قبر میں وسعت و راحت بے مقصد بے معنی ہے۔ نیز اسی حدیث سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر ناظر ہونا بھی ثابت ہوا۔ بریں وجہ کہ ایک ہی دن میں کائنات ارضی کے مختلف حصوں اور گوشوں میں ہزار ہا افراد فوت ہوتے ہیں جن کی مقابر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں یہ حاضر و ناظر ہونے پر واضح دلیل ہے۔ ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ دنیا میں اگر کوئی جنتی جگہ ہے تو اس کا بیان بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرما دیا ہے۔

مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ۔

میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ واقعی یہ جنت کا ایک باغ ہے اور رسول اللہ نے سچ فرمایا ہے اور جنت کا یہ باغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے ساتھ ہی ہے کہیں لوگوں نے جنتی دروازہ بنا کر رسول اللہ کے ساتھ مقابلہ کی تو نہیں ٹھان لی ہے کیونکہ قبروں پر ہر سال میلے اور عرس منا کر وہ حج کا مقابلہ تو پہلے ہی سے کر رہے ہیں اگر ایسا ہی ہے تو پھر اس جہنمی دروازہ کو ہمیشہ کے لیے بند کر دینا چاہیئے مگر کیا کیا جائے کہ اس ملک کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ یہاں اسلام کے خلاف ہر چیز کو برداشت کیا جاتا ہے اور کھلے کفر کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ از جانب گدائے اولیاء۔

میں ان وہابیوں سے پوچھتا ہوں اگر واقعی تم روضۂ رسول صلی اللہ علیہ

وسلم کو جنتی جگہ مانتے ہو تو پھر لوگوں کو اس جنتی جگہ کی زیارت سے کیوں روکتے ہو؟ اور زائرین روضہ اقدس پر شرک کے فتوے کیوں لگاتے ہو؟ اور اس کی طرف سفر کو حرام کیوں کہتے ہو؟ اور تمہارے امام و پیشوا ابن عبدالوہاب نجدی نے اس جنتی جگہ (روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کو معاذ اللہ مِنْ ذَالِكَ الْخَبَاثَةِ صنم اکبر کیوں کہا؟ نیز اگر تم روضۂ انور نبی سرور صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعی جنتی جگہ مانتے ہو تو پھر صاحب روضہ مقدسہ کو مُردہ کیوں کہتے ہو۔ کیا جنت زندوں کے لیے ہے یا کہ مُردوں کے لیے؟

ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ کہیں لوگوں نے جنتی دروازہ بنا کر رسول اللہؐ کے ساتھ مقابلہ کی تو نہیں ٹھان لی۔ جی نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ کرنا سنی حنفی بریلوی حضرات کی عادت ہرگز نہیں۔ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی ساری خدائی کے سردار و مختار اور امام الانبیاء و سید الرسل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کائنات میں سے انبیاء و رُسل افضل ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد پھر نوع انسانیہ میں سے سب سے بلند مرتبہ اہلِ بیعت صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے پھر تابعین کا مرتبہ ان کے بعد تبع تابعین رضوانُ اللہ علیہم اجمعین کا مقام ہے ان کے بعد درجہ بدرجہ اولیاء کرام کی شان و مرتبہ ہے جن میں سے سیدنا حضرت فریدالدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ بھی ہیں۔ اب یہ وہابی بتائیں کہ اتنے فرق و امتیاز کے بعد روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور روضہ فرید رحمتہ اللہ علیہ کے درمیان مقابلہ کرنے کا ہُوا۔ وہ رسول ہے یہ اُمتی ہے وہ آقا ہے یہ غلام ہے وہ عطا کرنے والا ہے اور یہ ان سے لینے والا ہے پھر مقابلہ کرنے کا ہوا۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ و موازنہ کرنا وہابیوں اور دیوبندیوں کی عادت

قدیمہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ اپنی مثل کہتے ہیں۔ پیشوائے طائفہ وہابیہ و دیوبندیہ اسمٰعیل دہلوی صاحب نے تقویۃ الایمان میں یہاں تک کہہ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بڑے بھائی ہیں ہم ان کے چھوٹے بھائی ہیں۔ اُمتی عمل میں انبیاء سے بڑھ جاتے ہیں۔ تحذیر الناس مصنفہ قاسم علی نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند۔

ان وہابیوں کا یہ کہنا.... کیونکہ قبروں پہ ہر سال میلے اور عرس منا کر وہ حج کا مقابلہ تو پہلے ہی سے کر رہے ہیں اگر ایسا ہی ہے تو پھر اس جہنمی دروازہ کو ہمیشہ کے لیے بند کر دینا چاہیئے۔

میں ان نجدیوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر بزرگانِ دین کے عرسوں پہ اجتماع کرنے سے تمہارے نزدیک حج کا مقابلہ ہو جاتا ہے تو پھر تمہارے سالانہ جلسوں اور آئے دن جلسوں اور جلوسوں پہ ہر طرف سے قوم نجدیہ کو جمع کرنے سے حج کا مقابلہ نہیں ہوتا؟ پھر بتاؤ کہ عرس کرنے والوں نے یہاں کوئی معاذ اللہ کعبۃ اللہ یا عرفات یا منیٰ و مزدلفہ یا صفا و مروہ بنا رکھا ہے جس وجہ سے حج کے ساتھ مقابلہ کا خطرہ پیدا ہو گیا؟ پھر ان بدبختوں کے بغض و عداوت کا اندازہ کریں کہ مزار بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا وہ دروازہ جو اہلِ ایمان عقیدتمندوں کی بوسہ گاہ ہے یہ شقیانِ عالم اسے جہنمی دروازہ کہہ رہے ہیں۔

باب ہشتم

اس میں تین فصلیں آئیں گی۔ اوّل میں وہابیوں کے رسالہ مجلۃ الدعوۃ کی گستاخانہ عبارت لکھی جائے گی دوم میں اس پہ تنقیدی جائزہ۔ سوم میں وہابیوں کے مذکورہ رسالہ میں جس حدیث کی غلط مراد بتائی گئی اس کی صحیح مراد کو واضح

کرنے کے لیے علماءِ شارحین سے چند حوالے پیش کیے جائیں گے۔

فصل اوّل: مذکورہ رسالہ کی گستاخانہ عبارت کے بیان میں لکھتے ہیں۔

مسلم حکمران سب سے پہلے شرک کے آستانوں کا قلع قمع کرتا ہے۔ اللہ جب ان کو خلافت عطا فرمائیں گے ان کو زمین کے خلیفہ بنائیں گے تو ان کی حالت کیا ہو گی۔ ان کی زندگی کا عملی نقشہ کیا ہو گا۔ اللہ فرماتے ہیں یَعْبُدُوْنَنِیْ وہ صرف میری عبادت کریں گے وَلَا یُشْرِکُوْنَ بِہٖ شَیْئًا وہ میرے ساتھ کسی طرح کا شرک نہیں کریں گے۔ اللّٰہُ اَکْبَرُ ذرا اندازہ کریجیے اس اقتدار کا اور مسلمان ملکوں کے حکمرانوں کے موجودہ زمانہ کے اقتدار کا، اسلام کے نام پر لوگوں سے ووٹ لیتے ہیں جب برسر اقتدار آجاتے ہیں تو کھانا بعد میں کھاتے ہیں اور قبوری شرک سب سے پہلے کرتے ہیں اس کے لیے مجبور ہوتے ہیں۔ بعض اوقات تو ان کا اعتقاد انہیں اس بات پر مجبور کرتا اور بعض اوقات بلکہ زیادہ تر ایسا ہوتا ہے کہ اقتدار حاصل کرنے کے جو ذرائع ہیں ان کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ فوراً شرک کریں۔ کسی نہ کسی مٹی کی ڈھیری پر جا کر اپنا ایمان ذبح کر دیں اپنا دین قربان کر دیں اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ ہم جن لوگوں کے ووٹوں سے منتخب ہوئے ہیں جنہوں نے ہمیں صدر بنایا ہے جنہوں نے ہم کو وزیر اعظم بنایا ہے جنہوں نے ہم کو قومی اسمبلی کا سپیکر بنایا ہے جن کی بدولت ہمیں وزارت ملی ہے اقتدار ملا ہے وہ اسی طرح راضی ہوں گے اگر ہم نے ان کو ناراض کر لیا تو اقتدار باقی نہیں رہے گا، وہ شرک کی کشتی پر سوار ہو کر ایوان اقتدار پر پہنچے ہیں لہٰذا وہ ساحل پر جب لگتی ہے تو سب سے پہلے قبروں ہی پر ڈھیری ہوتے ہیں۔ ان کو حالات مجبور کرتے ہیں اب یہ کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں ہم مسلمان ملکوں کے سربراہ بنے ہوتے ہیں ہم اسلامی ملک کے صدر ہیں یا وزیر اعظم ہیں اور اللہ فرماتے ہیں

جن کو میں خلیفہ بناؤں گا جو میرے مسلمان مومن بندے ہوں گے، جن کو میں خلافت ارضی عطا کروں گا سب سے پہلا نقشہ ان کی زندگی کا یہ ہوگا کہ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وہ میرے ساتھ ہر طرح کے شرک کی نفی کریں گے۔

سب سے پہلا نقشہ یہ ہوگا اور یہ حکمران ہیں کہ اقتدار سنبھالتے ہی سب سے پہلے سب سے بڑا شرک کرتے ہیں اور سب سے بڑا شرک یہ قبوری شرک ہے۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم نزع میں سکرات کے وقت امت کو نصیحت فرمائی۔ لوگو خیال کرنا۔

لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدًا۔ اللہ نے یہود و نصاریٰ پر اس وجہ سے لعنت کی کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ مجلۃ الدعوۃ ص۱۵، شمارہ اکتوبر ۱۹۹۴ء

فصل دوم: وہابیوں کے رسالہ کی مرقومہ بالا عبارت پر تنقیدی جائزہ میں۔ از جانب گدائے اولیاء۔

ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ مسلم حکمران سب سے پہلے شرک کے آستانوں کا قلع قمع کرتا ہے۔ واضح ہو کہ شرک کے آستانے یہ بدباطن انبیاء و اولیاء و شہداء کے مزارات کو کہہ رہے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ان نجدیوں کے نزدیک خلافت و امارت کا حق دار وہی شخص بدبخت ہو سکتا ہے جو بتوں اور مشرکین و کفار کو ختم کرنے سے پہلے مزارات اور ان سے عقیدت و محبت کی وجہ سے ان پر حاضری دینے والے مسلمانوں کو ختم کرے کیونکہ کفار و مشرکین سے جہاد کرنا اور کفر و شرک کو ختم کرنا اور بتوں کو توڑنا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سنت ہے اور مزارات کو گرانا

اور مزارات سے عقیدت محبت رکھنے والے مسلمانوں سے مقابلہ کرنا یہ ابوالوہابیہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی سنت ہے اسی لیے یہ حضرات اپنے باپ و پیشوا کی سنت کو زندہ رکھنا اور اس پر عمل کرنا لازم و ضروری جانتے ہیں۔ بلاشبہ ہمارے نبیؐ غیب دان رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ وسلم نے سچ فرمایا۔ صحیح بخاری جلد اوّل ص۴۷۲ پر حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص آیا جس کا حلیہ اور واقعہ ملاحظہ ہو۔

قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہ اُترے گا، فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم

فَاَقْبَلَ رَجُلٌ غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ مُشْرِفُ الْوَجْنَتَيْنِ كَثُّ اللِّحْيَةِ مَحْلُوقٌ فَقَالَ اِتَّقِ اللّٰهَ يَا مُحَمَّدُ فَقَالَ مَنْ يُّطِيعُ اللّٰهَ اِذَا عَصَيْتُ اَيَامَنُنِي اللّٰهُ عَلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ فَلَا تَاْمَنُوْنِي فَسَئَلَ رَجُلٌ قَتْلَهٗ اَحْسِبُهٗ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ فَمَنَعَهٗ فَلَمَّا وَلّٰى قَالَ اِنَّ مِنْ ضِئْضِئِ هٰذَا قَوْمًا يَّقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ مُرُوْقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ يَقْتُلُوْنَ اَهْلَ الْاِسْلَامِ وَيَدَعُوْنَ اَهْلَ الْاَوْثَانِ لَئِنْ اَنَا اَدْرَكْتُهُمْ لَاَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ ۔

پس ایک شخص آیا دھنسی آنکھوں اُونچی کنپٹی اُبھری پیشانی، گھنی داڑھی والا سر منڈا ہوا تو اس نے کہا اے محمد اللہ سے ڈرو تو فرمایا اگر میں اس کی نافرمانی

کروں تو اللہ کی اطاعت، کون کرے گا۔ مجھے اللہ تعالیٰ زمین والوں کے لیے امین بنائے اور تم مجھے امین نہ جانو۔ ایک شخص نے اس کے قتل کی اجازت مانگی۔ راوی کہتا ہے کہ میں اسے خالد بن ولید خیال کرتا ہوں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منع کر دیا۔

جب وہ چلا گیا تو فرمایا بے شک اس کی نسل سے ایک قوم ہو گی جو قرآن پڑھیں گے قرآن ان کے گلے سے نہ اُترے گا وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے۔ وہ اہلِ اسلام کو قتل کریں گے اور بُت پرستوں کو چھوڑیں گے۔ اگر میں انہیں پاؤں تو ضرور انہیں قوم عاد کی طرح قتل کروں۔

مندرجہ بالا حدیث پاک سے مندرجہ ذیل مسائل ثابت ہوئے۔

(۱) اس سے ثابت ہوا کہ نبی معصوم ہوتا ہے اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو کسی کے لیے بھی مطیع فرمانبردار رہنا ممکن نہ ہو۔ یعنی اگر میں معصوم ہو کر بھی تمہارے زعم میں انصاف نہیں کرتا تو جو معصوم ہی نہیں وہ مطیع و فرمانبردار کیسے رہ سکتا ہے؟

(۲) یہ ثابت ہوا کہ گستاخِ رسول واجب القتل ہے اسی لیے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یا دوسری روایت کے مطابق عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کی اجازت مانگی تو حضور رحمتِ دو عالم نے اسے قتل کرنے کی اجازت اس لیے نہ دی کہ اس کا قتل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق تھا تو آپ نے بتقاضائے رحمت اس کو معاف فرما دیا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل سے اس لیے منع فرمایا کہ آپ نظرِ نبوت سے گویا دیکھ رہے تھے کہ اللہ کو اسکی نسل پیدا کرنا مقصود ہے جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہے۔

(۴) یہ ثابت ہوا کہ نبی کے گستاخ کو قرآن پڑھنا بھی کچھ نفع نہیں دیتا۔
مذکورہ بالا حدیث میں جو اسکی نسل کا ذکر کیا گیا ہے وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کی زبانوں پر ہی رہے گا حلقوں سے نیچے نہیں اترے گا نسل سے مراد اس کے عقائد کے پیروکار ہیں۔ ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ...... ذرا اندازہ کریجیے اس اقتدار کا اور مسلمان ملکوں کے حکمرانوں کے موجودہ زمانہ کے اقتدار کا، اسلام کے نام پر لوگوں سے ووٹ لیتے ہیں جب برسر اقتدار آجاتے ہیں تو کھانا بعد میں کھاتے ہیں اور قبوری شرک سب سے پہلے کرتے ہیں۔ از جانب گدائے اولیاء...... زیارت قبور کو قبوری شرک کا نام دینا اور زائرین قبور کو مشرک کہنا یہ وہابیوں کے سوء کارناموں میں سے ایک کارنامہ ہے۔
زمانہ رسالت ﷺ سے لے کر ہر دور میں اہل ایمان خاص و عام زیارت قبور کرتے رہے ہیں بالخصوص صالحین کی قبور کی زیارت کو علماء و فقہاء نے باعث برکت و باعث سعادت کہا ہے مگر قبوری شرک کا نام سوائے وہابیوں کے اور کسی نے بھی نہیں دیا۔ شرک تو تب ہو جب کوئی انہیں مستحق عبادت جان کر انواع عبادات میں سے کوئی ان کے لیے کرے۔ اگر مذکورہ صورت نہ ہو بلکہ عبادت خدا تعالیٰ کی کرنا مقصد ہو لیکن اہل مزارات و قبور کو ایصال ثواب کرنا نیت ہو تو یہ شرک نہیں بلکہ مطابق سنت ہے۔ نیز انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کے مزارات پر حاضر ہو کر ان سے استمداد و استغاثہ کرنا یا دین و دنیا کی حاجات طلب کرنا باعتقاد کہ یہ اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندے ہیں اگر میرے لیے بارگاہ رب العزت میں دعا کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ اسے رد نہیں کرے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اذن و اختیار سے اس کے خزانوں کو تقسیم کرتے ہیں اور اس کے ملک میں تصرف کرتے ہیں تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں اور یہی

بفضلِ تعالیٰ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ سعیدہ ہے۔ اب ان وہابیوں پر یہ بھی واضح کردوں کہ اگر تم سُنی حنفی بریلوی مسلمانوں پر قبور صالحین کی زیارت کی بنا پر قبوری شرک کا فتویٰ لگاتے ہو تو پھر تمہارے فتوے کی زد سے نہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام بچے اور نہ خلفائے راشدین بچ سکے اس لیے کہ حدیث شریف میں زیارتِ قبور کے متعلق ان کا معمول یوں بیان ہوا ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْ قُبُوْرَ الشُّهَدَاۤءِ عِنْدَ رَأْسِ الْحَوْلِ فَيَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ قَالَ كَانَ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ يَفْعَلُوْنَ ذَالِكَ۔ مصنف عبدالرزاق۔

محمد بن ابراہیم تیمی سے روایت ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے آخر میں شہداء کرام کی قبور پر تشریف لاتے تو پڑھتے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔

راوی نے کہا کہ خلفاءِ ثلٰثہ ابوبکر وعمر وعثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی معمول رہا۔ ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ:۔

اور یہ حکمران ہیں کہ اقتدار سنبھالتے ہی سب سے پہلے سب سے بڑا شرک کرتے ہیں اور سب سے بڑا شرک یہ قبوری شرک ہے۔ جی ہاں قبروں پر جانا اس لیے بڑا شرک ہے کہ اسے فرقہ وہابیہ کے پیشواؤں نے ایجاد کیا ہے اور اس کے علاوہ سب شرک مثلاً بتوں کو پوجنا چاند وسورج کو پوجنا آتش کی پوجا وغیرہ فرقہ نجدیہ کے نزدیک اس لیے چھوٹا شرک ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تو یہ وہابی تو اسی شرک کو اہمیت دیں گے جسے ان کے پیشواؤں اور اماموں نے ایجاد کیا کیونکہ اندھی تقلید کا یہی تقاضا ہے۔

یہاں پر میں ان الدعوۃ والارشاد نامی تنظیم ناسلیم کے نجدیوں سے یہ پوچھتا ہوں کہ یہ جو تم جہاد کے نام پر اپنے نجدیوں کو اکٹھا کر رہے ہو اور ڈھنڈورا پیٹ رہے ہو کہ ہم جی کشمیر میں ہندوؤں سے جہاد کرتے ہیں۔ اگر تمہارے نزدیک اولیاء کرام کے مزارات پہ حاضری دینے والے بڑے مشرک ہیں اور ہندو بت پرست چھوٹے مشرک تو پھر جو تمہارے نزدیک بڑے مشرک ہیں ان سے جنگ کرو گے یا جو تمہارے نزدیک چھوٹے مشرک ہیں ان سے؟ اگر تمہارا کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے جنگ کرنا مقصد ہوتا تو تم اہل اسلام میں اتحاد و صلح کی کوشش کرتے لیکن یہ تمہارا رویہ جو مسلمانوں کے عقائد و معمولات کا مذاق اڑا رہے ہیں اور بات بات پر انہیں کافر و مشرک کہہ رہے ہو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تم بھی اپنے بڑوں اور پیشواؤں کی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے غلاموں، مزارات کے ماننے والوں سے ہی خانہ جنگی کے خواہاں ہو۔ نیز یہ بات بھی خارج از امکان نہیں کہ اب جب یہ سطور لکھی جا رہی ہیں اس سے تین چار ماہ قبل جو مقبوضہ کشمیر میں واقع مزار حضرت بل رحمۃ اللہ علیہ کو آگ لگائی گئی تھی وہ ان بد بختوں کا ہی کارنامہ ہو۔

فصل سوم: اس فصل میں وہابیوں کے رسالہ مجلۃ الدعوۃ میں جس حدیث کی غلط مراد بیان کی گئی اس کی صحیح مراد کو واضح کرنے کے لیے علماء شارحین سے چند حوالے پیش کیے جائیں گے۔

پہلے وہ حدیث جس سے یہ انبیاء و اولیاء کے مزارات کی زیارت کے شرک ہونے پہ استدلال کر رہے ہیں ملاحظہ ہو۔

لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ۔ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر اس لیے لعنت کی کہ انہوں نے اپنے

نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

اگر حقیقت کو دیکھا جائے تو یہ حدیث شریف اہلِ سنت وجماعت کے معمولات وعقائد کے خلاف نہیں اس لیے کہ اس میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر اس وجہ سے لعنت کی کہ وہ اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے تو اس کے بفضلہ تعالیٰ ہم اہلِ سنت بھی قائل ہیں کہ سجدہ دین اسلام میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے لیے بھی جائز نہیں۔ بلکہ یہی حدیث پاک خود وہابیوں کا رد کر رہی ہے اس لیے کہ اس حدیث شریف میں تو یہود و نصاریٰ پر لعنت کی علت یہ بیان ہوئی کہ وہ اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ کرتے تھے تو اس میں یہ کہا ہے کہ ان پر لعنت اس لیے ہوئی کہ وہ اپنے انبیاء کی قبور کی زیارت کیا کرتے تھے یا ان کی قبور پر دعا مانگا کرتے تھے؟ اور یہ وہابی لوگوں کو اس سے بھی روک رہے ہیں۔ اب اس کی مزید وضاحت کے لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کن افعال کی بنا پر یہود و نصاریٰ پر لعنت کی۔

ایک حدیث پیش کرتا ہوں:۔

عَنْ عَائِشَةَ اِنَّ اُمَّ حَبِیْبَةَ وَ اُمَّ سَلْمَةَ ذَكَرَتَا كَنِیْسَةً رَاَتَاهَا بِالْحَبْشَةِ فِیْهَا تَصَاوِیْرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُولٰٓئِكَ اِذَا كَانَ فِیْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلٰی قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوْا فِیْهِ تِلْكَ الصُّوَرُ اُولٰٓئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (نسائی جزو اول ص۱۱۵)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ام حبیبہ

اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے واقعہ بیان کیا کہ انہوں نے ایک کنیسہ حبشہ میں دیکھا کہ اس میں تصویریں تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بے شک وہ لوگ جب ان میں کوئی نیک آدمی ہوتا پس وہ فوت ہوتا تو اس کی قبر پر مسجد بناتے اور تصویریں بناتے اس میں یہی تصویریں وہی لوگ روزِ قیامت اللہ کے ہاں شرار الخلق ہوں گے۔"

اس حدیث میں یہود و نصاریٰ کے دو جرم بیان ہوئے ہیں جو عتابِ لعنت کا باعث بنے ایک یہ کہ جب انبیاء و صالحین میں سے کوئی فوت ہوتا تو اس کی قبر پر بھی مسجد بنا دیتے۔ مسجد بنانے سے مراد یا تو قبریں مسمار کر کے ان پر مسجد بنانا ہے تو یہ شرعاً حرام ہے اس لیے کہ اس میں توہینِ مقابر ہے یا مسجد بنانے سے مراد معنوی مسجد ہے یعنی سجدہ گاہ۔ اس صورت میں قبور کو تعظیماً سجدہ کرنا حرام ہے اور عبادتاً شرک' دوسرا جرم ان کا یہ بیان ہوا کہ وہ انبیاء و صالحین کی تصویریں بنا کر ان کو مسجد میں معلق کرتے یا قبروں کے پاس رکھ کر ان کی طرف سجدہ کرتے۔

اب مذکورہ حدیث کے متعلق شارحین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

قَوْلُہٗ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ۔ کَانُوْا یَجْعَلُوْنَ قِبْلَۃً یَسْجُدُوْنَ اِلَیْھَا فِی الصَّلٰوۃِ کَالْوَثْنِ وَاَمَّا مَنْ اتَّخَذَ مَسْجِدًا فِیْ جِوَارِ الصَّالِحِ اَوْصَلّٰی فِیْ مَقْبَرَۃٍ قَاصِدًا بِہِ الْاِسْتِظْھَارَ بِرُوْحِہٖ اَوْ وُصُوْلَ اَثَرٍ مِّنْ آثَارِ عِبَادَتِہٖ اِلَیْہِ لَا التَّوَجُّہَ نَحْوَہٗ وَالتَّعْظِیْمَ لَہٗ فَلَا حَرَجَ فِیْہِ اَلَا یُرٰی اِنَّ مَرْقَدَ اِسْمٰعِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِی الْحَجَرِ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

وَالصَّلٰوۃُ فِیْہِ اَفْضَلُ۔

شرح نسائی للحافظ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے کہ انبیاء علیہم السلام کی قبور کو انھوں نے مساجد بنا لیا، یہ مُراد ہے کہ وہ قبر کو قبلہ بنا کر اس کی طرف نماز میں سجدہ کرتے تھے جیسے بُت کو سجدہ اور بہر حال جس نے کسی اللہ کے بندہ کے قُرب و جوار میں مسجد بنائی یا مقبرہ میں نماز پڑھی (یعنی جبکہ قبر اس کے سامنے نہ ہو) اس کی روح سے استمداد کے قصد سے یا اس قصد سے کہ اسے اس کی عبادت کے آثار میں اسے اثر پہنچے اس کی طرف توجہ اور نماز میں اس کی تعظیم کرنا قصد نہ ہو اس میں کچھ حرج نہیں کیا نہیں دیکھا کہ مرقد مبارکہ اسمٰعیل علیہ السلام حجر میں مسجد حرام میں ہے اور اس میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

شاہ عبدالحق محدث اعظم دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اشعتہ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں۔

صالحین کی قبور کے قُرب جوار میں اس نیّت سے

نماز پڑھنا کہ ان کی روحانیت و نورانیت

کی برکت سے درجہ کمال اور قبولیت حاصل کریں، جائز ہے۔

چوں دانست آنحضرت قرب اجل را و بترسید از امت کہ مباد کہ بہ قبر شریف وے آں کنند کہ یہود و نصاریٰ بقبور انبیائے خود کردند بیا گاہانید ایشانرا بر نہی ازاں بلعن بر یہود و نصاریٰ کہ قبور انبیاء را مساجد گرفتند۔

واین ہر دو طریق متصور ست یکے آنکہ سجدہ بقبور برند و مقصود عبادت آں دارند چنانکہ بت پرستاں بت میپرستند۔ دوم آنکہ مقصود و منظور عبادت مولیٰ تعالیٰ دارند ولیکن اعتقاد برند کہ توجہ بقبور ایشاں در نماز و عبادت حق موجب قرب و رضاوے تعالیٰ ست موقع وے عظیم تر ست نزد حق از جہت اشتمال وے بر عبادت مبالغہ در تعظیم انبیائے او واین ہر دو طریق نامرضی و نامشروع ست اوّل خود شرک جلی و کفر ست وثانی نیز حرام ست از جہت آنکہ در وے نیز اشتراک بخدا ست اگرچہ خفی ست و بہر دو طریق لعن متوجہ است و نماز گذاردن بجانب قبر صالح بقصد تبرک و تعظیم حرام ست و ہیچکس را دراں خلاف نیست، امّا اگر در قرب ایشان مسجدے بنا کنند یا نمازے بکنند بے توجہ بجانب آں تا ببرکت مجاورت آں موقع کہ مدفن جسد مطہر ایشان است و بامداد نورانیت از روحانیت ایشان عبادت کملے و قبولے یابد دریںجا محذورے لازم نمی آید و باکے نیست کذا قالَ الشیخُ ابن حجر الہیتمی المکی۔

ترجمہ: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا کہ وقتِ رحلت قریب ہے اور امت کی طرف سے خوف کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو ان کی قبر شریف کے ساتھ وہی کریں جو یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبور کے ساتھ کیا تو آگاہ کیا ان کو اس کے منع کرنے سے یہود و نصاریٰ پر لعنت کے ذکر سے کہ انہوں نے قبور انبیاء کو مسجدیں بنا لیا اور یہ (یعنی مسجدیں بنانا) دو طریقوں سے متصور ہے۔ ایک طریقہ یہ کہ قبور کو سجدہ کرتے اور قصد اس کی عبادت کا رکھتے جیسا کہ بت پرست لوگ بت کو پوجتے ہیں دوسرا یہ کہ مقصود و منظور تو عبادت مولیٰ تعالیٰ رکھتے لیکن اعتقاد کرتے کہ ان کی قبور سے توجہ نماز و عبادت حق تعالیٰ میں اس ذات تعالیٰ کے قرب و رضا کا موجب ہے اور

موقع اس کا حق تعالیٰ کے ہاں عظیم تر ہے اس کے عبادت کو شامل ہونے کی وجہ سے اور اس کے نبیوں کی تعظیم میں مزیت ہے اور یہ دونوں طریقے ناپسند و نامشروع ہیں۔ اوّل تو خود ہی شرک جلی اور کفر ہے اور ثانی طریقہ بھی حرام ہے اس وجہ سے کہ اس میں بھی ذات خدا کے ساتھ اشتراکیت ہے اگرچہ خفی ہی ہے اور ان دونوں طریقوں پر لعنت متوجہ ہے اور مرد صالح کی قبر کے جانب منہ کرکے نماز گذارنا بقصد تبرک و تعظیم حرام ہے اور اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ بہرحال اگر ان کی قبر کے قرب و جوار میں مسجد بنائیں یا اس کی طرف توجہ کیے بغیر نماز پڑھیں تاکہ اس جگہ کے قرب کی برکت سے جو کہ ان کے جسدِ مطہرہ کا مدفن اور ان کی روحانیت کی نورانیت سے امداد کی برکت سے عبادت کمال و قبولیت کا درجہ حاصل کرے اس جگہ نماز پڑھنے سے کسی امر ممنوع کا خلاف لازم نہیں آتا اور کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح شیخ ابنِ حجر تیمی مکی نے کہا ہے۔ جلد اوّل، صفحہ نمبر ۳۱۹ تا ۳۲۰۔

مذکورہ عبارت سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے مزارات کے قرب و جوار میں اس اعتقاد سے مسجدیں بنانا اور وہاں نماز پڑھنا کہ ان نفوسِ قدسیہ کے مزارات جن میں ان کے اجساد مبارکہ و مطہرہ جلوہ گر ہیں ان کی برکت سے اور ان کی روحانیت کی نورانیت کی مدد سے عبادت درجہ کمال اور شرفِ قبولیت حاصل کرے گی درست و باعث برکت اور باعثِ قبولیت ہے۔ یہی عقیدہ بفضلہ تعالیٰ ہمارا اہلِ سنت وجماعت کا ہے۔

یہود و نصاریٰ پر لعنت کے سبب کا بیان

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قَالَ فِی مَرَضِہِ الَّذِی لَمْ یَقُمْ مِنْہُ۔ قَالَ الطِّیْبِیُّ کَاَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَرَفَ اَنَّہٗ مُرْتَحِلٌ وَخَافَ مِنَ النَّاسِ اَنْ یُّعَظِّمُوْنَ قَبْرَہٗ کَمَا فَعَلَ الْیَہُوْدُ وَالنَّصَارٰی فَعَرَضَ بِلَعْنِہِمْ کَیْلَا یُعَامِلُوْا مَعَہٗ ذَالِکَ فَقَالَ لَعَنَ اللّٰہُ الْیَہُوْدَ وَالنَّصَارٰی وَقَوْلُہٗ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِہِمْ مَسَاجِدَ سَبَبُ لَعْنِہِمْ اِمَّا لِاَنَّہُمْ کَانُوْا یَسْجُدُوْنَ لِقُبُوْرِ اَنْبِیَائِہِمْ تَعْظِیْمًا لَّہُمْ وَذَالِکَ ھُوَ الشِّرْکُ الْجَلِیُّ وَاَمَّا لِاَنَّہُمْ کَانُوْ یَتَّخِذُوْنَ الصَّلٰوۃَ لِلّٰہِ تَعَالٰی فِیْ مَدَافِنِ الْاَنْبِیَاءِ وَالسُّجُوْدُ عَلٰی مَقَابِرِہِمْ وَالتَّوَجُّہُ اِلٰی قُبُوْرِہِمْ حَالَۃَ الصَّلٰوۃِ نَظْرًا مِنْہُمْ بِذَالِکَ اِلٰی عِبَادَۃِ اللّٰہِ وَالْمُبَالَغَۃُ فِیْ تَعْظِیْمِ الْاَنْبِیَاءِ وَذَالِکَ ھُوَ الشِّرْکُ الْخَفِیُّ لِتَضَمُّنِہٖ مَا یَرْجِعُ اِلٰی تَعْظِیْمِ الْمَخْلُوْقِ فِیْہَا لَمْ یُؤْذَنْ لَہٗ فَنَھَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمَّتَہٗ عَنْ ذَالِکَ اَمَّا لِمُشَابِہَۃِ ذَالِکَ الْفِعْلُ سُنَّۃَ الْیَہُوْدِ اَوْ لِتَضَمُّنِہٖ الشِّرْکَ الْخَفِیَّ کَذَا قَالَہٗ بَعْضُ الشُّرَّاحِ مِنْ اَئِمَّتِنَا وَیُؤَیِّدُہٗ مَاجَاءَ فِیْ رِوَایَۃٍ یُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا وَقَالَ الْقَاضِیُّ کَانَتِ الْیَہُوْدُ وَالنَّصَارٰی یَسْجُدُوْنَ لِقُبُوْرِ اَنْبِیَائِہِمْ وَیَجْعَلُوْنَہَا قِبْلَۃً وَیَتَوَجَّہُوْنَ فِی الصَّلٰوۃِ نَحْوَہَا فَقَدِ اتَّخَذُوْا اَوْثَانًا فَذَالِکَ لَعَنَہُمْ وَمَنَعَ الْمُسْلِمِیْنَ عَنْ مِثْلِ ذَالِکَ اَمَّا مَنْ تَّخَذَ مَسْجِدًا فِیْ جِوَارِ صَالِحٍ اَوْ صَلّٰی فِیْ مَقْبَرَۃٍ وَقَصَدَ الْاِسْتِظْہَارَ بِرُوْحِہٖ اَوْ وُصُوْلَ

اَثَرٍ مَا مِنْ اٰثَرِ عِبَادَتِہٖ اِلَیْہِ لَا لِلتَّعْظِیْمِ لَہٗ وَالتَّوَجُّہُ نَحْوَهَا فَلَا حَرَجَ عَلَیْہِ اَلَا تَرٰی اِنَّ مَرْقَدَ اِسْمٰعِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ عِنْدَ الْحَطِیْمِ ثُمَّ اِنَّ ذَالِکَ الْمَسْجِدُ اَفْضَلُ مَکَانٍ یَتَحَرَّی الْمُصَلِّیْ لِصَلٰوتِہٖ وَالنَّهْیُ عَنِ الصَّلٰوۃِ فِی الْمَقَابِرِ مُخْتَصٌّ بِالْقُبُوْرِ الْمَنْبُوْشَۃِ لِمَا فِیْهَا مِنَ النَّجَاسَۃِ کَذَا ذَکَرَہُ الطِّیْبِیُّ وَذَکَرَ غَیْرُہٗ اِنَّ صُوْرَۃَ قَبْرِ اِسْمٰعِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِی الْحَجَرِ تَحْتَ الْمِیْزَابِ وَاِنَّ فِی الْحَطِیْمِ بَیْنَ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ وَزَمْزَمَ قَبْرُ سَبْعِیْنَ نَبِیًّا۔ (مرآۃ شرح مشکوۃ جلد ثانی صہ ۲۰۲ للعلامہ ملا علی قاری)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس مرض میں فرمایا جس میں آپ کا وصال ہوا۔ حضرت طیبی کہتے ہیں گویا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جان لیا کہ وہ رحلت فرمانے والے ہیں اور لوگوں سے اس کا خوف کیا کہ وہ ایسی تعظیم آپ کی قبر منورہ کی کریں گے جیسی یہود و نصاریٰ نے، پس ان پر لعنت کے بیان سے بچاؤ کیا کہ کہیں وہی معاملہ وہ آپ کے ساتھ نہ کریں تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبور کو مساجد بنالیا یہ سبب ان پر لعنت کا یا تو اس لیے کہ وہ اپنے نبیوں کی قبور کو بغرض تعظیم سجدہ کرتے تھے اور یہ شرک جلی ہے اور یا اس لیے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی قبور کے پاس نماز تو اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھتے اور سجود ان کی قبور پر کرتے اور حالت نماز میں ان کی قبور کی طرف متوجہ ہوتے نظر رکھتے ہوتے ان سے اس کے ساتھ اللہ کی عبادت کی طرف اور انبیاء علیہم السلام کی تعظیم میں

حد سے تجاوز کرنا یہ شرک خفی ہے اس لیے کہ اس کے ضمن میں وہ بھی ہے جو تعظیم مخلوق کی طرف راجع ہے جس میں اسے شرعاً اجازت نہیں دی گئی پس نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس سے منع کر دیا یا تو اس فعل کے یہود کے طریقہ سے مشابہت کی وجہ سے منع کیا یا اس لیے کہ اس میں شرک خفی شامل ہے اسی طرح ہی ہمارے ائمہ میں سے بعض شارحین نے اسے بیان کیا ہے اور اس کی تائید وہ بھی کرتا ہے جو ایک روایت میں آیا ہے جو یہود نے کیا اس سے بچو اور قاضی نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ اپنے نبیوں کی قبور کو سجدہ کرتے تھے اور اسے قبلہ بناتے اور نماز میں اس کی طرف متوجہ ہوتے پس البتہ انہوں نے بت بنا رکھے تھے تو اسی سبب سے ان پر لعنت کی اور مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع کیا۔ بہرحال جس نے کسی مرد صالح کی قبر کے پاس مسجد بنائی یا مقبرہ میں نماز پڑھی (یعنی جب کہ قبر کے سامنے نہ ہو) اور اس کی روح سے استمداد کا قصد کیا یا یہ قصد کیا کہ اس کی عبادت کا اثر اسے بھی حاصل ہو نماز میں اس کی تعظیم کرنا اور اس کی طرف متوجہ ہونا مقصود نہ ہو تو اس پر کچھ حرج نہیں کیا تو نہیں دیکھا بے شک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مرقد منورہ مسجد الحرام میں حطیم کعبہ کے پاس ہے پھر بلاشبہ یہ مسجد افضل ہے ہر جگہ سے نمازی نماز کے لیے اس کا قصد کرے اور جو مقابر میں نماز سے منع کیا گیا ہے وہ کھودی ہوئی قبور کے ساتھ مختص ہے بوجہ اس میں نجاست ہونے کے۔

اسی طرح اسے طیبی نے بیان کیا ہے اور اس کے علاوہ نے بیان کیا ہے کہ بے شک اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر کا نقشہ میزاب کے نیچے حجر میں ہے اور بلاشبہ حطیم میں حجرِ اسود اور آب زم زم کے درمیان ستر نبیوں کی قبریں ہیں۔ مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہوا کہ حدیث میں جو یہود و نصاریٰ پر لعنت

کا ذکر ہے اس کے اسباب و وجوہات کیا تھے اور معلوم ہوا کہ کس صورت میں اور کس اعتقاد کے ساتھ قبور صالحین کے پاس نماز پڑھنا ناجائز و منع ہے اور کس صورت میں اور کس اعتقاد کے ساتھ جائز و مستحب ہے۔ مگر افسوس ان وہابیوں پر جو خواہ مخواہ مسلمانوں پر شرک کے فتوے لگا رہے ہیں اور انہیں یہود و نصاریٰ سے تشبیہہ دے رہے ہیں۔

باب نہم

اس میں وہابیوں کے رسالہ مجلۃ الدعوۃ کی وہ عبارت لکھی جائے گی جس میں انہوں نے صوفی شاعر حضرت سید بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے عارفانہ کلام پر اور آپ کی ذات والا صفات پر تنقید و زبان درازی کی اور خبث قلبی کا مظاہرہ کیا اور آپ کے کلام کی غلط تشریح اور من گھڑت مرادیں بیان کی ہیں اور ان کا رد کیا جائے گا، نیز اس کلام کی حسب توفیق صحیح مرادیں بیان کی جائیں گی۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

اب ان کے رسالہ میں لکھی گئی عبارت ملاحظہ ہو۔

(۱) چٹی چادر

چٹی چادر لاہ سٹ کڑیے پہن فقیراں لوئی
چٹی چادر داغ لگیسی لوئی داغ نہ کوئی

اس کی تشریح یوں کرتے ہیں۔

قارئین کرام غور فرمایا آپ نے سفید چادر تو شریعت ہے وہاں خلاف شرع کام کیا تو فوراً داغ لگے گا مگر لوئی جو صوفیت کا نشان ہے اسے جو مرضی لگا رہے اس پر داغ کا پتہ نہیں چلتا لہٰذا تصوف میں جو بھی کیا جائے اس کے

بارے میں کہہ دیا جائے گا کہ جی یہ معرفت کی باتیں ہیں ظاہر کچھ نظر آتا ہے مگر باطن میں اس کا مطلب کچھ اور ہے لہٰذا اس پر مت بولو ولی صاحب کی توہین ہو جائے گی۔ وہابیوں کا رسالہ مجلۃ الدعوۃ، شمارہ اکتوبر ۱۹۹۴ء۔

صوفیاء کی اصطلاحیں غیر صوفی پر سمجھنا دشوار ہیں

قبل اس کے کہ ان کے رد میں کلام شروع کیا جائے چند معروضات لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اوّل یہ کہ صوفیاء کرام کی جو اصطلاحیں ہیں ان میں وہ معانی مرلو لیے جاتے ہیں جو معانی متعارفہ کے علاوہ ہوں اس لیے ان کا سمجھنا غیر صوفی کے لیے دشوار ہے۔ دوم یہ کہ جو کلام سیدنا بلھے شاہ رحمۃ اللہ کا آج کتابی شکل میں دستیاب ہے یہ آپ کا مرتب کیا ہوا نہیں بلکہ لوگوں کو جو آپ کے کلام سے حفظاً سینہ بہ سینہ یاد تھا اسے بعد میں کتابی شکل دی گئی اس لیے اس میں کمی بیشی و زیادتی دانستہ و نادانستہ اور اشتمال کلام غیر کا احتمال موجود ہے۔ بریں وجہ اگر اس میں کوئی شعر کسی کے ذہن کے مطابق قابلِ اعتراض ہو بھی تو اعتراض کرنے یا طعن وطنز کرنے سے اجتناب ضروری ہے اس لیے کہ ممکن ہے وہ شعر آپ کے کلام سے نہ ہو۔

سوم یہ کہ اشعار میں تخیل کو کافی حد تک دخل ہوتا ہے اس لیے صاحب کلام ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کی مراد کیا ہے لہٰذا کسی دوسرے شخص کو خواہ مخواہ تنقید نہیں کرنی چاہیے۔

چہارم حضرت سید بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے عارفانہ کلام میں اشارات و کنایات تمثیلات و تشبیہات اور استعارات کثرت سے پائے جاتے ہیں اس لیے جو ان سے ناواقف ہے اسے سمجھنا دشوار ہے۔

پنجم حضرت سیدنا بابا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ وحدۃ الوجود کے بہت حامی تھے اس لیے آپ نے اپنے کلام میں کئی مقامات پر وحدۃ الوجود کو بیان کیا ہے جسے اصحاب ظواہر پر بالخصوص وہابیہ پر جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر رہتا ہے سمجھنا مشکل ہے۔

اس بیان کے بعد اب جو شعر سیدنا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا اوپر وہابیوں کی عبارت کے ضمن میں لکھا جا چکا ہے اس کی طرف آتے ہیں۔

شعر: چٹی چادر لاہ سٹ کُڑیے پہن فقیراں لوئی
چٹی چادر داغ لگیسی لوئی داغ نہ کوئی

چٹی چادر سے مُراد دنیا ہے جس کی زیب و زینت دلکش و دل فریب ہوتی ہے اس کی حرص و لالچ میں آکر اور اس کی طلب کے جنون میں ناجائز اسباب و ذرائع کے استعمال سے انسان کی عزت و وقار کو داغ لگ جاتا ہے اور اس کے دوسرے مصرعے پہن فقیراں لوئی سے مراد دنیا اور اس کی حرص و لالچ سے کنارا کش ہو کر فقراء و صوفیاء کے طور و طریقہ کو اختیار کرنا ہے جس کے متعلق حضور سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّیْ فقر اختیار کرنے پر مجھے فخر ہے اور فقر میرا طریقہ ہے۔

اور جو مذکورہ شعر سے وہابی مراد نکال رہے ہیں کہ چادر سے مراد شریعت ہے یعنی آپ معاذ اللہ شریعت سے بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں یہ سراسر غلط و بے اصل ہے اس لیے کہ سیدنا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے ہی شریعت سے لگاؤ اور محبت کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل اشعار سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے۔

بُلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے شریعت سے لگاؤ اور محبت کا ثبوت

(۱) شریعت ساڈی دائی اے طریقت ساڈی مائی اے

(کلیاتِ بلھے شاہ)

دائی سے مُراد رضاعی ماں ہے یعنی جیسے حقیقی ماں اور رضاعی ماں کا احترام کرنا اور ان کے حکم کو ہم پر ماننا لازم ہے اسی طرح شریعت و طریقت کا احترام اور ان پر چلنا بھی ہم پر لازم ہے۔

(۲) بلھا شاہ شریعت قاضی اے حقیقت پر بھی راضی اے

(کلیات بلھے شاہ)

یعنی شریعت کا حکم و فیصلہ ہم پر لازم و نافذ ہے۔

(۳) بلھیا غیر شرع نہ ہو سُکھ دی نیندر بھر کے سو (کلیات)

یعنی شریعت کے مقاصد و مطالب کو بجا لا تاکہ قبر و حشر و جہنم کے اہوال و عذاب سے امن و سکون میں رہے۔

(۴) جاں راہ شرع دا پکڑیں گا تاں اوٹ محمدی ہووے گی (کلیات)

یعنی اگر تو شریعت محمدی پہ گامزن ہو گا تب ہی شفاعت کا امیدوار ہو سکے گا۔

وہابیوں کے مذکورہ رسالہ کی عبارت کا دوسرا حصہ ملاحظہ ہو۔

؎ پڑھ پڑھ نفل نماز گزاریں
اُچیاں بانگاں چانگاں ماریں

منبر تے چڑھ وعظ پکاریں
کیتا تینوں علم خوار علموں بس کریں اویار

یہ شعر لکھنے کے بعد وہابی مذکورہ رسالہ صفحہ ۴۵ پر حضرت سید بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یوں زبان درازی کرتے ہیں۔

قارئین کرام قرآن کہتا ہے نماز پڑھو مگر بلھے نے نماز پر طنز کرنے کے بعد اذان کو چانگاں کہہ دیا حالانکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا محبوب عمل تھا۔ غرض نماز کا حکم اور اذان کا اعلان اللہ اور رسولؐ کا حکم ہے اور اس حکم کو جاننے کا نام علم ہے جو قرآن وحدیث میں ہے مگر بلھے شاہ کہتا ہے اس علم نے تجھے خوار کر دیا ہے لہٰذا علموں بس کریں اویار۔

وہابیوں کی خیانت

وہابیوں کی مذکورہ عبارت پُر شرارت میں اوّل تو یہ خیانت کی کہ شعر کا ایک حصہ ہی بدل دیا بجائے اس کے کیتا تینوں حرص خوار۔ اپنے پاس سے یہ گھڑ دیا۔ کیتا تینوں علم خوار۔ تاکہ اپنے دام فریب میں لاکر لوگوں کو اولیاءِ کرام سے متنفر کرسکیں۔

دوسری مکاری یہ کی کہ سید بُلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ترتیب وار نہ لکھا بلکہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اپنے مطلب کے مطابق کوئی شعر کہیں سے لے لیا اور کوئی مصرع کہیں سے لے لیا کیونکہ اگر آپ کا کلام ترتیب وار لکھا جاتا تو لوگوں پر واضح ہو جاتا کہ آپ کس علم کے متعلق کہہ رہے ہے کہ علموں بس کریں او یار' اور کون سے لوگوں کو کہہ رہے ہیں۔ اب چند اشعار یہاں پیش کیے جاتے ہیں

ملاحظہ ہوں۔

بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے کن لوگوں سے کہا علموں بس کریں او یار

علموں بس کریں او یار علم نہ آوے وچ شمار
اکو الف تیرے درکار جاندی عمر نہیں اتبار

اس میں غور طلب بات یہ کہ صاحب کلام احساس دلا رہے ہیں کہ عمر کا کوئی اعتبار نہیں کہ کب ختم ہو جائے لہٰذا ایسے علم کے حصول میں وقت ضائع نہ کر جو بروز آخرت تیرے کام آنے کا نہیں بلکہ اکو الف تیرے درکار۔ یعنی معرفت ذاتِ حق کا علم ہی تیرے لیے کافی ہے۔

واضح ہو کہ قرآن و حدیث اور فقہ وغیرہ کا حاصل کرنا معرفت الٰہیہ کے لیے لازم ہے۔

(شعر) پڑھ پڑھ علم لگا دیں ڈھیر قرآن کتاباں
چار چوفیر کردے جا تن وچ اندھیر
باجھوں راہبر خبر نہ سارے علموں بس کریں او یار

یعنی علم تو بہت حاصل کر لیا اور قرآن و کتابیں چار چوفیرے رکھ کر فخر کرتے ہیں اور پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سناتے مگر مرشد نہ ہونے کے سبب خود بھی حقیقت سے بے خبر ہیں لہٰذا لوگوں کو بھی گمراہ کن عقائد و مسائل بیان کر کے گمراہی کے اندھیر کی طرف لے جاتے ہیں ؎

پڑھ پڑھ شیخ مشائخ ہویا بھر بھر پیٹ نیندر بھر سویا

جاندی وار نین بھر رویا ڈباوچ اورار نہ پار
علموں بس کریں او یار

یعنی علم تو بہت حاصل کر لیا لیکن فخر و غرور سے اپنے آپ کو مشائخ کا بھی شیخ سمجھ بیٹھا اور غافل و بے خبر اور نفس پرست ہو کر زیادہ کھانے اور زیادہ سونے کا عادی ہو گیا اور آخر کار موت کے وقت اپنی غفلت و سستی اور نفس پرستی اور غرور و ریاکاری کے نقصان و وبال پر حسرت و افسوس کر کے رویا مگر انجام یہ ہوا کہ غفلت و ریاکاری اور غرور و تکبر اسے لے ڈوبے۔

مزید فرماتے ہیں ؎

پڑھ پڑھ شیخ مشائخ کہاویں اُلٹے مسئلے گھروں بناویں
بے عقلاں نوں لُٹ لُٹ کھاویں اُلٹے سدھے کریں قرار
علموں بس کریں او یار

اب مندرجہ ذیل شعر ملاحظہ فرما کر غور کریں کہ صاحب کلام سید بلھے شاہ رحمتہ اللہ علیہ کن لوگوں کی اذانوں کو چانگاں ماریں کہہ رہے ہیں ؎

پڑھ پڑھ نفل نماز گزاریں اُچیاں بانگاں چانگاں ماریں
منبر تے چڑھ کے وعظ پکاریں کیتا تینوں حرص خوار
علموں بس کریں او یار

اس سے معلوم ہوا کہ آپ مذکورہ کلام میں ان لوگوں کی مذمت کر رہے ہیں جو نمازیں اذانیں اور وعظ سب کچھ طلب دنیا کے لیے اور اہلِ دنیا کی خوشنودی کے لیے اور ریاکاری و خود نمائی کی خاطر کرتے ہیں ان کا مقصد رضائے مولائے تعالیٰ اور حصول ثواب نہیں ہوتا اس لیے ان کی نمازوں اذانوں کا نہ کچھ انہیں فائدہ اور نہ دوسروں پر کچھ اثر۔

اب وہابیوں کے رسالہ مجلۃ الدعوۃ کی عبارت سے تیسرا حصہ ملاحظہ ہو۔ سید بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام لکھنے کے بعد ان کے متعلق یوں زبان درازی کرتے ہیں۔ (شعر)

نہ میں بھیت مذہب دا پایا
نہ میں آدم حوا جایا

یعنی وہ کہتا ہے کہ میں آدم و حوا کا جایا یعنی ان کی اولاد نہیں ہوں اور پھر خود ہی یوں کہتا ہے ؎

بلھیا کیہ جاناں میں کون
نہ میں مومن وچ مسیتاں نہ میں وچ کفر دیاں ریتاں
نہ میں پاکاں وچ پلیتاں نہ میں موسیٰ نہ فرعون
بلھیا کیہ جاناں میں کون

برادرانِ اسلام مذکورہ کلام کی بنا پر وہابیوں نے جو الزام سید بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ پر تھوپا ہے کہ آپ آدم و حوا کی اولاد ہونے سے انکار کر رہے ہیں یہ غلط و بے بنیاد اور ان کی کم سمجھی و کم عقلی کا نتیجہ ہے اس لیے اگر اسی مندرجہ بالا اشعار پر اور اسی کافی کے جو بقیہ اشعار ہیں ان پر دیانت داری عقل مندی سے غور کیا جائے اور بغض و عداوت کے پردوں کو دل کی آنکھوں سے یکطرف کر کے سوچا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ صاحبِ کلام نے جو اس کلام میں نقشہ پیش کیا ہے وہ اس عالم ناسوت کا نہیں بلکہ عالمِ ارواح کا ہے کیونکہ عالم ارواح سب روحیں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی مُقر تھیں، جیسا کہ قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح سے فرمایا۔ الستُ بربّکُم۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ؟ تو سب ارواح نے جواب میں کہا۔ بلیٰ ہاں تُو ہمارا رب

ہے، لیکن اللہ نے سب کچھ جاننے کے باوجود یہ حکم جاری نہ فرمایا کہ یہ روح مومن کی ہے اور یہ کافر کی اور یہ روح پاک کی ہے اور یہ پلید کی اور نہ ہی وہاں مذاہب و مسالک کا کوئی اختلاف تھا نہ ہی وہاں مسجدیں تھیں اور نہ کفر یہ ریتیں اور نہ ہی کوئی وہاں روح اچھی و بری شخصیت کی طرف منسوب تھی اور نہ ابھی ابویت و ابنیت کا کوئی تصور تھا تو جب روح عالم اجسام میں آئی جس قسم کے جسم سے اس کا تعلق ہوا اس کے وصف کے مطابق ہی اس پر حکم جاری ہوا اور اسی طرف ہی منسوب ہوئی اور اسی جسم کی نسبت سے ہی اس کا جسمانی رشتہ قائم ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو آپ فرما رہے ہیں کہ میں آدم و حوا کا جایا نہیں اس سے مراد روح ہے کہ وہ کسی کی اولاد نہیں۔

اب وہابیوں کے مذکورہ رسالہ کی عبارت کا چوتھا حصہ ملاحظہ ہو۔

سید بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر لکھنے کے بعد یوں واویلا اور بدکلامی کرتے ہیں۔ (شعر)

راتیں جاگیں کریں عبادت ۔۔۔ راتیں جاگن کتے تیتھوں اُتے

بھونکنوں بند مول نہ ہندے ۔۔۔ جا ارڑی تے ستے تیتھوں اُتے

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

اچھا تو اب سمجھ آئی کہ لوگ کیوں کہتے ہیں کہ میں تو فلاں دربار کا کتا ہوں کوئی کہتا ہے میں سگ (کتا) میراں ہوں اور کوئی کہتا ہے میں مدینے کا کتا ہوں بہرحال کتا مدینے کا ہو تو وہ بھی کتا ہی ہوتا ہے۔

ان وہابیوں کی خیانت و مکاری کا اندازہ لگاؤ کہ اس کلام کے ساتھ والے باقی اشعار نہ لکھے تاکہ لوگوں کو کہیں صاحب کلام کے اصل مقصد کا علم نہ ہو جائے صرف اپنے ناپاک مقصد کو پورا کرنے کے لیے اپنے مطلب کا شعر لکھا

تاکہ ایک ولی کی شان میں انہیں گستاخی و بے ادبی کا موقعہ مل سکے اور لوگوں کو فریب دینے میں کامیاب ہو سکیں۔

اب اسی مذکورہ کلام کا باقی حصہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ اہلِ انصاف خود حق بات کا تعین کر سکیں

خصم اپنے دا در نہ چھڈدے
بھاویں وجن جُتّے تیتھوں اُتے
بلھے شاہ کوئی رخت وہاج لے
نہیں تے بازی لے گئے کُتے تیتھوں اُتے

درحقیقت ان اشعار میں صاحب کلام سید بلھے شاہ رحمتہ اللہ علیہ اپنے نفس سے مخاطب ہیں کہ اے نفس یہ غرور نہ کر کہ میں راتیں جاگ کر عبادت کرتا ہوں اگر تو رات جاگتا ہے تو کتا جو مخلوق میں سے حقیر سمجھا جاتا ہے وہ تجھ سے زیادہ جاگتا ہے اگر تو رات کو عبادت کرتا ہے تو وہ بھی اپنے مالک کے مال و متاع کی رکھوالی کے لیے ساری رات بھونکتا ہے اگر تو رات صرف گودڑی میں سوتا ہے تو اس کے پاس یہ بھی نہیں وہ تو رات رڑی پر گزارتا ہے پھر وہ اپنے مالک کا اتنا وفادار ہے کہ اگر اسے جُتّے بھی وجتے رہیں تو اس کا گھر چھوڑ کر کہیں اور نہیں جاتا اس لیے اے بلھے شاہ تو بھی کچھ رخت وہاج یعنی سامانِ آخرت خرید لے ورنہ کتے تجھ سے بازی لے گئے۔

اب رہا ان وہابیوں کا یہ مذاق اڑانا کہ یہ لوگ اپنے کو سگِ میراں اور مدینے کا کتا کہتے ہیں تو جواباً یہ کہا جاتا ہے کہ جو حضرات جن میں یہ عاجز بھی شامل ہے اپنے آپ کو اولیاء کرام علیہم الرضوان اللہ کا کتا کہتے ہیں یا مدینے پاک کا کتا کہتے ہیں تو وہ بطور عاجزی اپنے کو کمتر سمجھ کر اور حضرات اولیاء کرام کی اور

مدینہ پاک کی شانِ ارفع اور مقام عُلماء کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔
دوم یہ بھی مقصد ہوتا ہے کہ جیسے کتا اپنے مالک کا وفادار ہوتا ہے اس کے گھر کی رکھوالی کرتا ہے اور کسی صورت بھی اپنے مالک کا گھر چھوڑ کر نہیں جاتا ہم ان کی عزت و ناموس کے رکھوالے ہیں اور کسی صورت بھی ان کا دامنِ عافیت چھوڑ کر جانے والے نہیں۔

ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ کتا مدینے کا بھی ہو تو وہ بھی کتا ہی ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہم بھی از جہتِ نوع مدینے کے کتے کو انسان یا فرشتہ نہیں کہتے لیکن جیسے نسلِ انسانی کے تمام افراد ایک ہی ماں باپ آدم و حوا کی اولاد ہیں مگر از وجہ سعادت و شقاوت اور عادت و خصلت سب میں واضح تفاوت ہے اسی طرح جانوروں میں بھی از وجہ خاصیت اور خصلت و خوبی آپس میں تفاوت ہے اسی طرح اچھی و بُری نسبت بھی اشیاء کے وقار و مراتب میں واضح تفاوت پیدا کر دیتی ہے اب دیکھیں کہ حجرِ اسود شریف بھی پتھر ہے اور قبل از فتح مکہ کعبۃ اللہ شریف میں جو مشرکین کے بُت معلق تھے وہ بھی پتھر وغیرہ کے تھے مگر حجرِ اسود کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا اور ان بُتوں کو اپنے دستِ مبارک سے توڑا اگر کوئی اس وقت وہابی ہوتا تو کہہ دیتا ان کو کیوں توڑتے ہو یہ بھی تو پتھر ہی ہیں۔

بہرحال اینٹ وہ بھی تھی جو مسجد پہ لگی اور ایک اینٹ وہ بھی ہے جو بیت الخلاء پر۔ مسجد کی اینٹ کا لوگ احترام کرنے لگے اور اس سے نفرت حالانکہ دونوں اینٹیں ایک ہی مٹی و پانی سے بنائی گئی تھیں اسی طرح ایک کپڑا وہ تھا جس سے قرآن مجید کا غلاف بنایا گیا اور ایک وہ کپڑا جس سے لوگوں کے لباس مگر جس سے قرآن پاک کا غلاف بنا وہ اس قدر محترم و مکرم ہوا کہ

لوگ اسے بوسے دینے لگے اور آنکھوں پر لگانے لگے اور جب وہ بوسیدہ ہوا تو پھر ایسی جگہ پر رکھا جہاں اس کی بے ادبی کا احتمال نہ ہو لیکن جسے لباس میں لایا گیا اسے نہ کسی نے بوسا دیا نہ آنکھوں پر لگایا اور جب وہ پھٹا تو کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینک دیا گیا۔ اب یہ بھی کپڑا روئی سے بنا تھا اور وہ بھی روئی سے نہ اس میں کوئی ذاتی کمال تھا اور نہ اس میں کوئی ذاتی قباحت تھی اگر یہ لائق احترام ہوا تو نسبت کی وجہ سے اور وہ لائق احترام نہ ہوا تو نسبت کی وجہ سے۔

اگر نسبت اچھی تھی تو اونٹنی کو اللہ نے ناقۃ اللہ فرمایا اور کتے کا ذکر قرآن میں آگیا

اب یہ دیکھیں کہ دنیا میں بے شمار خوب صورت اونٹنیاں آئیں اور آتی رہیں گی مگر کسی اور کا ذکر قرآن میں ناقۃ اللہ نہ آیا۔ صالح علیہ السلام کی بھی اونٹنی تھی لیکن اسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ناقۃ اللہ فرمایا یعنی اللہ کی اونٹنی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کسی کتے کے وصف کو بیان نہ کیا مگر جو کتا اصحاب کہف کے سنگ مل گیا اس کے وصف کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے۔

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ط

اور ان کا کتا اپنی کلائیاں پھیلائے ہوئے ہے غار کی چوکھٹ پر۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس کے وصف کا ذکر قرآن مجید میں کر دیا تو وہابی بھی اس کے جنتی ہونے کے قائل ہو گئے جیسا کہ وہابیوں کے مولوی حافظ محمد

حسین لکھوی صاحب نے احوال الآخرت میں اس طرح بیان کیا ہے۔

(شعر) ھک دُنبہ اسمٰعیلے ڈاچی صالح والی
سگ اصحاب کہف دا تریجا جنت جاسن عالی

اب اس اصحاب کہف کے کتے کو تو وہابیوں نے جنتی مان لیا اور ہم بھی مانتے ہیں مگر ان وہابیوں سے پوچھتے ہیں کہ اصحاب کہف کے کتے کو تو جنتی مانتے ہو لیکن مدینہ جس کا مرتبہ جنت سے ارفع ہے اور قدسیوں کی بوسہ گاہ ہے' اس کے کتے کی تم دوسرے کتوں پر فوقیت و برتری کو تسلیم کیوں نہیں کرتے؟ اگر تمہاری یہ دلیل ہے کہ ان کا تعلق کتوں کی نسل سے ہے تو کتے پلید ہوتے ہیں تو میں پوچھتا ہوں اصحاب کہف کا کتا اسی نسل سے نہیں تھا؟ اگر اصحاب کہف کی نسبت نے اس کتے کی قسمت کو اتنا بلند کر دیا کہ وہ جنت جو پاکوں کی جگہ ہے اس کا حق دار بن گیا تو ہمارے آقا سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تو غلاموں کی شان بھی اصحاب کہف سے ارفع و بالا ہے اور آپ کے شہر مدینہ منورہ کی عزت و عظمت کی اللہ تعالیٰ قسمیں ارشاد فرماتا ہے اور ملائکہ اس کا طواف کرتے ہیں اور عشاق اس خاک پاک کو بطور سرمہ آنکھوں میں ڈالنا زہے مقدر جانتے ہیں تو جس کتے کو اس شہر پاک سے نسبت ہے اس کے مقدر پر کیوں نہ رشک کیا جائے۔

اب وہابیوں کے رسالہ کی وہ عبارت پیش کی جاتی ہے جس میں انہوں نے سید بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد کامل حضرت عنایت اللہ شاہ قادری شطاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار گوہر بار کے متعلق غلط بیانی کی اور سنی حنفی بریلوی مسلمانوں پر وہ حدیث پاک چسپاں کی جس میں یہود و نصاریٰ پر لعنت کی گئی ہے ان کی عبارت یوں ہے۔

یاد رہے بابا عنایت شاہ بلھے شاہ کا پیر ہے اور اس کا دربار فاطمہ جناح روڈ پر لاہور میں ہے۔ میں نے یہ دربار دیکھا تو یہ مسجد کے محراب کے سامنے چھت کے بالکل وسط میں بنایا گیا ہے، بے ساختہ میری زبان پر اللہ کے رسول کا یہ فرمان آگیا۔ مومنوں کی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حبشہ میں عیسائیوں کا گرجا دیکھا جس میں تصویریں آویزاں تھیں تو اس کا اللہ کے رسول کے سامنے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا ان میں جب کوئی نیک آدمی مرجاتا تو یہ لوگ اس کی قبر کے پاس عبادت گاہ تعمیر کردیتے اور پھر اس میں اس شخص کی تصاویر لٹکا دیتے۔ فرمایا یہ لوگ اللہ کے ہاں بدترین مخلوق ہیں۔

(مجلۃ الدعوۃ شمارہ اکتوبر ۱۹۹۴ء ص۴۲)

اس مذکورہ عبارت میں ایک تو یہ کذب بیانی کی گئی کہ عنایت اللہ شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کا دربار مسجد کے محراب کے سامنے ہے حالانکہ آپ کا مزار شریف محراب سے پیچھے ہے سامنے تب ہوتا جب محراب سے قبلہ کی جانب ہوتا۔ اگر بقول ان کے حضرت حافظ محمد عنایت اللہ قادری شطاری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار شریف محراب کے سامنے ہونا مان بھی لیا جائے تو پھر بھی وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، بریں وجہ کہ جب نمازی اور تربت کے درمیان دیوار ہو تو نماز پڑھنا جائز ہے۔

وہابیوں نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے حدیث کا ترجمہ ہی بدل ڈالا

دوسری مکاری، ان وہابیوں نے مذکورہ بالا عبارت میں یہ کہ حدیث پاک

جس کے متنی الفاظ یوں ہیں۔

اِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا۔

"جب ان میں سے کوئی نیک شخص فوت ہوتا تو اس کی قبر پہ وہ مسجد بنا دیتے"

یہاں یا تو مسجد سے مراد لغوی مسجد ہے یعنی سجدہ گاہ۔ قبر پہ سجدہ کرنا یا اصطلاحی مسجد مراد ہے تو پھر یوں ہوگا وہ قبر کو مسمار کر کے اس پر مسجد بناتے۔ یہ دونوں صورتیں حرام ہیں مگر قبور کے پاس مسجد بنانے کی ممانعت اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتی لیکن وہابیوں کی عجب مکاری دیکھو کہ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا کا ترجمہ یوں کر دیا۔ اس کی قبر کے پاس عبادت گاہ تعمیر کر دیتے۔ یعنی علیٰ کا معنی پاس کر دیا تاکہ لوگوں کو فریب میں لا سکیں کہ قبر کے پاس مسجد بنانا جائز نہیں حالانکہ علیٰ کا معنی پاس نہیں بلکہ اُوپر ہے۔ پاس تو عِنْدَ کا معنی ہے۔ اگر بقول ان کے قبور کے پاس مسجد بنانا ناجائز ہو اور وہاں نماز پڑھنا ممنوع ہو تو پھر سب سے افضل مسجدِ حرام میں اسمٰعیل علیہ السلام کی تربت مبارکہ ہے اور اس کے پاس ہی حجرِ اسود اور آبِ زم زم کے درمیان ستر نبیوں کی قبور مبارکہ ہیں جیسے کہ شارحین علامہ سیوطی و ملا علی قاری وغیرہما نے بیان کیا ہے اور وہاں نماز پڑھنا سب سے افضل ہے اسی طرح مسجد نبوی شریف روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے اسی طرح مسجدِ اقصیٰ کے پاس کثیر انبیاء علیہم السلام کی قبور مبارکہ ہیں۔ اگر ان وہابیوں کی مانی جائے تو ان مذکورہ مساجد میں نماز پڑھنا ناجائز و حرام ہو جائے حالانکہ ان کی فضیلت اور ان میں نماز پڑھنے کی فضیلت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

باب دہم

اس میں چار فصلیں آئیں گی۔ فصل اوّل میں وہابیوں کے رسالہ مجلۃ الدعوۃ کی وہ عبارت پیش کی جائے گی جس میں انہوں نے صوفیاء کرام بالخصوص مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی شہرہ آفاق کتاب مثنوی کے متعلق بدزبانی وخبثِ قلبی کا اظہار کیا ہے۔ فصل دوم میں اس عبارت کا تنقیدی جائزہ لیا جائے گا۔ فصل سوم میں مثنوی کے محاسن وخصوصیات کا بیان ہوگا۔ فصل چہارم میں صاحبِ مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے احوال وشان کا بیان کیا جائے گا۔

فصل اوّل: وہابیوں کے مذکورہ رسالہ کی نازیبا ودل سوز عبارت کے بیان میں لکھتے ہیں۔ عربی زبان کے قرآن کا آغاز الحمد للہ سے فارسی قرآن کا آغاز سارنگی ہے۔

مرزائیوں نے پنجابی نبی بنایا اور اس کذاب کو ظلی نبی کے نام سے موسوم کیا۔ اسی طرح قبر پرستوں نے بے شمار قبروں کو غلاف پہنا کر انہیں بوسے دے کر اور پھیرے لگا کر کعبہ کا مقابلہ کر ڈالا جبکہ حنفی مولویوں نے اپنی فقہ کی کتاب ہدایہ کو کالقرآن، قرآن جیسی کتاب کہہ ڈالا اور حنفی صوفیوں نے تو کمال کر دیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو رب قرار دیا اور ایک صوفی کی شعروں میں لکھی ہوئی الل ٹپ کتاب کو فارسی زبان میں قرآن کہہ ڈالا۔

سبحان اللہ مولا کریم نے جو قرآن نازل کیا اس کا آغاز اس طرح ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور فارسی زبان میں جو قرآن ہے اس کا آغاز اس طرح ہے۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند وز جدائیہا شکایت می کند۔

ترجمہ: بانسری سے سن کیا بیان کرتی ہے اور جدائیوں کی کیا شکایت کرتی ہے۔

یعنی اس کا آغاز بانسری سے ہو رہا ہے کہ اے صوفی بانسری سن کیوں کہ عشق کی آگ ہے جو بانسری میں لگی ہے۔ عشق کا جوش ہے جو شراب میں آیا ہے۔ بانسری پھر عشق کی آگ پھر عشق کا جوش پھر یہ جوش شراب میں آگیا ہے۔

جناب والا! یہ ہے فارسی قرآن اسے پڑھیے اس پر عمل کیجئے جدائیاں ختم کیجئے۔ بانسری کی آواز پہ دھیان دے کر ایک ہو جائیے وحدۃ الوجود کے نظریئے کا مزہ لیجئے یعنی اللہ میں گم ہو جائیے اور وہاں تو کوئی کیا گم ہوگا البتہ یہ سارے کام کر کے تقدس کے پردے تلے انسانی وجودوں کی وحدت جو شر پھیلائے ہوئے ہے وہ منظر درباروں کی دنیا میں اپنے جوبن پر ہے۔

(شکر اور تصوف) مولانا رومی کہتے ہیں چونکہ شکر کی تاثیر پوشیدہ رہتی ہے چند دن بعد قابلِ نشتر پھوڑا پیدا کر دیتی ہے۔ یہ شعر پڑھ کر میں سوچ رہا تھا کہ پاک پتن میں بھی ایک بزرگ بابا فرید ہیں جنہیں گنج شکر یعنی شکر کے خزانے دینے والا کہا جاتا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ تصوف کی شکر کھا کھا کر پوری قوم پھوڑوں کے روگ میں مبتلا ہے اب ان پھوڑوں کا پھوڑ نا مزوری ہے۔ یہ محض اللہ کی توفیق ہے کہ ہم کتاب و سنت کے نشتر سے ان پھوڑوں کا آپریشن کر رہے ہیں۔ ہمارے اس عمل سے ہمارے کئی بھائی ناراض ہیں۔ ان کی ناراضگی اپنی جگہ مگر صحت کے لیے اس نشتر کے بغیر چارہ نہیں ہے۔

تصوف کی شکر نے جو سب سے بڑا پھوڑا پیدا کیا وہ وحدۃ الوجود ہے۔ سب صوفی اسی کے قائل تھے۔ مولانا رومی بھی اسی کے علمبردار تھے چنانچہ وہ اپنے مرشد شمس تبریزی کی شان میں جو جو کہتے ہیں اور پھر ان کی جدائی میں جو جو ارشاد

فرماتے ہیں اس میں وحدۃ الوجود کی پیپ نظر آتی ہے نہیں تو ملاحظہ ہو۔
شمس تبریزی جو مکمل نور ہے سورج ہے اور حق کے نوروں میں سے ہے وہ سورج جس سے یہ سارا عالم روشن ہے اگر تھوڑا سا آگے آجائے تو سب کو جلا دے تاکہ دنیا کی جان کا دل تباہ نہ ہو اب ہونٹ سی لے اور آنکھیں بند کرلے فتنہ و فساد اور تباہی کی کوشش نہ کر اور اس سے زیادہ شمس تبریز کے بارے میں جستجو نہ کر۔

مولانا روم نے اپنے مرشد کو مکمل نور کہا پھر اللہ کے نوروں میں سے نور کہا پھر کہا کہ یہ وہی سورج ہے جس سے سارا جہان روشن ہے۔ اگر یہ تھوڑا سا آگے آجائے تو سب کو جلا دے۔ یعنی رومی صاحب سمجھا رہے ہیں کہ ہے تو یہ اللہ لیکن چونکہ میں ایسی بات کہہ نہیں سکتا کیوں کہ اگر کہہ دوں تو فتنہ و فساد اور تباہی کا ڈر ہے لہذا میں نے اپنے ہونٹ سی لیے ہیں اور آنکھیں بند کر لی ہیں اور شمس تبریز کے بارے میں جستجو نہ کرنے کا عزم کر لیا ہے کیونکہ اس کی جستجو کیا کروں جو زمین پر چلتا پھرتا خدا دکھائی دیتا ہے تو یہ ہے وحدۃ الوجود کا گند جو مولانا روم کی مثنوی میں بھرا پڑا ہے۔

یہاں تک جو عبارت لکھی جا چکی ہے یہ وہابیوں کے رسالہ مجلۃ الدعوۃ شمارہ جون ۱۹۹۵ء کے صفحہ ۱ پر موجود ہے۔

فصل دوم: مذکورہ عبارت پر تنقیدی جائزہ میں۔

وہابیوں کے مذکورہ رسالہ پر موٹے الفاظ میں یہ سرخی دی گئی ہے۔
(قرآن کا آغاز الحمد للہ سے فارسی قرآن کا سارنگی سے) انجانب گدائے اولیاء
واضح ہو کہ اس تحریر میں ان کا مقصد ان حضرات کو اپنی تنقید و بدزبانی کا نشانہ بنانا ہے جو مصنف مثنوی معنوی حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

کو عزت و قدر کی نظروں سے دیکھتے ہیں، اور آپ کی شہرہ آفاق کتاب مثنوی معنوی پر نیک اعتقاد رکھتے ہیں اور مثنوی و صاحب مثنوی کو گستاخیوں اور بدکلامیوں کی زد میں لانا ہے لہٰذا اسی مقصد کی تکمیل کے لیے مثنوی مولانا روم کا قرآن پاک سے تقابل کر کے بتا رہے ہیں کہ اس کا آغاز تو سارنگی سے ہو رہا ہے حالانکہ یہ ان وہابیوں کی کذب بیانی و خیانت ہے کیونکہ جو حضرات مثنوی سے پوری طرح واقف ہیں وہ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ صاحب مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کتاب میں خطبہ لکھا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ وسلم کے لیے درود و سلام لکھا ہے۔ پھر دیباچہ کتاب میں آیاتِ قرآنی کو لکھا ہے اور اسی دیباچہ کے آخر میں لکھتے ہیں۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَعِتْرَتِهٖ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔ بعدازیں آغاز فارسی کلام سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط کو لکھا پھر اس شعر سے بشنو از نے حکایت میکند سے فارسی کلام کا آغاز کیا ہے۔

اس شعر میں جو لفظِ "نے" ہے جس سے مراد وہابی سارنگی لے رہے ہیں اس کے متعلق تو انشاء اللہ تعالیٰ آگے بیان کیا جائے گا کہ اس سے کیا مراد ہے۔ اب وہابیوں کے اس قول کا رد کیا جاتا ہے جو انہوں نے کہا ہے حنفیوں نے مثنوی کو فارسی قرآن کہا ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ مثنوی مولانا روم کا مقام مرتبہ اپنی جگہ مگر کوئی بھی مسلمان اسے قرآن کے برابر یا ہم مرتبہ ہرگز نہیں سمجھتا اس لیے کہ سب اہلِ ایمان کا عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم

ازلی ہے اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں جبکہ اور کسی کا کلام بھی ان اوصاف سے موصوف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے علاوہ سب کلام حادث و مخلوق ہیں پھر قرآن پاک کے ساتھ مثنوی کس طرح برابر ہو گئی؟ نیز اگر بقول وہابیہ مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حسن اعتقاد رکھنے والے اسے بھی قرآن کا ہم پلہ و ہم مرتبہ سمجھتے ہوں تو پھر انہیں چاہیئے تھا کہ حلت و حرمت کو ثابت کرنے کے لیے جائز و ناجائز کو ثابت کرنے کے لیے اور کسی عمل پر ثواب و عقاب کو ثابت کرنے کے لیے یا احکام شرعیہ کے استنباط و استخراج کے لیے قرآن مجید کی طرح مثنوی مولانا روم سے بھی دلائل پیش کرتے اور انہیں حجت شرعی جانتے اور اس سے ثابت شدہ احکام و عقائد کے انکاری پر فتوے کفر دیتے مگر ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اگر کوئی مثال یا ثبوت ہوتا تو مجلۃ الدعوۃ والے وہابی اسے پیش کرتے بلکہ اہل سنت والجماعت کا تو عقیدہ ہے کہ سب کلاموں سے افضل و اعلیٰ اور بہتر کلام الہٰی ہے اور اس کا مرتبہ و منزلت اور رفعت و فوقیت کلام خلق پر ایسی ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا مرتبہ و منزلت مخلوق پر جیسے کہ حدیث شریف میں ہے۔

کلام اللہ کی فضیلت سب کلاموں پر ایسی ہی ہے جیسی اللہ کی مخلوق پر

وَفَضْلُ کَلَامِ اللّٰہِ عَلٰی سَائِرِ الْکَلَامِ کَفَضْلِ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت سب کلاموں پر ایسی ہے جیسی اللہ تعالیٰ

کی عظمت مخلوق پر۔

مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن میں اسے ترمذی داری بیہقی کے حوالہ سے لکھا ہے۔ اسی طرح بخاری جلد ثانی کتاب الاعتصام میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں حدیث منقول ہے۔

اِنَّ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَ اَحْسَنَ الْھُدٰی ھَدْیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

بلاشبہ سب سے اچھا کلام اللہ کی کتاب ہے اور سب سے اچھا طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔

اس وضاحت کے بعد کوئی مسلمان مثنوی مولانا روم کو قرآن مجید کے برابر نہیں سمجھتا۔ اب یہ بیان ہوگا کہ اگر لوگ مثنوی کو فارسی زبان کا قرآن کہتے ہیں تو ان کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ معاذ اللہ یہ قرآن پاک کے ہم مرتبہ ہے بلکہ اسے یوں سمجھیں کہ کسی چیز کے نام یا صفت کا اطلاق دوسری چیز پر تین طرح سے ہوتا ہے (۱) تشبیہاً (۲) استعارۃً (۳) مجازاً

ان تینوں کی تعریف:۔

تشبیہ	استعارہ	مجاز
مشبہ اور مشبہ بہ کے درمیان کوئی معنیٰ مشترک ہو۔	وہ لفظ جو اس معنیٰ میں استعمال ہو جو اس کے معنیٰ اصل کے مشابہ ہو۔	وہ کلمہ جو اپنے معنیٰ موضوع لہٗ کے علاوہ میں استعمال ہو۔

تعریف کے بعد یہ جاننا چاہیئے کہ مشبہ اسے کہتے ہیں جسے دوسرے سے

تشبیہ دی جائے تو جس کے ساتھ تشبیہ دی جائے اسے مشبہ بہ کہتے ہیں۔ مشبہ اور مشبہ بہ کے درمیان جو معنی مشترک ہے اسے مشبہ بہ میں اقوی ہونا چاہیے تب ہی اس تشبیہ سے مشبہ کی مدح ہو سکتی ہے۔

استعارہ کا لغوی معنی یہ ہے کہ کسی چیز کو بطور ادھار لینا اور اصطلاحی معنی یہ کہ ایک چیز کے معنی اصلی کا دوسری چیز پر بطور تشبیہ اطلاق کرنا۔

استعارہ میں بعض علماء کے نزدیک تشبیہ میں مبالغہ ہونا شرط ہے اور بعض کے نزدیک احسن ہے۔

مجاز یہ حقیقت کے بالمقابل ہے اس کا استعمال تب جائز ہے جبکہ معنی حقیقی کا استعمال متعذر ہو۔

اس تمہید کو سمجھنے کے بعد اب دیکھیں کہ جو حضرات مثنوی مولانا روم کو فارسی زبان کا قرآن کہتے ہیں تو یہ کہنا ان کا یا تو تشبیہاً ہوگا اگر تشبیہاً ہو تو اس صورت میں مشبہ اور مشبہ بہ کو تشبیہ کے لیے تمام معانی میں برابر و مشترک ہونا شرط نہیں بلکہ ایک معنی میں مشترک ہونا کافی ہے اور وہ بھی مشبہ بہ میں اقوی ہونا چاہیے تب ہی مشبہ کو مدح کا فائدہ حاصل ہوگا تو اس اعتبار سے مثنوی کو فارسی زبان کا قرآن کہنے سے مقصد اس کے محاسن کا اظہار کرنا ہوگا نہ کہ قرآن سے موازنہ۔ اگر اسے فارسی زبان کا قرآن کہنا استعارۃً ہو تو اس صورت میں مثنوی مستعار لہٗ اور قرآن مجید مستعار منہ ہوگا اور قرآن پاک کا طرزِ استدلال و طرزِ افہام اور طریقہ تخویف و تحذیر اور طریقہ تشویق و ترغیب وغیرہ مستعار ہوں گے اور مذکورہ کمالات و محاسن سے تشبیہ دینا استعارہ کہلائے گا تو یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ استعارہ میں تشبیہ کے لیے مبالغہ بعض علماء کے نزدیک شرط اور بعض کے نزدیک احسن تو اس اعتبار

سے بھی اگر مثنوی مولانا روم کو استعارۃً فارسی زبان کا قرآن کہا جاتا ہے تو یہی مطلب ہوگا کہ مثنوی کو مستعار لۂ سمجھ کر اس کے محاسن و کمالات کا اظہار کیا گیا ہے نہ کہ قرآن پاک سے تقابل و برابری۔

اسی طرح اگر مثنوی مولانا روم کو فارسی زبان کا قرآن کہنا مجازاً ہو تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں اس لیے کہ ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ بعض اسماء و صفات کا حق تعالیٰ پر بھی اطلاق ہوتا ہے اور مخلوق پر بھی لیکن حق تعالیٰ پر ان کا اطلاق ذاتی و حقیقی اور وجوبی طور پر ہے اور مخلوق پر عطائی و مجازی اور حدوث کے طور پر ہے۔

(۲) ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ مرزائیوں نے پنجابی نبی بنایا اور اس کذاب کو ظلی نبی کے نام سے موسوم کیا اسی طرح قبر پرستوں نے بے شمار قبروں کو غلاف پہنا کر انہیں بوسے دے کر اور پھیرے لگا کر کعبہ کا مقابلہ کر ڈالا جبکہ حنفی مولویوں نے اپنی فقہ کی کتاب ہدایہ کو کالقرآن۔ قرآن جیسی کتاب کہہ ڈالا اور حنفی صوفیوں نے تو کمال کر دیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو رب قرار دیا۔

(از جانب گدائے اولیاء)

اس مذکورہ عبارت پُر شرارت میں وہابیوں نے اہل سنت و جماعت کو اس عمل کی بنا پر کہ یہ مزارات پر جاتے ہیں اور وہاں چادریں چڑھاتے ہیں اور بوسے دیتے ہیں، مرزائیوں سے تشبیہ دی ہے اور یہ الزام لگایا ہے کہ انہوں نے قبور پر غلاف چڑھا کر اور بوسے دے کر کعبہ کا مقابلہ کر ڈالا ہے۔ میں ان وہابیوں سے کہتا ہوں کہ مزارات پر چادریں چڑھانے والے اور بوسے دینے والے سنی حضرات کو مرزائیوں سے تشبیہ دینا حقیقت کے مطابق نہیں بلکہ حقیقت کے مطابق تو یہ ہے کہ وہابیوں دیوبندیوں کو مرزائیوں سے تشبیہ

دی جائے اس لیے کہ مرزائیوں نے مرزا کذاب و مکار کو نبی کہا اور انہوں نے نعوذ باللہ مِنْ ذَالِکَ الْکُفْرِ کروڑوں محمد کا پیدا ہونا ممکن کہا۔ جیسا کہ طائفہ وہابیہ و دیوبندیہ کے مشترکہ امام اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں لکھا ہے۔

اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی و جن اور فرشتے جبرائیل اور محمدؐ کے برابر پیدا کر ڈالے۔

اس مذکورہ عبارت پر غور کریں تو واضح ہو گا کہ درحقیقت امام النجدیہ نے قرآن پاک کو جھوٹا ہونا ممکن کہا ہے اس لیے کہ حضور سید الانبیاء کو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین کہا ہے ملاحظہ ہو۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ ترجمہ: محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں، ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

تمام اہلِ ایمان کا عقیدہ ہے کہ مثلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا محال ہے

مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ تمام اہل ایمان اولین و آخرین متقدمین و متاخرین کا یہ عقیدہ مسلمہ ہے کہ مثل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا محال ہے مگر امام النجدیہ کروڑوں محمد پیدا ہونے کے امکان کے قائل ہیں اس لیے کہ بدون اس کے ان کی توحید ہی مکمل نہیں ہوتی کیونکہ ان کے نزدیک توہینِ

انبیاء و اولیاء سے ہی توحید مکمل ہوتی ہے۔

اب ان وہابیوں کے اہل سنت والجماعت پر لگائے گئے اس الزام پر غور کریں۔ انہوں نے بے شمار قبروں پر غلاف چڑھا کر اور بوسے دے کر اور پھیرے لگا کر کعبہ کا مقابلہ کر ڈالا ہے۔ اول تو ان وہابیوں کی اس فریبکاری کا اندازہ لگائیں کہ بزرگانِ دین کے مزارات پر جو چادریں ڈالی جاتی ہیں ان کو غلاف کا نام دے رہے ہیں تاکہ کعبۃ اللہ سے تشبیہ دے کر چادریں ڈالنے والوں پر الزام کا موقع مل سکے یا لوگوں کے دلوں میں مزارات کے متعلق بدظنی پیدا کر سکیں حالانکہ مزارات پر جو چادریں چڑھائی جاتی ہیں ان کو عرفِ عام میں چادریں ہی کہا جاتا ہے نہ کہ غلاف مگر جو کپڑا خانہ کعبہ پر ڈالا جاتا ہے یا وہ کپڑا جس سے قرآن شریف کو لپیٹا جاتا ہے اسے عرفِ عام میں غلاف کہا جاتا ہے۔ اگر عرف کا اعتبار نہ کیا جائے تو پھر "غلف" کا لغوی معنی پردہ ہے لہٰذا ہر پردہ کو غلاف کہنا چاہیے۔

مزارات پر چادریں ڈالنے کے دو مقصد ہیں

واضح ہو کہ مزارات پر چادریں چڑھانے کے دو مقصد ہیں۔ ایک یہ کہ چادریں چڑھانے میں ان اللہ والوں کی شان و عظمت کا اظہار ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث بھی ہے اور عوام کے دلوں میں ان کی عزت و احترام بڑھنے اور ان سے حصولِ فیض میں رغبت کا ذریعہ بھی۔

دوسرا مقصد یہ کہ چادروں پر آیاتِ قرآنی و سورتیں اور کلمے درود شریف لکھے ہوتے ہیں جو متبرک و مفید ہیں لیکن ایسی قبور پر چادریں نہیں ڈالنی چاہئیں جن کی حفاظت نہ ہو کیونکہ اندیشہ ہے کہ وہ ہوا سے اُڑیں گی اور ناپاک

جگہ جا پڑیں گی یا اُن پر گرد و غبار پڑے گی اور پرندے بیٹھیں گے اور بعض جگہ تو قبور میں چار پائے وغیرہ عموماً پھرتے رہتے ہیں، وہ منہ میں ڈالیں گے اور پاؤں سے روندیں گے لہٰذا ان کی توہین ہو گی۔

اور ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ مزارات کو بوسے دے کر انہوں نے خانہ کعبہ کا مقابلہ کر ڈالا ہے۔ اب ان سے کہا جائے تم کوئی قرآن و حدیث سے ایسی دلیل پیش کرو جس سے کعبۃ اللہ کو بوسہ دینے کا حکم ہو اور اس کے علاوہ سے منع؟ نیز اگر اہلِ ایمان کعبہ شریف کو بوسے دیتے ہیں تو اس لیے دیتے ہیں کہ وہ اللہ کا گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بیتی کہا ہے اسی نسبت سے لوگ اسے بوسے دیتے ہیں اور اس کے احترام و اکرام میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی جانتے ہیں، اسی طرح اگر اہلِ ایمان اولیاءِ کرام کے مزارات کو بوسے دیتے ہیں تو اسی لیے دیتے ہیں کہ وہ اللہ کے دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود انہیں اولیاء اللہ کہا ہے، اس نسبت سے لوگ ان کے مزارات کو بوسے دیتے ہیں اور ان کے احترام و اکرام میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی جانتے ہیں۔

اب ان کے اس قول کی طرف آتے ہیں جو انہوں نے کہا کہ قبروں کے پھیرے لگا کر انہوں نے کعبہ کا مقابلہ کر ڈالا ہے۔ یہاں پر پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ خانہ کعبہ کے گرد جو پھیرے لگائے جاتے ہیں اسے طوافِ بیتُ اللہ یا طوافِ کعبہ کہا جاتا ہے۔ یہ فرض بھی ہے اور واجب بھی اور سنّت و مستحب بھی لیکن جو حضرات مزارات کے گرد گھومتے ہیں وہ نہ اسے فرض کہتے ہیں نہ واجب نہ سنت بلکہ وہ صرف حصولِ برکت کے لیے گھومتے ہیں۔ پھر اگر یہ حضرات بقول وہابیہ خانہ کعبہ سے معاذ اللہ مقابلہ کے طور پر مزارات کا طواف کرتے ہوں تو انہیں کیا ضرورت ہے کہ ہزاروں روپے خرچ کر کے اور اتنا وقت صرف کر کے اور اہل و عیال

کو چھوڑ کر اور وطن کو چھوڑ کر اور سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے حج و عمرہ ادا کرنے کی؟ مگر سب اولیاء کرام کے خدام کی تمنی ہوتی ہے کہ ہم اس مقدس مقام پر جا کر بیت اللہ شریف کی زیارت کریں اور حج و عمرہ ادا کریں اور روضۂ رسول سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ بیت و صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی زیارت کریں اور مقامات مقدسہ کو دیکھیں۔

اب ذرا اہلِ سنت پر کعبۃ اللہ کا مقابلہ کرنے کا الزام لگانے والے وہابیوں کی اپنے مولویوں سے افراطِ عقیدت و اندھی محبت کی بھی ایک جھلک دیکھیں کہ اپنے مولوی ثناء اللہ امرتسری کا عیسیٰ نبی اللہ علیہ السلام سے مقابلہ کر رہے ہیں جیسا کہ سیرت ثنائی صفحہ نمبر ۷۰۵ پر اس کی مدح میں یوں کہتے ہیں۔

"اے مسیحا آپ کے دم سے یہ کھیتی تھی ہری۔ ہو بیاں مجھ سے کب آپ کے اوصاف کا۔"

غور کریں کہ مسیح عیسیٰ علیہ السلام کا لقب قرآن سے ثابت ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ آپ مادرزاد اندھے اور کوڑھے پر اپنا دست مبارک پھیرتے تو وہ درست ہو جاتا۔ مگر یہ وہابی جو لوگوں سے ہر بات پر قرآن و حدیث سے دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں یہ پتہ نہیں کس دلیل سے اپنے مولوی کو مسیح کہہ رہے ہیں اور اس کا تصرف یوں بیان کر رہے ہیں۔ آپ کے دم سے یہ کھیتی تھی ہری کہہ رہے ہیں اور پھر ستم بالا ستم یہ کہ اسے 'اے' اور 'آپ' کہہ کر مخاطب کر رہے ہیں اور نبی ولی اور شہید کو مخاطب کرنا شرک کہتے ہیں۔ ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ:

حنفی مولویوں نے اپنی فقہ کی کتاب ہدایہ کو کالقرآن۔ قرآن جیسی کتاب کہہ ڈالا اور حنفی صوفیوں نے تو کمال کر دیا انہوں نے اپنے آپ کو رب قرار دیا۔

درحقیقت یہ ان وہابیوں کا الزام بے بنیاد ہے کہ حنفی ہدایہ کو قرآن جیسی کتاب مانتے ہیں اس لیے کہ ہم نے نہ تو اپنے سنی حنفی بریلوی علماء سے ایسا سنا ہے اور نہ ہی اپنی کسی کتاب میں یہ پڑھا ہے بالفرض اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ ہدایہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اسے قرآن سے ہی لیا گیا ہے۔

(۲) جس طرح قرآن پاک میں عبادات و معاملات کو بیان کیا گیا ہے اور عقائد و مسائل کو بیان کیا گیا اور حلال و حرام کو بیان کیا گیا ہے اور جائز و ناجائز کا امتیاز کیا گیا ہے اور حقوق اللہ و حقوق العباد کا ذکر کیا گیا ہے اسی طرح ان امور کو ہدایہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ حنفی صوفیوں نے تو کمال کر دیا۔ انہوں نے اپنے آپکو رب قرار دیا۔ یہ ان وہابیوں کا جھوٹ و بہتان ہے اور سادہ لوح مسلمانوں کو صوفیاء کرام سے متنفر کرنے کی سازش ہے اور صوفیاء کرام سے ان کے بغض و عناد اور خبث قلبی کا اظہار کرنا ہے۔

بہرحال صوفیاء کرام و تصوف کے متعلق اور وحدۃ الوجود جس کے صوفیاء قائل ہیں اس کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے اب اسے دوبارہ چھیڑنا عبث و فضول ہے۔

(۳) ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ مثنوی کا آغاز بانسری سے ہو رہا ہے کہ اے صوفی بانسری سن کیوں کہ عشق کی آگ ہے جو بانسری میں لگی ہے عشق کا جوش ہے جو شراب میں آیا ہے بانسری پھر عشق کی آگ پھر عشق کا جوش پھر یہ جوش شراب میں آگیا ہے۔

جناب والا، یہ فارسی قرآن پڑھیئے اس پر عمل کیجیے جدائیاں ختم کیجیے بانسری کی آواز پہ دھیان دے کر ایک ہو جائیے۔ وحدۃ الوجود کے نظریئے کا مزہ لیجیے

یعنی اللہ میں گم ہوجایئے ۔ (از جانب گدائے اولیاء)

یہ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ یہ ان وہابیوں کی کذب بیانی ہے کہ مثنوی مولانا روم کا آغاز بانسری سے ہوا ہے اور یہ بھی بتایا جاچکا ہے کہ اس کا آغاز خطبہ حمد و ثنا صلوٰۃ وسلام اور بسم اللہ سے ہوا ہے۔

جس بانسری کا ذکر مثنوی میں ہے اس سے مراد رُوح ہے

اب یہاں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جس بانسری کا ذکر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں کیا ہے اس سے کیا مُراد ہے اسی غرض سے ہی یہاں چند اشعار مثنوی سے اور ساتھ ہی ان کا ترجمہ اور مراد کو بیان کیا جاتا ہے۔

بشنو از نے چوں حکایت میکند
وز جدائیہا شکایت میکند

ترجمہ: بانسری سے سُن کیا حال سناتی ہے اور جُدائیوں کی کیا شکایت کرتی ہے۔

مُراد: یہاں 'نے' یعنی بانسری سے مُراد انسانی روح ہے۔

شرح: روح انسانی جو اپنی اصل وعادت کے اعتبار سے ایک پاک نورانی مخلوق ہے اس کا مقام ملکوت یعنی عالم ارواح تھا جہاں وہ ذاتِ حق کی محبت اور ذکر و فکر کی سعادتوں سے بہرہ ور تھی اور ان تمام روحانی معائب و اخلاقی رذائل سے پاک تھی جن کا گھر ناسوت یعنی عالم اجسام ہے لیکن جب وہ بمشیئت خداوندی جسم عنصری سے متعلق ہوکر عالم اجسام میں آئی تو یہ لازمی امر تھا کہ اس کی سابقہ سعادتوں میں کمی آجائے جو عالم ارواح میں اسے میسر تھیں اور بغض و عناد نزع و فساد تکبر و کینہ اور حسد و طمع ریا و بخل اور جھوٹ و خیانت وغیرہ

جیسے معائب و رذائل میں ملوث ہوجائے جو عالم سفلی کے لوازم میں سے ہیں اور یہ ایک بہت بڑی نقصان و خسران کی حالت ہے جس کو عوام کی ارواح محسوس نہیں کرتیں جو اپنے شبا روزی دنیوی کاروبار و مشاغل اور طول امل کی مستی میں غافل ہیں لیکن جو شخص قلبِ بصیر اور نفس عبرت گیر رکھتا ہے یا اس نے تہذیب اخلاق و تزکیہ نفس کی کتابوں کے مطالعہ سے سبق عبرت حاصل کیا ہے یا پیر کامل کی تربیت نے اس کے دل سے حجاب غفلت اُٹھا دیا ہے تو اس کی روح متنبہ ہو ہوکر معلوم کرتی ہے کہ وہ کس اعلیٰ مقام سے تنزل کر کے کس قدر ادنیٰ عالم میں اتری ہے اور کیسی سعادتوں سے الگ ہو کر کیسی آلودگیوں میں گھر گئی ہے۔ ایسی روح اپنے اس حرمان و خسران کو محسوس کر کے دست افسوس ملتی اور روتی ہے اس کے اسی حال کو مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے بانسری سے تعبیر کیا ہے۔

بر حال یہ تو عامتہ الصالحین کی ارواح کا حال ہے لیکن انبیاء و مرسلین کی ارواح قدسیہ اگر دنیا میں آکر روحانی و اخلاقی رذائل میں ملوث نہیں ہوتیں اور ان کے قلوب اس عالم اجسام میں بھی انوار غیب سے بھی مستنیر رہتے ہیں مگر پھر بھی ان کی ارواحِ پاک کو عالم قدس سے مہجور ہو کر ایسے عالم میں بسر کرنا جس کی آب و ہوا خطیات و ذنوب کی پرورش کرتی ہو گوارہ نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کو تکمیلِ دین کے بعد یہ اختیار دیا گیا کہ خواہ دنیا میں رہنا پسند فرمائیں خواہ ذائقہِ موت کے بعد عالم بالا کو تو آپؐ نے عالم بالا کو ہی پسند فرمایا جیسا کہ مشکوٰۃ شریف کی اس حدیث میں ہے۔

جب حضور سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دُنیاوی یا اُخروی زندگی میں اختیار دیا گیا تو آپؐ نے اُخروی زندگی کو پسند فرمایا

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَلَسَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَقَالَ اِنَّ عَبْدًا خَیَّرَہُ اللّٰہُ بَیْنَ اَنْ یُّؤْتِیَہٗ مِنْ زَھْرَۃِ الدُّنْیَا مَا شَآءَ وَبَیْنَ مَا عِنْدَہٗ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَہٗ۔

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ گر ہوئے پس فرمایا" بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ خواہ وہ دنیا کے مال واسباب میں سے جو چاہے اسے دے دے یا اس کو وہ شرف و مرتبہ بخشے جو اس کے پاس ہے پس اس بندہ نے وہ شرف و مرتبہ اختیار کرلیا جو اس کے پاس ہے۔ شعر۔

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند

از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

ترجمہ: کہ جب سے مجھے نَے کی زمین سے کاٹ کر (جدا کردیا) گیا ہے میرے نالہ و فریاد سے مرد و زن روتے ہیں۔

(مراد) جیسا کہ ابھی بیان ہوا ہے کہ نَے یعنی بانسری سے مراد انسانی روح لیا گیا ہے اور عالم ارواح کو اس شعر میں نیستان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(خلاصہ) صاحب کلام فرماتے ہیں کہ "نَے" (یعنی روح) فریاد کرتی ہے کہ جب سے مجھے نیستان (عالم ارواح) سے جدا کر کے عالم ناسوت میں مقید کیا گیا ہے اس وقت سے میں اپنے فضائلِ روحانیہ ضائع یا کم ہو جانے پر اس قدر درد انگیز طریقہ سے رو رہی ہوں کہ تمام سننے والے مرد خواہ عورت ازراہِ ترحم یا بوجہ تاثر رونے لگتے ہیں۔ (شعر ۳)

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق

ترجمہ: میں (سننے والے کا ایسا) سینہ چاہتی ہوں (جو پہلے ہی) فراق سے پارہ پارہ ہو تاکہ (اس کو اپنا ہمدرد سمجھ کر) دردِ شوق کا حال کھول کر سناؤں۔

شرح: یہاں بھی کلام کی نسبت "نَے" یعنی روح کی طرف کی گئی ہے اور سینہ سے مراد صاحبِ سینہ ہے اور شرحہ شرحہ از فراق سے مراد ہجر و فراق اور رنج و الم کی وجہ سے دردمند شخص ہے (روح) نے اپنا دردِ شوق بیان کرنے کے لیے صاحبِ درد و فراق کا مطالبہ اس لیے کیا کہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جن لوگوں کا دل مصائب سے لذت گیر اور درد کی لذت شناس نہیں ہوتا ان پر نہ کسی کے نالہ و فریاد کا اثر ہوتا ہے اور نہ کسی کی درد بھری داستان ان کو اپنی طرف متوجہ کر سکے لہٰذا ایسے بے درد و حس لوگوں کے سامنے اپنا دکھ درد بیان کرنا بھینس کے آگے بین بجانے کے مصداق ہے۔ پس "نَے" کہتی ہے میں اپنا حال اس دردمند انسان کے آگے بیان کرنا چاہتی ہوں جو پہلے ہی مصیبتِ فراق سے سینہ چاک ہو تاکہ وہ پورے شوق و میلان سے میرا حال سنے اور میں جی کھول کر اسے سناؤں۔

(شعر) ہر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش
باز جوید روزگارِ وصلِ خویش

ترجمہ: جو شخص اپنے اصل سے دور ہو جاتا ہے وہ پھر ایّامِ وصل کی تلاش میں رہتا ہے۔

خلاصہ: اس سے پہلے "نَے" یعنی روح کے درد و تاسف کا ذکر ہو رہا تھا اب اس درد و تاسف کے وقوع کی وجہ و سبب بیان ہو رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ جو کیفیت و حال نے (روح) کے متعلق بیان ہوا ہے یہ سب بے وجہ و بے سبب نہیں بلکہ حقیقت مسلمہ ہے کہ جو کوئی اپنے اصل یعنی ہمزاد و ہم جنس سے جُدا ہو جاتے تو اس پر اضطراب و بے قراری کی کیفیت طاری رہتی ہے اور وہ اپنے اصلی مقام پر واپس جانے کے لیے اور اپنے ہمزاد و ہم جنس سے ملاپ کے لیے ایامِ وصل کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے اسی طرح روح بھی عالم ملکوت کی چیز ہے جسے اپنے اصل مقام سے جُدا کر کے عالم اجسام کی قید میں مقید کیا گیا اور روحانی کمالات بھی ضائع یا کم ہوئے اس لیے اس عالم میں اسے رہنا دشوار و ناگوار ہوا اسی لیے واپس جانے کی طالب ہوتی ہے اور ایام وصل کی تلاش میں رہتی ہے۔

ان مذکورہ اشعار کو لکھنے اور ان کے متعلق بیان کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ "نَے" سے مراد بانسری یا سارنگی نہیں بلکہ اس سے مراد روح مفکرو مذکر ہے جیسا کہ اسی حکایت میں کچھ آگے چل کر صاحب کلام نے خود اسکی وضاحت یوں کی ہے۔

(شعر) دمدمہ ایں نائے از دمہائے اوست

ہائے و ہوئے روح ہیہائے اوست

ترجمہ: اس "نَے" کی آواز اسی (حقیقی نے نواز) کے پھونکوں سے ہے روح کی آہ و بکا اسی کی تنبیہات سے ہے۔

اس شعر میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے "نے" کو روح سے تعبیر کر رہے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ نے کا ذکر محض تمثیلی تھا لیکن اصل مراد روح کا حال و کیفیت بیان کرنا تھا۔ نے کی وضاحت

نے کی وضاحت کے بعد اب یہ بیان ہوگا کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں کون سے عشق اور کون سی شراب کا ذکر کیا ہے اور نجدی حضرات دانستہ یا نادانستہ بقصد فریب کاری یا بطور جہالت اسے دنیاوی ناپاک شراب اور دنیاوی عشق بتا رہے ہیں اور ایک ولی کامل عارف باللہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ جس کا قصور ان کے نزدیک یہ ہے کہ اس نے اہل سنت وجماعت کے عقائد کو عارفانہ انداز میں کھول کر بیان کیا ہے اور عقائد باطلہ کو اپنے مخصوص انداز میں رد کیا ہے اسی لیے ان کے وصال کو اتنا طویل عرصہ گزرنے کے بعد بھی ان لوگوں کا درد پیٹ و دردِ قلب ان کو بے چین و بے قرار کر رہا ہے اور ان کا بغض و عناد انہیں اس کی گستاخیوں اور اس کے متعلق زبان درازیوں پر مجبور کر رہا ہے اور عداوت و دشمنی نے انہیں اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ ان کی اچھائیاں انہیں برائیاں نظر آنے لگیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام کا اصل مقصد چھوڑ کر یہ کہہ دیا مولانا روم نے مثنوی میں بانسری اور عشق و شراب کا ذکر کر کے گند بھر دیا ہے مگر کاش کہ انہیں اپنے گھر کی ہی خبر ہوتی اور اپنے مولوی جی کے متعلق لکھی ہوئی سیرت ثنائی کا مطالعہ ہی کیا ہوتا تو جو تاویل وہاں کرتے شاید یہاں بھی ان کو وہی یاد آجاتی۔ بہر حال یہ اگر مذکورہ کتاب نہیں پڑھ سکے تو میں ان کی آگاہی کے لیے ایک شعر یہاں لکھ دیتا ہوں ؎

صراحی ہے نہ پیمانہ سبو ہے اور نہ خم خانہ
بتا پیرِ میخانہ یہ میخانوں پہ کیا گزری!

ذرا غور کریں اس شعر میں اپنے مولوی ثناء اللہ صاحب کو شراب کی فیکٹری کا مالک ظاہر کر رہے ہیں اور یہ گریہ وزاری کر رہے ہیں کہ ان کی موت کے بعد وہابیوں کے سارے میخانے بند پڑے ہیں اور وہ سب مے خوری سے محروم ہو گئے ہیں۔

جو عقیدہ انبیاء و اولیاء کے متعلق شرک، وہ گھر کے بزرگ کیلئے جائز ہو گیا!

پھر ستم بالا ستم یہ کہ جو قوم انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو بعد از وصال مخاطب کرنا شرک اور ان کو مخاطب کرنے والے کو مشرک کہتی اور اس عقیدہ کو کہ یہ نفوس قدسیہ بعد از وصال بھی ہمارے حال کو جانتے اور ہماری فریاد کو سنتے ہیں مشرکانہ عقیدہ کہتی ہے وہی قوم اپنے گھر کے بزرگ مولوی ثناء اللہ امرتسری کے متعلق کس قدر حسنِ اعتقاد رکھتی ہے کہ بعد از موت بھی اس کے سننے پر یقین رکھتی ہے اور اسے مخاطب کرنا شرک سے مستثنیٰ سمجھتی ہے اور اس کے حضور فریاد کو جائز رکھتے ہوئے اسے یوں پکار رہی ہے کہ ؎

بتا پیر میخانہ یہ میخانوں پہ کیا گزری

غور کریں جو اعتقاد انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام پر رکھنا شرک جلی تھا وہی اپنے گھر کے بزرگ پر رکھنا عین ایمان ہو گیا۔

بہر کیف اب بیان ہو گا کہ جس شراب اور عشق کا ذکر مثنوی میں کیا گیا ہے اس سے کون سی شراب اور کون سا عشق مراد ہے لہٰذا اس مقام پر بہتر یہی سمجھتا ہوں کہ صاحب کلام کے اشعار سے ہی اس کی وضاحت ہو تا کہ کسی معترض کو یہ اعتراض نہ رہے کہ یہ راقم نے خود اپنے پاس سے کہہ دیا ہے۔

جو عشق نفسانی خواہشات کی بنا پر کیا جائے وہ آخرت میں شرمندگی کا باعث بنے گا

شعر: عشقہائے کز پے رنگے بود
عشق نبود عاقبت ننگے بود

ترجمہ: جو عشق صرف رنگ و روپ کی خاطر ہو وہ سچا عشق نہیں بلکہ انجام کار شرمندگی کا سبب بنتا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ جو عشق رنگ و روپ اور حسن و جمال پر فریفتہ ہو کر نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے کیا جائے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل و مجوز نہیں۔

مذکورہ شعر سے چند اشعار بعد مولانا یوں فرماتے ہیں ؎

زانکہ عشق مردگاں پایندہ نیست
زانکہ مردہ سوئے ما آیندہ نیست

ترجمہ: کیونکہ جو مرنے والے ہیں ان کا عشق پائیدار نہیں اس لیے کہ جو مرتا ہے وہ پھر ہماری طرف نہیں آتا۔

عشق اس سے کرو جو سدا زندہ ہے

(شعر) عشق زندہ در روان و در بصر
ہر دمے باشد ز غنچہ تازہ تر

ترجمہ: زندہ یعنی حیّ و قیوم کا عشق ہی ہر دم جان و آنکھ میں غنچہ سے

نو بڑھ کر تازہ بہ تازہ ہے۔ (شعر)

عشق آں زندہ گزیں کہ باقی ہست

وز شراب جانفزایت ساقی ہست

ترجمہ: اے طالب اس زندہ رہنے والے کا عشق اختیار کر جو سدا باقی ہے اور محبت کی روح افزا شراب تجھے پلانے والا ہے ؎

عشق آں بگزیں جملہ انبیاء

یافتند از عشق او کار و کیا

ترجمہ: اس ذاتِ پاک کا عشق اختیار کر جس کے عشق سے تمام انبیاء علیہم السلام نے ممتاز و معزز ہوئے۔

ان مندرجہ بالا اشعار سے ایک تو یہ روشن من الشمس ہوا کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ جس عشق کے داعی و طالب ہیں وہ سچا و حقیقی ہے۔ دوسرا یہ اظہر من القمر ہوا کہ جس شراب کا ذکر مولانا نے مثنوی میں کیا ہے وہ دنیاوی ناپاک و خبیث شراب نہیں بلکہ وہ شراب طہور روحانی ہے کیونکہ دنیاوی ناپاک شراب سے روح کو غذا حاصل نہیں ہوتی نفس امارہ شیطانی کو تقویت پہنچتی ہے۔ تو مولانا اس شراب کی بات کر رہے ہیں جو جانفزا ہے اور اس کا ساقی ذاتِ تعالیٰ ہے مگر کیا کریں اور کیا سمجھائیں سیاہ چہرہ کو آئینہ میں اپنا ہی چہرہ نظر آتا ہے اور اسی پر سب کو قیاس کرنے لگتا ہے پس یہی وجہ ان وہابیوں کے مثنوی پر اعتراض کرنے کی ہے حالانکہ مثنوی کی خوبیاں و محاسن بے شمار ہیں جو انکی حقیقت ناشناس آنکھوں کو برائیاں دکھائی دے رہی ہیں۔

(۴) ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ پاک پتن میں بھی ایک بزرگ بابا فرید ہیں جنہیں گنج شکر یعنی شکر کے خزانے دینے والا کہا جاتا ہے حقیقت یہی ہے کہ تصوف

کی شکر کھا کھا کر پوری قوم پھوڑوں کے روگ میں مبتلا ہے۔ ان پھوڑوں کا پھوڑنا ضروری ہے۔ یہ محض اللہ کی توفیق ہے کہ ہم کتاب وسنت کے نشتر سے ان پھوڑوں کا آپریشن کر رہے ہیں۔ (از جانب گدائے اولیاء)

میں کہتا ہوں کہ یہ ان وہابیوں کی جہالت وکذب بیانی ہے کہ گنج شکر کا معنی شکر کے خزانے دینے والا بتا رہے ہیں حالانکہ گنج شکر کا معنی شکر کا خزانہ ہے۔ یہ حضرت سیدنا فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ کا لقب ہے جس سے آپ کرامت کی وجہ سے ملقب ہوئے باقی جہاں تک خزانے دینے کا تعلق ہے وہ سیدنا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ صرف شکر کے خزانے تقسیم نہیں کرتے بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کی عطا سے دارین کے خزانے تقسیم فرماتے ہیں۔

اور ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ ..... تصوف کی شکر کھا کھا کر پوری قوم پھوڑوں کے روگ میں مبتلا ہے۔ جہاں تک تصوف کا تعلق ہے تو اس کی خوبیوں اور اچھائیوں اور اس میں دنیا وآخرت کی سعادتوں اور برکات کا بیان تو بفضلہٖ تعالیٰ باب چہارم میں آچکا ہے اب اس کا اعادہ بے معنی ہوگا۔ یہاں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ تصوف کی شکر کھانے سے پھوڑے تو پیدا نہیں ہوتے بلکہ ذوق طلب حق اور لذت عبادت ونور ایمان پیدا ہوتے ہیں۔

جو کسی کی غذا ہو وہی اُسے ہضم ہوتی ہے

البتہ وہابیوں کے قلوب بے شعور وبے نور پر ضرور پھوڑے نکلتے ہوں گے مگر اس میں تصوف کا کوئی قصور نہیں اس لیے جو کسی کی غذا ہو وہی اسے ہضم ہوتی ہے لہٰذا جس کی غذا ہی ناپاک ہو اسے وہی ہضم ہوگی جیسا کہ قرآن

مجید میں ہے۔ اَلطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالْخَبِیْثَاتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ۔
پاکیزہ پاکوں کے لیے ہیں اور خبیث خبیثوں کے لیے اسی طرح آپ ایک مثال کو یوں سمجھیں کہ بارش جس کا پانی پاک وطاہر ہے وہ سب جگہ یکساں پڑتی ہے مگر زمین مختلف حالتوں کے لحاظ سے اپنے اپنے حال اور اپنی اپنی قابلیت کے مطابق ہی اس کا اثر ظاہر کرتی ہے۔ زرخیز زمین سے شجرات ونباتات اور مفید سبزہ جات و پھول دار پوداجات پیدا ہوتے ہیں اور بنجر و بیکار زمین سے کچھ بھی نہیں اگتا اور وہی پاک طاہر بارش گندگی کے ڈھیروں پر بھی پڑتی ہے لیکن اس کی بدبو میں اور اضافہ ہوتا ہے اور اس کی نجاست پھیلتی ہے مگر اس میں بارش کا کوئی قصور نہیں خرابی تو ان گندگی کے ڈھیروں میں ہے کہ انہوں نے بجائے فائدہ حاصل کرنے کے بدبو اور گندگی ہی پھیلائی۔

الغرض اسی طرح تصوف بھی اگر کسی کی طبیعت کے موافق نہ ہو تو اس میں تصوف کا کیا قصور۔ وہ تو بے شمار محاسن و خوبیوں کو اپنے دامن میں لیے ہوتے ہے۔ ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ ہم قرآن وسنت کے نشتر سے ان پھوڑوں کا آپریشن کر رہے ہیں۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ تمہارا یہ کہنا کہ ہم قرآن وسنت کے نشتر سے آپریشن کر رہے ہیں یہ خلاف حقیقت اور سچائی سے خالی ہے۔ ہاں بلکہ یوں کہو کہ بغض وعداوت حسد و کینہ کے شیطانی نشتر سے بے قصور بے گناہ قلوب طاہرہ و زکیہ کو چھید رہے ہیں۔

(۵) ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ مولانا رومی بھی اسی وحدۃ الوجود کے علمدار تھے چنانچہ وہ اپنے مرشد شمس تبریز کی شان میں جو جو کہتے ہیں اور پھر ان کی جدائی میں جو جو ارشاد فرماتے ہیں اس میں وحدۃ الوجود ہی کی چھاپ نظر آتی ہے نہیں تو ملاحظہ ہو!

شمس تبریزی جو مکمل نور ہے سورج ہے اور حق کے نوروں میں سے ہے وہ سورج جس سے یہ سارا عالم روشن ہے اگر تھوڑا سا آگے آجائے تو سب کو جلا دے تاکہ دنیا کی جان کا دل تباہ نہ ہو۔ اب ہونٹ سی لے اور آنکھیں بند کر لے فتنہ و فساد اور تباہی کی کوشش نہ کر اور اس سے زیادہ شمس تبریز کے بارے میں جستجو نہ کر۔ مولانا روم نے اپنے مرشد کو مکمل نور کہا پھر اللہ کے نوروں میں سے نور کہا پھر کہا کہ یہ وہی سورج ہے جس سے سارا جہاں روشن ہے اگر یہ تھوڑا سا آگے آ جائے تو سب کو جلا دے یعنی رومی صاحب سمجھا رہے ہیں کہ ہے تو یہ اللہ لیکن چونکہ میں ایسی بات نہیں کہہ سکتا کیونکہ اگر کہہ دوں تو فتنہ و فساد اور تباہی کا ڈر ہے لہذا میں نے اپنے ہونٹ سی لیے ہیں اور آنکھیں بند کر لی ہیں اور شمس تبریز کے بارے میں جستجو نہ کرنے کا عزم کر لیا ہے کیونکہ اس کی جستجو کیا کروں جو زمین پر چلتا پھرتا خدا دکھائی دیتا ہے۔ تو یہ ہے وحدۃ الوجود کا گند جو مولانا روم کی مثنوی میں بھرا پڑا ہے۔ (از جانب گدائے اولیاء)

ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ مولانا روم جو جو اپنے مرشد کی شان میں کہتے ہیں اس میں وحدۃ الوجود کی ہی پیپ نظر آتی ہے۔ برادرانِ اسلام درحقیقت جس کو آپ نے ملاحظہ فرمایا یہ ان نجدیوں کی اہلِ اللہ سے عداوت اور خبث قلبی و گندی ذہنیت کا اظہار کرنا ہے اس لیے کہ مثال مشہور ہے، برتن سے وہی کچھ ٹپکتا ہے جو اس میں ہو۔ اور جہاں تک وحدۃ الوجود کے عقیدہ سعیدہ کا تعلق ہے تو اسے باب پنجم میں بیان کر دیا گیا ہے۔ نیز بڑے بڑے اہل علم صوفیائے کرام و اولیاء ربانی نے اس کے بیان میں کثیر کتب تحریر کی ہیں۔

وہابیوں کو عقیدہ وحدۃ الوجود سے اس لیے تکلیف ہوتی ہے کہ وہ اسے مکین عرش مانتے ہیں

یہاں صرف اتنا بتا دیتا ہوں کہ ان وہابیوں کو عقیدہ وحدۃ الوجود سے اس لیے تکلیف ہوتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کو مکین عرش اور جالس کرسی مانتے ہیں جیسا کہ وہابیوں کے رسالہ مجلۃ الدعوۃ کی عبارت اس سے پہلے گزر چکی ہے جس میں انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے عرش پر رہتا ہے مزید اس پر ان کی کتابوں کے حوالے یہاں ملاحظہ ہوں۔

طائفہ وہابیہ کے امام و مجدد ابن تیمیہ کا عقیدہ شیخ الاسلام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں لکھا ہے۔

عقیدہ: اِنَّہٗ بِقَدْرِ الْعَرْشِ لَا اَصْغَرُ وَلَا اَکْبَرُ۔ اللہ تعالیٰ عرش کے برابر ہے نہ اس سے چھوٹا ہے اور نہ بڑا۔ فتاویٰ حدیثیہ صفحہ ۱ مطبوعہ مصر۔ برادران اسلام غور کریں سب اہلِ ایمان کا عقیدہ مسلمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے پنجگانہ اوقات الصلوٰۃ میں مسلمان آذان و اقامت میں یہ اعلان کرتے ہیں اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے۔ مگر امام الوہابیہ ابنِ تیمیہ کہہ رہا ہے کہ اللہ نہ عرش سے چھوٹا ہے نہ بڑا اور یہ بھی سب اہلِ ایمان کا عقیدہ مسلمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حد و انتہا نہیں لیکن امام الوہابیہ اللہ تعالیٰ کی حد و انتہا کا تعین کر رہا ہے کہ اللہ عرش کے برابر ہی ہے اس سے چھوٹا یا بڑا نہیں۔

اب دیوبندیوں اور غیر مقلدین وہابیوں کے امام اور مجدد ابن قیم کا عقیدہ

ملاحظہ ہو۔

عقیدہ: وَزَعَمْتُ اَنَّ اللّٰہَ عَلَی الْعَرْشِ وَالْکُرْسِیِّ حَقًّا فَوْقَہٗ قَدَمَان۔ اور میرا عقیدہ ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا عرش اور کرسی پر موجود ہونا حق ہے اور اس نے دونوں قدم کرسی پر رکھے ہوئے ہیں۔ قصیدہ نونیہ از ابن قیم صہ ۱۳۔

برادران اسلام غور فرمائیں کہ مذکورہ عبارت میں امام الوہابیہ و دیوبندیہ ابن قیم نے ایک تو اللہ تعالیٰ کا عرش پر رہنا اور کرسی پہ بیٹھنا حق و صحیح کہہ دیا جس سے عقیدہ توحید میں بے شمار مفاسد پیدا ہوتے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر باب سوم میں لکھا جا چکا ہے دوسرا اسی عبارت میں اللہ تعالیٰ کے لیے پاؤں بتا رہا ہے حالانکہ اہل ایمان اولین و آخرین متقدمین و متاخرین اس عقیدہ قدیمہ سعیدہ پر متفق و متحد ہیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اعضاء سے مرکب نہیں۔

اب غیر مقلدین کے ایک اور امام وحید الزماں کا عقیدہ ملاحظہ ہو۔

وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ اس آیت کے ماتحت میں لکھتے ہیں جب وہ کرسی پر بیٹھتا ہے تو چار انگل بھی بڑی نہیں رہتی ہے اس کے بوجھ سے چرچر کرتی ہے۔

قرآن پاک مترجم مولوی وحید الزماں .... ان وہابیوں کا یہ اعتراض کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد حضرت شمس الدین تبریزی کو نور مکمل اور سورج اور پھر اللہ کے نوروں میں سے نور کہا ہے اس کے ازالہ کے لیے پہلے یہاں اس کے متعلقہ شعر لکھا جاتا ہے پھر حسب توفیق اس کی وضاحت کی جائے گی۔

مولانا کے اپنے مرشد شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کو نورِ مطلق کہنے سے کیا مراد ہے؟

(شعر) شمس تبریزی کہ نور مطلق ست
آفتاب است وز انوار حق ست

ترجمہ: شمس تبریزی جو کہ نور کامل ہیں وہ کمالات کے آفتاب ہیں اور حق تعالیٰ کے انوار میں سے ایک نور ہیں۔

وضاحت: شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ اولیاء کرام میں سے جلیل القدر وعظیم الشان ولی اللہ ہیں اور حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد کامل ہیں مولانا مذکور رحمۃ اللہ علیہ مدتوں ان کی صحبت میں رہ کر فیض یاب ہوتے رہے۔

مذکورہ شعر میں حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کو صاحب کلام نے بہ نسبت سورج کے نور مطلق کہا ہے اس لیے کہ سورج کا نور بطلوع بعد از غروب مقید ہے لیکن شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کے نور کا فیض اس طرح کی قید سے آزاد ہے۔ اسی شعر کے دوسرے حصہ میں حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کو صاحب کلام نے استعارۃً آفتاب کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مستعارمنہ (یعنی سورج) اور مستعارلہٗ کے درمیان ایک صفت مشترک ہے وہ یہ کہ سورج بھی حرارت کے ذریعہ سے جہان کو فیض پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ولی بھی اللہ تعالیٰ کی عطا سے روحانیت کے ذریعہ سے جہان کو فیض پہنچاتے ہیں تو شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ ولی کامل تھے مولانا روم

رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد کامل شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ کے انوار میں سے نور غالباً اس لیے کہا کہ پہلے آپ نے اسے نور مطلق کہا جس سے یہ شبہ پڑ سکتا تھا کہ آپ انہیں شاید قید عطا سے مطلق کہہ رہے ہیں تو آپ نے از انوار حق ست فرما کر اس شبہ کو رفع کر دیا اور واضح کر دیا کہ وہ اللہ کی عطا سے اس کے انوار سے ایک نور ہیں۔

تصریح: نور اسے کہتے ہیں جو خود روشن ہو اور دوسری اشیاء کو روشن کرے تو حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کو صاحب کلام نے نور اس وجہ سے کہا کہ آپ ولی اللہ تھے تو اولیاء اللہ نور ایمان و عرفان اور نور ہدایت سے خود بھی روشن ہوتے ہیں اور دوسروں کو روحانی فیض سے روشن کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ اس بیان کا مقصد یہ تھا اگر عارف کامل مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد و ہادی فخر اولیاء شمس الحق والدین حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی مدح و شان میں انہیں اللہ کے نوروں سے نور اور آفتاب کہہ دیا ہے تو اس میں کوئی قباحت و برائی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طلب رضا کا ذریعہ ہے اس لیے کہ صالحین کی شان و فضیلت کو بیان کرنا سنتِ خدا تعالیٰ بھی ہے سُنتِ انبیاء علیہم السلام بھی۔ اللہ تعالیٰ اسی سنت پر ہم سب کو بھی عمل کی توفیق دائمی عطا فرمائے آمین بجاہ رسولہ الکریم۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا بیان

(فصل سوم)

اس میں مصنف مثنوی معنوی مولانا عارف باللہ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے متعلق مختصراً بیان کیا جائے گا۔ نام ونسب مولانا روم رحمۃ

اللہ علیہ کا نام محمد اور لقب جلال الدین ہے۔ آپ کے باپ کا نام بھی محمد لقب ان کا بہاؤ الدین نسباً مولانا روم حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ مولانا کا دادا حسین بلخی رحمۃ اللہ علیہ بڑے بلند پایہ صوفی اور صاحبِ حال تھے۔ سلاطینِ وقت ان کی بڑی عزت و تعظیم کرتے تھے۔ محمد خوارزم شاہ جو کہ خراسان سے لے کر عراق تک تمام ممالک کا بڑا با اقتدار بادشاہ تھا اس نے اپنی بیٹی کی ان سے شادی کر رکھی تھی۔ مولانا کے والد ماجد بہاؤ الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ اسی کے بطن سے پیدا ہوئے جو اپنے وقت کے صوفی عالی مقام اور مرجع انام تھے اس اعتبار سے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سلطان مذکور کے نواسے ہوئے۔

تاریخِ ولادت و جائے ولادت

مولانا رحمۃ اللہ علیہ ۶۰۴ھ میں بمقام بلخ میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن بلخ ہی تھا مگر ان کے والد بہاؤ الدین محمد کی طرف رجوعِ عام کی بڑھتی ہوئی رو کو حکومت وقت نے اشتباہ کی نظر میں دیکھا تو انہوں نے وہاں رہنا خلافِ مصلحت سمجھا لہٰذا آپ مریدینِ خاص میں سے تین سو بزرگوں سمیت بعزم ہجرت روانہ ہوئے۔ راستہ میں جہاں سے گزر ہوتا تمام رؤساء و امراء آپ کی زیارت کو آتے۔ ۶۱۰ھ میں نیشاپور پہنچے تو خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملنے کو آئے اس وقت مولانا کی عمر چھ سال کی تھی لیکن سعادت کا ستارہ پیشانی سے چمک رہا تھا۔ خواجہ صاحب نے مولانا کے والد ماجد شیخ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ سے کہا اس جوہرِ قابل سے غافل نہ ہونا۔ جب شیخ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور سے بغداد پہنچے اور

برسوں قیام رکھ کر حجاز اور حجاز سے شام ہوتے ہوتے زنجان آئے اور زنجان کئی دوسرے شہروں سے ہوتے ہوئے قونیہ میں جا قیام کیا۔

مولانا کی تعلیم و تربیت

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے ہی حاصل کی مگر ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور ۱۸ ربیع الاول ۶۲۸ھ بروز جمعہ داغِ مفارقت دے کر خالق حقیقی کو جا ملے۔ مولانا کو اپنے مریدوں میں سے سید برہان الدین محقق جو کہ بڑے پایہ کے فاضل تھے ان کی آغوشِ تربیت میں دے دیا۔ مولانا نے اکثر علوم فنون انہی سے حاصل کیے۔ پھر والد کی وفات سے دوسرے سال ۲۵ سال کی عمر میں تکمیل علم کی غرض سے شام کا قصد کیا اور حلب سے مدرسہ حلاویہ کی دار الاقامتہ میں قیام کیا۔ طالب علمی ہی کے زمانہ میں عربیت فقہ حدیث تفسیر اور معقول میں یہ کمال حاصل کیا کہ جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا اور کسی سے حل نہ ہوتا تو لوگ مولانا کی طرف رجوع کرتے۔

مدّتِ مدید کے بعد سید برہان الدین قونیہ آئے تو شاگرد و استاد کی ملاقات ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو گلے لگایا اور دیر تک دونوں پر بے خودی کی کیفیت طاری رہی۔ افاقہ کے بعد سید نے مولانا کا امتحان لیا جب تمام علوم و فنون میں کامل پایا تو کہا صرف علم باطنی ہی رہ گیا ہے اور یہ تمہارے والد کی امانت ہے جو میں تجھے دیتا ہوں۔ اب تک مولانا پر ایک ظاہری علوم ہی کا رنگ غالب تھا علوم دینیہ کا درس دیتے تھے وعظ کہتے تھے فتوے لکھتے تھے سماع سے اس وقت سخت احتراز تھا ان کی زندگی کا دوسرا دور درحقیقت حضرت شمس تبریز رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات سے شروع ہوتا ہے۔

حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ بہت بلند پایہ بزرگ و اھل اللہ میں سے تھے آپ کے والد محترم کا نام بہاؤالدین تھا۔ آپ نے تبریز میں ہی علوم دینیہ کی تکمیل کی پھر ایک بلند پایہ بزرگ حضرت بابا کمال الدین خجندیؒ کے مرید ہوئے۔ شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سوداگروں کی وضع میں سیاحت کرتے اور کارواں سراؤں میں مراقبات کرتے۔ ایک دفعہ دعا مانگی الہٰی کوئی ایسا بندہ خاص ملے جو میری محبت کا متحمل ہو۔ تب عالم غیب سے ارشاد ہوا کہ روم (ایشیائے کوچک) جاؤ۔ اسی وقت آپ سفر کو چل کھڑے ہوئے۔ قونیہ پہنچ کر برنج فروشوں کی سرائے میں اُترے اُدھر مولانا روم کو آپ کی آمد کا حال معلوم ہوا تو آپ کی ملاقات کو چلے۔ راستہ میں لوگ قدم بوسی کرتے جاتے۔ اسی شان سے سرائے کے دروازے پر پہنچے حضرت شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں دیکھا تو سمجھ لیا کہ یہی وہ شخص ہے جس کی نسبت بشارت ہوئی تھی۔ دونوں بزرگوں کی آنکھیں چار ہوئیں تو دیر تک زبانِ حال سے باتیں ہوتی رہیں۔

شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ان دونوں واقعوں میں کس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ ایک طرف تو یہ حال تھا کہ عمر بھر اس خیال سے خربزہ نہ کھایا کہ معلوم نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کس طرح کھایا ہے تو دوسری طرف اپنی نسبت یوں کہتے تھے سبحانی ما اعظم شانی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہمہ جلالت شان فرمایا کرتے تھے میں دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔

مولانا نے جواباً فرمایا کہ بایزید اگرچہ بہت بڑے پایہ کے بزرگ تھے لیکن مقام ولادت کے ایک خاص درجہ پر وہ ٹھہر گئے تھے۔ بخلاف اس کے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر منازل تقرب کے ایک پایہ سے دوسرے پایہ پر چڑھتے جاتے تھے اس سے جب بلند پایہ پر پہنچتے تو پہلا پایہ اس قدر پست نظر آتا کہ اس سے استغفار کرتے تھے۔

بعد ازیں مولانا روم و شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہما دونوں بزرگ کئی ماہ تک چلہ کش رہے اس مدت میں آب و غذا متروک رہے اور اس زمانہ میں مولانا کی طبیعت میں یہ ایک نمایاں تغیر واقع ہوا کہ قبل ازیں سماع سے سخت پرہیز تھا مگر اب بغیر اس کے چین نہیں آتا تھا۔ درس و تدریس و عظ و بیان کے اشغال ایک سرے بند ہو گئے تمام شہر میں شورش مچ گئی کہ ایک بے سرو پا دیوانہ نے مولانا پر ایسا سحر کر دیا کہ وہ کسی کام کے نہیں رہے۔ شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کو ڈر ہوا کہ یہ شورش کہیں فساد کی حد تک نہ پہنچ جائے لہٰذا آپ چپکے سے گھر سے نکل کر دمشق کو چل دیئے۔ ادھر آپ کے غائب ہو جانے سے مولانا کو ان کے فراق کا ایسا صدمہ ہوا کہ سب لوگوں سے قطع تعلق کر کے عزلت اختیار کر لی تو اس زمانہ میں مولانا نے نہایت ہی رقت آمیز اور پُر اثر اشعار کہے۔

جن لوگوں نے مولانا کے مرشد شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کو آزردہ کیا تھا ان کو اس فعل پر سخت ندامت ہوئی اور مولانا سے آکر معافی کے ملتجی ہوئے آخر شمس رحمۃ اللہ علیہ کو منا کر لانے کے لیے ایک جماعت تیار ہوئی۔ مولانا کے فرزند رشید سلطان ولد اس کے قافلہ سالار بنے چنانچہ وہ مولانا کا ایک نہایت پُردرد منظوم خط لے کر روانہ ہوئے۔ دمشق میں پہنچ کر بڑی مشکل سے شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کا پتہ لگایا اور مولانا کا وہ تحریر شدہ خط ایک ہزار سرخ دینار نذر کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ

نے مسکرا کر کہا ان خزف ریزوں کی ضرورت نہیں۔ مولانا کا پیغام ہی کافی ہے۔
الغرض چند روز بعد اس سفارت کو ساتھ لے کر قونیہ تشریف لائے۔

جب مولانا کو آپ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو تمام مریدوں اور عقیدتمندوں کو ساتھ لے کر استقبال کو آئے اور بہت تزک و احتشام سے آپ کو ساتھ لائے مدت تک بڑے شوق ذوق کی صحبتیں رہیں۔ اب کی مرتبہ پھر حاسدوں نے پہلے کی طرح چرچا شروع کر دیا جس کا سرغنہ خود مولانا کا ہی ایک بیٹا علاؤ الدین چلپی نامی تھا۔ یہاں تک کہ حضرت شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ اس سے سخت رنجیدہ ہوئے اور اب کی بار عزم کر لیا کہ اب جا کر پھر واپس نہ آؤں گا چنانچہ دفعۃً غائب ہو گئے۔ ہر طرف تلاش کی گئی مگر پتہ نہ چلا۔

اکثر تذکروں میں یہ لکھا ہے کہ مولانا کے کسی مرید نے حسد کی وجہ سے انہیں قتل کر دیا۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ مولانا کے ایک بیٹے علاؤ الدین چلپی نامی نے یہ حرکت کی تھی۔ مذکورہ کتاب میں مولانا کی تاریخ شہادت ۶۴۵ھ لکھی ہے۔

شمس الدین کی مولانا سے ملاقات اور ایک کرامت کا ذکر

انوار اصفیا میں جواہر صفیہ کے حوالہ سے شمس الدین تبریزی اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہما کی ملاقات کا واقعہ یوں بھی بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن مولانا گھر میں تشریف رکھتے تھے اور تلامذہ آپ کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اتفاقاً شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ بھی

کسی طرف سے آنکلے اور سلام کہہ کر بیٹھ گئے۔ مولانا کی طرف مخاطب ہو کر کتابوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ مولانا نے کہا یہ وہ چیز جسے تم نہیں جانتے۔ یہ کہنا ہی تھا دفعتہً تمام کتابوں میں آگ لگ گئی۔ مولانا نے اسے کہا یہ کیا ہے حضرت شمس تبریز رحمتہ اللہ علیہ نے مولانا سے کہا یہ وہ چیز ہے جسے تم نہیں جانتے۔ یہ کہہ کر آپ چل دیئے۔

مولانا کا اس واقعہ کے بعد یہ حال ہوا کہ گھر بار مال و اولاد سب چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے اور ملک بہ ملک خاک چھانتے پھرے لیکن شمس الدینؒ کا کہیں پتہ نہ ملا۔ کہتے ہیں کہ مولانا کے مریدوں میں سے کسی نے انہیں قتل کر دیا تھا۔

مولانا رُوم کی عادات و عبادات

مولانا عبادت و مجاہدہ میں یکتا تھے۔ بچھونا اور تکیہ بالکل استعمال نہیں کرتے تھے۔ قصداً لیٹتے نہ تھے۔ جب نیند غالب ہو جاتی تو بیٹھے بیٹھے سو جاتے جب نماز کا وقت آتا تو فوراً قبلہ کی طرف رُخ کر لیتے اور چہرہ کا رنگ بدل جاتا۔ نماز میں نہایت استغراقی کیفیت ہوتی۔ بار ہا ایسا ہوا کہ اول عشاء کے وقت نیت باندھی اور دو رکعتوں میں ہی صبح ہو گئی۔

ایک دفعہ یوں ہوا کہ جاڑوں کے دن تھے مولانا رحمتہ اللہ علیہ نماز میں اس قدر روتے کہ چہرہ اور داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی لیکن وہ اسی طرح نماز میں مشغول رہے۔ مزاج میں انتہائی درجہ کا زہد و قناعت تھی۔ سلاطین و امراء آپ کے پاس نقدی و ہر قسم تحائف بھیجتے تھے لیکن مولانا اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔

آپ کی فیاضی و ایثار کا یہ عالم تھا کہ کوئی سائل سوال کرتا تو عبا یا کرتہ جو

کچھ بھی بدن پر ہوتا اُتار کر اسے دے دیتے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ و اصحابہ وسلم کی اس سنت پر کہ الفقر فخری پوری طرح عمل پیرا تھے۔ نفحات الانس میں ہے کہ شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ گفتہ است کہ مرا ایں سخن از وی خوش آمدست و خدمت مولوی ہموارہ از خادم سوال کردے کہ در خانہ ما امروز چیزی ہست اگر گفتے ہیچ نیست منبسط گشتے۔ و شکر ہا کردے کہ للہ الحمد خانہ ما امروز بخانۂ پیغمبر ماند صلی اللہ علیہ وسلم و اگر گفتے مالا بد مطبخ مہیا ست منفعل گشتے و گفتے از ینخانہ بوے فرعون می آید۔

شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات بہت اچھی معلوم ہوئی کہ مولوی صاحب اپنے خادم سے ہمیشہ پوچھا کرتے آج ہمارے گھر میں کچھ ہے؟ اگر کہتا کچھ بھی نہیں تو خوش ہوتے اور شکر بجالاتے کہ الحمد للہ آج ہمارا گھر پیغمبر خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے اور اگر کہتا کہ آج باورچی خانہ کی ضرورت کے موافق ہے تو شرمندہ ہوتے اور فرماتے اس گھر سے فرعون کی بو آتی ہے۔

یہ تمام پریشانی دنیا سے محبت کی وجہ سے ہے!

...... (مولانا رُوم)

اسی مذکورہ کتاب میں ہی مولانا کے متعلق ایک واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے۔ یکے از اصحاب را غمناک دید فرمود کہ ہمہ دل تنگی از دل نہاد کے بریں عالم ست مردیکہ آزادہ باشی از ینجہاں و خود را غراتب دانی و در ہر رنگ کہ بنگری و ہر مزہ کہ بچشی دانی کہ باآں نمانی وجائے دیگر روی کہ ہیچ دل تنگ نباشی۔ و فرمودہ است کہ آزاد مرد آنست کہ از رنجانیدن

کسے رنجد و جوانمرد آں باشد کہ مستحق رنجانیدن را نرنجاند۔

دوستوں میں سے ایک کو پریشان دیکھ کر فرمایا کہ یہ سب پریشانی اس جہاں سے محبت کی وجہ سے ہے۔ مردمی یہ ہے کہ اس جہان سے آزاد رہے اور اپنے آپ کو مسافر سمجھے اور ہر رنگ میں کہ دیکھے اور ہر مزہ کہ چکھے۔ جان لے کہ اس کے ساتھ نہ رہے گا۔ پھر دوبارہ کبھی دل تنگ نہ ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ آزاد مرد وہ ہے کہ کسی کی تکلیف دینے سے رنجیدہ نہ ہو اور جواں مرد وہ ہے کہ تکلیف دینے کے مستحق کو تکلیف نہ دے۔

مولانا روم نے ایک سوال کا جواب بغیر پوچھے بتا دیا

اسی نفحات الانس میں ہی مولانا کا ایک واقعہ یوں ہے کہ ایک بار مولانا علیہ رحمۃ سماع میں تھے ایک درویش کے دل میں یہ گزرا کہ آپ سے سوال کرے کہ فقر کیا چیز ہے۔ مولانا نے حالتِ سماع میں ہی یہ رباعی پڑھی۔

رُبَاعِیُ اَلْجُوْهَرُ فَقْرٌ وَسِوَا الْفَقْرِ عَرَضٌ۔ اَلْفَقْرُ شِفَاءٌ وَسِوَا الْفَقْرِ مَرَضٌ۔ اَلْعَالَمُ كُلُّهٗ خِدَاعٌ وَغُرُوْرٌ وَالْفَقْرُ مِنَ الْعَالَمِ سِرٌّ وَغَرَضٌ۔

فقر جوہر ہے اور سوائے فقر سب عرض ہے۔ فقر شفاء ہے اور سوائے فقر سب مرض ہے جہاں سب دھوکا وفریب ہے

اور فقر جہاں کا بھید اور مقصد ہے اسی میں ہی ہے کہ۔۔۔ ازوے پرسیدند کہ درویش کی گنہ کند گفت مگر طعام بے اشتہا بخورد کہ طعام بے اشتہا خوردن درویش را گناہے بزرگست۔

آپ سے پوچھا گیا کہ درویش گناہ کرتا ہے؟ فرمایا نہیں لیکن اس وقت

کہ بے بھوک کھانا کھائے کیونکہ بغیر بھوک کھانا کھانا درویش کے لیے بڑا گناہ ہے۔

مولانا کی رحمدلی

ایک دفعہ معین الدین پروانہ کے گھر میں سماع کی مجلس تھی کراخاتون نے شیرینی کے دو طبق بھیجے۔ لوگ سماع میں مشغول تھے اتفاق سے ایک کتے نے آکر طبق میں منہ ڈال دیا لوگوں نے کتے کو مارنا چاہا مولانا نے فرمایا کہ اس کو بھوک تم لوگوں سے زیادہ تیز تھی اس نے کھایا تو اسی کا حق تھا۔ (انوار اصفیا صفحہ ۲۸۲)

اسی کتاب کے اسی صفحہ پر ایک واقعہ یوں ہے کہ ایک دفعہ مولانا کی زوجہ کراخاتون نے اپنی لونڈی کو سزا دی۔ اتفاق سے مولانا بھی اسی وقت آگئے سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اگر وہ آقا ہوتی اور تم اس کی لونڈی تو تمہاری کیا حالت ہوتی۔ پھر فرمایا در حقیقت تمام لوگ ہمارے بھائی بہنیں ہیں کوئی شخص خدا کے سوا کسی کا غلام نہیں۔ کراخاتون نے اسی وقت اس کو آزاد کر دیا اور جب تک زندہ رہیں غلاموں اور کنیزوں کو اپنے جیسا کھلاتی اور پہناتی رہیں۔

اسی مذکورہ کتاب کے صفحہ ۲۸۲ تا ۲۸۳، ایک اور واقعہ مولانا کے متعلق یوں بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ مریدوں کے ساتھ جا رہے تھے ایک تنگ گلی میں ایک کتا سرِراہ سو رہا تھا جس سے راستہ رُک گیا تھا مولانا وہیں رُک گئے اور دیر تک کھڑے رہے۔ ادھر سے ایک شخص آ رہا تھا اس نے کتے کو ہٹا دیا۔ مولانا نہایت ہی آزردہ ہوئے اور فرمایا ناحق اس کو تکلیف دی۔

مولانا کا علمی مقام

ایک دفعہ قلعہ کی مسجد میں جمعہ کے دن وعظ کی مجلس تھی تمام امراء و صلحاء حاضر تھے مولانا نے قرآن مجید کے دقائق و نکات بیان کرنا شروع کیے ہر طرف بے اختیار واہ واہ اور سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہوئیں اس زمانے میں وعظ کا یہ طریقہ تھا کہ قاری قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھتا تھا اور وعظ ان ہی آیتوں کی تفسیر بیان کرتا تھا۔

مجمع میں ایک فقیہ صاحب بھی تشریف رکھتے تھے ان کو حسد پیدا ہوا بولے کہ آیتیں پہلے مقرر کر لی جاتی ہیں ان کے متعلق بیان کرنا کون سی کمال کی بات ہے۔ مولانا نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ آپ کوئی سی سورت پڑھیے میں اس کی تفسیر بیان کرتا ہوں۔ انہوں نے والضحٰے پڑھی۔ مولانا نے اس کے دقائق و لطائف بیان کرنے شروع کیے تو صرف والضحٰی کی واوٗ کے متعلق اس طرح شرح و بسط بیان کیا کہ شام ہو گئی۔ تمام مجلس پر ایک وجد کی کیفیت طاری تھی۔

فقیہ صاحب ایسے شرمسار ہوئے کہ کپڑے پھاڑ دیئے اور مولانا کے قدموں پر گر پڑے اس مجلس کے بعد مولانا نے پھر وعظ نہیں کیا۔ فرمایا کرتے تھے جس قدر میری شہرت بڑھتی جاتی ہے میں بلا میں مبتلا ہوتا جاتا ہوں، لیکن کیا کروں کچھ تدبیر بن نہیں پڑتی۔

مولانا روم کی مرض وصال میں وصیت

مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نفحات الانس میں

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کی کیفیت یوں بیان کی ہے جس کا ترجمہ یہاں لکھا جائے گا۔

مولانا نے آخری مرض میں اپنے اصحاب سے کہا کہ میرے فوت ہونے سے غمناک نہ ہونا کہ منصور رحمتہ اللہ علیہ کی روح نے ڈیڑھ سو سال کے بعد شیخ فریدالدین عطار کی روح پر تجلی کی اور اس کی مرشد بنی جس حالت میں رہو میرے ساتھ رہنا اور مجھے یاد کرنا تاکہ میں تمہارا مددگار و معاون بنوں خواہ کسی لباس میں ہوں۔ اور فرمایا کہ جہان میں ہمارے دو تعلق ہیں ایک تو بدن کے ساتھ اور تمہارے ساتھ اور جب یہ حق سبحانہٗ کی مہربانی سے فرد اور مجرد ہوتا ہوں اور تجرید و تفرید کا عالم نظر آتا ہے وہ تعلق بھی تمہاری ملک ہو جائے گا۔

شیخ صدرالدین قدس سرہٗ آپ کی عیادت کو آتے تو فرمایا شَفَاکَ اللہُ عَاجِلًا یعنی خدا آپ کو جلد شفا دے اور کہا کہ آپ کے درجات بلند ہوں امید ہے کہ صحت ہو گی۔ مولانا جہان کی جان ہیں

مولانا نے فرمایا کہ اس کے بعد شَفَاکَ اللہُ تمہارے لیے ہو۔ بیشک عاشق و معشوق کے درمیان شعر سے بڑھ کر کوئی پردا نہیں رہا۔ تم نہیں چاہتے کہ نور نور سے مل جائے ؎

من شدم عریاں ز تن او از خیال
می خرامم در نہایات الوصال

شیخ اصحاب کے ساتھ مل کر رونے لگے اور حضرت مولانا نے یہ غزل کہی۔

چہ دانی تو کہ در باطن
چہ شاہِ ہم نشیں دارم

مولانا نے اصحاب کی وصیت میں ایسا فرمایا:۔

اَوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ وَبِقِلَّۃِ الطَّعَامِ وَقِلَّۃِ الْمَنَامِ وَقِلَّۃِ الْکَلَامِ وَھِجْرَانِ الْمَعَاصِیْ وَالْاٰثَامِ وَمُوَاظِبِ الصِّیَامِ وَدَوَامِ الْقِیَامِ وَتَرْکِ الشَّھَوَاتِ عَلَی الدَّوَامِ وَاِحْتِمَالِ الْجَفَاءِ مِنْ جَمِیْعِ الْاَنَامِ وَمُجَالِسَۃِ السُّفَھَآءِ وَالْعَوَامِ وَمُصَاحِبَۃِ الصَّالِحِیْنَ وَالْاِکْرَامِ وَاِنَّ خَیْرَ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعِ النَّاسَ وَخَیْرُ الْکَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ۔

وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے باطن و ظاہر میں ڈرتے رہو اور تھوڑا کھایا اور تھوڑا سویا کرو اور باتیں کم کیا کرو اور گناہوں کو کرنا چھوڑ دو اور ہمیشہ روزے رکھا کرو اور ہمیشہ قیام کرو اور شہوات کو، ہمیشہ کے لیے چھوڑ دو اور سب لوگوں سے جفاء برداشت کرتے رہو اور بے عقلوں اور عامی لوگوں کے ساتھ بیٹھنا ترک کرو اور نیک لوگوں اور بزرگوں کی صحبت اختیار کرو اور بلا شبہ لوگوں میں سے بہتر وہی ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتے اور بہتر کلام وہ ہے جو مختصر اور بامعنی ہو اور اللہ اکیلے کی عبادت ہو۔

سوال کیا گیا کہ مولانا صاحب کی خلافت کے لیے کون شخص مناسب ہے فرمایا چلپی حسام الدین۔ تین دفعہ سوال ہوا اور یہی جواب دیا۔ چوتھی بار لوگوں نے کہا کہ سلطان ولد کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ پہلوان ہے اس کے لیے وصیت کی حاجت نہیں۔

چلپی حسام الدین نے پوچھا کہ آپ کی نماز کون پڑھے گا فرمایا شیخ صدر الدین اور فرمایا' یار تو مجھے ادھر کھینچتے ہیں اور مولانا شمس الدین اس طرف بلاتے ہیں۔

یَا قَوْمَنَا اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ۔ یعنی اے ہماری قوم اللہ کے منادی کی بات مانو۔ مولانا جلال الدین محمد رومی رحمتہ اللہ علیہ ۵ جمادی الآخر ۶۷۲ھ کو فوت ہوئے۔

اسی مذکورہ کتاب میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ شیخ مویدالدین جندی سے سوال کیا گیا کہ شیخ صدرالدین مولانا کی شان میں کیا کہتے تھے۔ کہا واللہ ایک دن شیخ اپنے خاص یاروں جیسے شمس الدین ایکی فخرالدین عراقی شرف الدین موصلی شیخ سعید فرغانی وغیرہم بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں مولانا کی عادت و طبیعت کی نسبت باتیں ہونے لگیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا اگر بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اس زمانہ میں ہوتے تو اس مردِ مردانہ کے حاشیہ بردار ہوتے اور اس کو بڑا احسان سمجھتے۔ فقرِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا سالار وہ ہے ہم اس کے طفیل سے مزے لے رہے ہیں۔ تمام مریدوں نے اس کا انصاف کیا اور شاباش کہا۔

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کی کرامتیں

مندرجہ ذیل کرامت اوّل و دوم کو امام العشاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمتہ اللہ علیہ نے نفحات الانس صفحہ ۳۱۹ پر بیان کیا ہے۔ اوّل میگویند کہ برخدمت مولانا از پنجسالگی بازصور روحانی و اشکال غیبی سفرہ ملئکہ و بررہ جن وخواص انس کہ مستوران قباب عزت اند ظاہر میشدند و متمثل میگشتہ اند۔

ترجمہ: کہتے ہیں کہ مولانا پر پانچ سال کی عمر میں روحانی صورتوں اور غیبی شکلوں میں ملئکہ لکھنے والے نیکوکار جنات وخواص انسان جو حضرات قباب

ہیں پوشیدہ ہوتے ہیں ظاہر ہوا کرتے تھے اور ان کے ہم شکل بن جایا کرتے تھے۔

دوم، مولانا بہاؤ الدین نوشتہ یافتہ اند کہ جلال الدین محمد در شہر بلخ شش سالہ بود کہ روز آدینہ با چند کودک دیگر. بامہائے خانہائے ما سیر میکردند یکے از کودکان با دیگرے گفتہ بیا تا ازین بام بآں بام جہیم جلال الدین محمد گفتہ کہ ایں نوع حرکت از سگ و گربہ جانوراں دیگرے مے آید حیف باشد کہ آدمی بایںہا مشغول شود و اگر در جان شما قوتے باہست بیا ئید تا سوی آسمان پریم دوران حالت از نظر کودکان غائب شدہ کودکان گریہ نمودہ فریاد بر آوردند بعد از لحظہ رنگ وی متغیر شدہ و دیگرگون گردیدہ و چشمش متغیر گفتہ باز آمد گفت آنساعت کہ با شما سخن میگفتم دیدم کہ جماعتے از سبز قبایان مرا از میان شمایان برگرفتند و بگرد آسمانہا گردانیدند و عجائب ملکوت را بمن نمودند و چون آواز فریاد و فغان شما بر آمد باز بایں جایگاہ فرود آوردند۔

ترجمہ : مولانا بہاؤ الدین کی تحریر میں یہ لکھا ہوا پایا گیا کہ جلال الدین محمد شہر بلخ میں چھ سال کے تھے۔ جمعہ کے دن چند اور لڑکوں کے ساتھ ہمارے گھروں کے کوٹھوں پر سیر کر رہے تھے۔ ایک بچے نے دوسرے بچے سے کہا کہ آ اس مکان کی چھت سے اُس مکان پر کود جاتے ہیں۔ جلال الدین محمد نے کہا کہ اس قسم کی حرکت تو بلی، کتے اور جانوروں میں ہوتی ہے افسوس ہے کہ آدمی ایسی حرکتوں میں مشغول ہو جائے۔ اگر تمہاری جان میں قوت ہے تو آؤ آسمان پر اڑیں۔ اسی وقت بچوں کی نظر سے غائب ہو گئے۔ بچے گریۂ فریاد کرنے لگ گئے۔ ایک لحظہ کے بعد ان کا رنگ اُڑا ہوا اور آنکھیں بدلی ہوئی واپس آئے اور کہا جب میں تم سے باتیں کر رہا تھا میں نے دیکھا کہ ایک جماعت سبز لباس پہنے ہوئے آ کر مجھے تمہارے درمیان سے اٹھا کرلے

گئی اور آسمانوں کے گرداگرد گھما کر عالم بالا کے عجائب مجھ کو دکھائے لیکن جب تمہاری فریاد کی آواز سنی تو اسی جگہ اُتار لائے۔

سوم : انوار اصفیا ص ۲۷۰ پر بیان ہوا ہے کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ہلاکو خاں کے سپہ سالار بیچو خاں نے قونیہ پر حملہ کیا اور اپنی فوجیں شہر کے چاروں طرف پھیلا دیں۔ اہل شہر محاصرہ سے تنگ آکر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ایک ٹیلے پر جو بیچو خاں کے خیمہ کے سامنے تھا جاکر مصلا بچھایا اور نماز پڑھنا شروع کردی۔ بیچو خاں کے سپاہیوں نے مولانا کو تاک کر تیر باراں کرنا چاہا لیکن کمانیں کھینچ نہ سکے آخر گھوڑے بڑھائے کہ تلوار سے قتل کردیں لیکن گھوڑے اپنی جگہ سے ہل نہ سکے۔ تمام شہر میں غل پڑ گیا۔ لوگوں نے بیچو خاں سے جاکر یہ واقعہ بیان کیا اس نے خود خیمہ سے نکل کر کئی تیر چلائے لیکن سب پھٹ کر ادھر ادھر ہوگئے جھلا کر گھوڑے سے اُترا اور مولانا کی طرف چلا لیکن پاؤں اٹھ نہ سکے، آخر محاصرہ چھوڑ کر چلا گیا۔

تبصرہ : یہ حقیقت تو اپنی جگہ اٹل ہے کہ جہاں صالحین کا ذکر ہو وہاں اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے مگر یہاں ولی اللہ عارف باللہ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کا مقصد وہابیوں کی ان گستاخیوں و بدزبانیوں کا جواب دینا تھا جو انہوں نے عارف کامل سرتاج اولیا امام الاصفیاء حضرت جلال ملت والدین مولانا جلال الدین محمد رومی کی شان جلیلہ میں کیں اور واضح کرنا تھا جن کی یہ محرومین خیر گستاخیاں کر رہے ہیں اور زبان درازیاں کر رہے ہیں وہ تو بہت عظیم مرتبہ و شان کے مالک ہیں۔ کتب کثیرہ میں ان کا ذکر خیر کیا گیا ہے اور کثیر اولیاء و اصفیاء اور علماء ربانی ان کی شان و عظمت

کے قابل ہیں۔

مثنوی کے محاسن و خصوصیات کا بیان

(فصل چہارم)

مثنوی معنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے محاسن و خصوصیات کے بیان میں جس قدر مقبولیت و شہرت مثنوی کو حاصل ہے فارسی کی کسی اور کتاب کو حاصل نہیں ہو سکی۔ صاحب مجمع الفصحا نے لکھا ہے کہ ایران میں چار کتابیں جس قدر مقبول ہوئیں کوئی اور کتاب نہیں ہوئی۔

(۱) شاہنامہ

(۲) گلستان

(۳) مثنوی

(۴) دیوانِ حافظ

ان چاروں کا اگر موازنہ کیا جائے تو مقبولیت کے اعتبار سے ترجیح مثنوی کو ہوگی۔ مثنوی کی مقبولیت کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ علماء و فضلاء نے مثنوی کے ساتھ جس قدر اعتنا کی اور کسی کتاب کے ساتھ نہیں کی نیز مثنوی کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں جو اس کی مقبولیت پر واضح دلیل ہے۔ مثنوی کی ترتیب بھی نرالے انداز میں ہے وہ یوں جیسے دوسری اخلاق و تصوف کی کتابوں میں مختلف عنوان و مضامین کو ترتیب دینے کے لیے ابواب و فصلیں بنائی گئی ہیں اس میں یوں نہیں بنائی گئیں اور جو اس میں دفتروں کی تقسیم ہے وہ بھی جدا مضامین کے اعتبار سے نہیں۔

مثنوی کی خصوصیات میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں جو ذہن زکیہ میں لذت و

سرور پیدا کرتی ہیں۔

(۱) استعارات (۲) تمثیلات و تشبیہات
(۳) طرز افہام (۴) طرز استدلال (۵) تنبیہات
(۶) دعویٰ و اسپر دلیل (۷) ترغیب و ترہیب

اب ان کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

اوّل استعارات کا بیان

(شعر) شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علتہائے ما

ترجمہ: اے عشق جو ہمارا اچھا جنون ہے اے ہماری تمام اخلاقی و روحانی امراض کے طبیب تو خوش رہے۔

اس شعر میں عشق کو استعارۃً طبیب کہا گیا ہے کیونکہ جس طرح طبیب جسمانی بیماروں کا معالج ہے اسی طرح عشق بھی اخلاقی و روحانی بیماروں کا معالج ہے۔

(شعر ۲) صد ہزاراں دام و دانہ ست اے خدا
ما چو مرغانِ حریص بے نوا

ترجمہ: الٰہی دنیا میں لاکھوں جال و دانے (ہمارے اردگرد پھیلائے گئے) ہیں۔ ہم حریص و بھوکے پرندوں کی طرح (ان میں گرفتار ہونے کو) ہیں۔

مذکورہ شعر میں دام یعنی جال شیطانی مکر و فریب سے استعارہ ہے یعنی
جس طرح شکار جال میں پھنس کر مقید ہو جاتا ہے اور ہلاکت کے خطرہ میں پڑ جاتا ہے
اسی طرح جو شیطانی مکر و فریب کے جال میں پھنس جاتا ہے وہ بھی معصیت و گناہ

کی قید میں مقید ہو جاتا ہے اور آخرت کی ہلاکت کے خطرہ میں پڑ جاتا ہے جو کہ دنیا کی ہلاکت سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے۔ اسی طرح دانہ بھی دنیاوی مال واسباب زیب وزینت سے استعارہ ہے اس میں لازم معنی مشترک یہ ہے کہ جس طرح پرند طلب دانہ کی حرص ولالچ میں آکر شکاری کے جال میں پھنس جاتا ہے اسی طرح انسان بھی دنیاوی مال واسباب اور زیب وزینت کی طلب کے حرص ولالچ میں آکر شیطانی جال میں پھنس جاتا ہے۔

(شعر ۳) ما دریں انبان گندم میکنیم
گندم جمع آمدہ گم میکنیم

ترجمہ: ہم اس تھیلے میں گیہوں بھرتے ہیں (پھر)، جمع شدہ گیہوں کو کھو بیٹھتے ہیں۔

اس بالا شعر میں گندم نیک اعمال سے استعارہ ہے اس وجہ سے کہ جیسے گندم دنیاوی زندگی کی بقا کے لیے ضروری ہے اسی طرح اعمال صالح۔ اُخروی وبال وعذاب سے نجات کے لیے ضروری ہیں۔

(شعر ۴) مے بیندیشیم آخر ما بہوش
کایں خلل در گندم است از مکر موش

ترجمہ: آخر ہم ذرا ہوش کے ساتھ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ گندم میں نقصان چوہے کی شرارت سے ہوا ہے۔

مذکورہ شعر میں موش یعنی چوہا شیطان سے استعارہ ہے اس سبب سے کہ جیسے چوہا بوری وغیرہ کو سوراخ نکال کر جمع شدہ گندم کو ضائع کر دیتا ہے اسی طرح شیطان بھی وسوسہ ڈال کر اور انسان کو حسد غرور اور ریاکاری جھوٹ جیسی خرابیوں میں ڈال کر جمع شدہ نیک اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔

دوم تمثیلات و تشبیہات کا بیان

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کافروں کو بندر سے تشبیہ دی ہے جنھوں نے انبیاء علیہم السلام کے افعال خیر کو اپنے افعال سُوء پر قیاس کیا اور طبائع قدسیہ کو اپنی طبائع خبیثہ پر قیاس کیا۔ ملاحظہ ہو۔

کافر انبیاء علیہم السلام کی ہمسری کا دعویٰ کرنے میں بندر کی خصلت رکھتے ہیں

(شعر۔ ۱) کافراں اندر مرے بوزینہ طبع
آفتِ آمد درون سینہ طبع

ترجمہ: کافر لوگ پیغمبروں کی ہمسری کا دعویٰ کرنے میں بندر کی خصلت رکھتے ہیں۔ یہ خصلت بھی سینے میں چھپی ہوئی ایک آفت ہے۔

مطلب یہ کہ ایک طرف سے کفار انبیاء علیہم السلام کی خداداد شان و کمالات کا انکار کررہے ہیں اور دوسری طرف سے وہ انبیاء علیہم السلام سے برابری کا بیہودہ دعویٰ کررہے ہیں جس کے وہ لائق ہی نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ اس بندر کی مثل ہیں جو انسان کی خداداد خوبیوں اور کمالات کو نہیں سمجھتا بلکہ انسان کو جب کوئی کام کرتے دیکھتا ہے تو وہ بھی اسی طرح کرنے لگتا ہے اور زعم یہ کرتا ہے کہ جیسا انسان کرتا ہے ویسا ہی میں بھی کرتا ہوں۔ لہٰذا اس بندر کے زعم فضول کا رد اور کفار جو پیغمبروں کی برابری کا بیہودہ دعویٰ کرتے ہیں ان کا رد مولانا یوں فرماتے ہیں۔

(شعر ۲) او گمان بردہ کہ من کردم چو او
فرق کے بیند آں استیزہ جو

ترجمہ: وہ یعنی بندر خیال کرتا ہے کہ میں نے جو کام کیا ہے اسی کی طرح یعنی انسان کی طرح کیا ہے بھلا وہ لڑاکا جانور اصل و نقل کے فرق کو کب سمجھ سکتا ہے۔

(شعر ۳) ایں کند از امر و آں بہر ستیز!
بر سر استیزہ رویاں خاک بیز

ترجمہ: یہ یعنی پیغمبر جو کرتا ہے اللہ کے حکم سے کرتا ہے اور وہ یعنی کافر جو کچھ کرتا ہے جھگڑے کے لیے کرتا ہے۔ جھگڑالوں کے سر پر خاک ڈالو۔ اسی طرح صاحب کلام دو شخصوں کی تمثیل کو اپنے تخیل میں یوں بیان کیا ہے۔

(شعر ۴) ابلہے صیاد آں سایہ شود
میدود چنداں کہ بے مایہ شود

ترجمہ: ایک بے وقوف اس سایہ کو شکار کرنے لگتا ہے (اور) اتنا دوڑتا ہے کہ ہار جاتا ہے۔

(شعر ۵) بے خبر کاں عکس آں مرغ ہواست
بے خبر کہ اصل آں سایہ کجاست

ترجمہ: اسے اس بات کی خبر نہیں کہ یہ ہوا میں اڑنے والے پرندے کا عکس ہے اسے یہ خبر نہیں کہ اس سایہ کا اصل کہاں ہے۔

(شعر ۶) تیر اندازد بسوئے سایہ او
ترکشش خالی شود در جستجو

ترجمہ: وہ سایہ کی طرف تیر پھینکتا ہے اسی جستجو میں اس کا ترکش خالی

ہو جاتا ہے۔

(شعر ۷) ترکش عمرش تہی شد رفت

از دویدن در شکار سایہ تفت

ترجمہ: (اسی طرح) اس (دنیادار) کی عمر کا تیر دان خالی ہو گیا (جو شغول بحق نہ ہوا اور) اس کی عمر (برباد) گئی (اور) سایہ کو شکار کرنے میں دوڑتا دوڑتا جل بھن گیا۔ مطلب یہ کہ جیسے بے وقوف شکاری نے سایہ کو شکار سمجھ کر بے حاصل محنت بھی کی اور تیر بھی ضائع کیے اسی طرح حریص دنیا بھی بے اصل تمناؤں اور بے حقیقت آرزوؤں کے حصول میں قیمتی عمر ضائع کر دیتا ہے مگر حسرت و افسوس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اسی طرح مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

(شعر ۸) عمر چوں آب ست وقت او را چو جو

خلق باطن ریگ جوئے عمر تو

ترجمہ: عمر گویا پانی ہے زمانہ اس کی نہر، پیران و مشائخ کا خلق باطن تیری نہر عمر کی ریت۔

اس شعر میں نہر کے پانی کو عمر سے اس لیے تشبیہ دی کہ جیسے پانی کا جو حصہ چلا جاتا ہے دوبارہ واپس نہیں آتا اسی طرح عمر کا جو حصہ گزر جاتا ہے، دوبارہ واپس نہیں آتا۔

واضح ہو کہ اس شعر میں خلق باطن سے مراد مرشد کا خلق باطن ہے اور ریگ سے مراد مرشد ہے اور ریگ یعنی مرشد کی اضافت نہر عمر کی طرف کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح ریت پاک و صاف ہو تو پانی پاک و صاف ہو گا اور اگر ریت نجس و گندی ہو تو پانی بھی نجس گندا ہی ہو گا اسی طرح اگر شیخ کا باطن پاک نورانی

ہوگا تو مرید کی زندگی بھی فیوض و برکات سے بہرہ ور ہو کر پاکیزہ ہو جائے گی اور اگر اس کے باطن میں خبث و تاریکی ہے تو مرید کی عمر بھی اس کی اتباع سے تباہ ہو جائے گی۔

اسی طرح ایک اور تمثیل کو مولانا اپنے تخیل میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

(شعر ۹) بحرے بے پایاں بود عقل بشر
بحر را غواص باید اے پسر

ترجمہ: عقلِ انسانی ایک بے انتہا و بے کنارا سمندر ہے اس سمندر کے لیے کوئی غوطہ زن چاہیئے۔

عقلِ انسانی کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے سمندر سے دو وجوہ سے تشبیہ دی ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ لطیفہ عقل عالم امر سے ہے تو اس عالم کے تمام لطائف سمندر کی طرح ناپید احد و کنارا ہیں۔ دوسری اس وجہ سے کہ جس طرح سمندر کے فوائد بے شمار ہیں لیکن ان میں اکثر فوائد کو غوطہ زن ہی حاصل کر سکتا ہے اسی طرح عقل کے فوائد و ثمرات بھی بے شمار ہیں مگر انہیں حاصل کرنے کے لیے علوم مفیدہ و فنون سدیدہ کا ہونا ضروری ہے۔

(سوم) تنبیہات کا بیان

تنبیہہ سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایسی چیز سے جو اس کے لیے مفید یا مضر ہو اور وہ اس سے بے خبر و غفلت میں ہے اسے اس سے باخبر و بیدار کرنا۔ تو اس کی مثالیں مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ میں بے شمار ہیں جن میں چند اختصاراً یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

بانسری کی آواز آتش سوزاں ہے صرف ہوا نہیں

(شعر۔۱) آتش ست ایں بانگ نائے ونیست باد
ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد

ترجمہ: یہ بانسری کی آواز ایک آتش (سوزاں) ہے اور (صرف) ہوا نہیں جو شخص اس آگ سے بہرہ ور نہیں (خدا کرے) وہ نیست و نابود ہو۔

اس میں مولانا ایسے لوگوں کو جو عشق حقیقی و لقائے ربانی اور سچی محبت کے درد و غم کی لذتوں سے محروم ہیں انھیں تنبیہاً فرمارہے ہیں کہ خدا کرے ایسے لوگ نیست و نابود ہوں۔

(شعر۲) رَو تو زنگار از رخِ اَو پاک کن
بعد ازاں آں نور را ادراک کن

ترجمہ: اے طالب جا پہلے اس آئینۂ دل کے چہرے سے زنگار صاف کر پھر اس نور کو حاصل کر۔

مطلب یہ ہے کہ مولانا تنبیہاً فرمارہے ہیں کہ اے ناسمجھ طلبِ حق کا دعویٰ کرنا اور معصیت سے دست کش نہ ہونا بے حاصل ہے۔ ہاں اگر تو طالبِ حق ہے اور آئینۂ دل کو نورِ حق سے منور کرنا چاہتا ہے تو پھر اسے دنیاوی علائق و سیّات کے زنگ سے صاف کر۔

نورِ حق ولی میں جلوہ گر ہے

(شعر۳) نورِ حق ظاہر بود اندر ولی
نیک بیں باشی اگر اہلِ دلی

ترجمہ: دل میں اللہ کا نور درخشاں ہوتا ہے اگر دل کی بصیرت رکھتا ہے تو اچھی طرح پہچان لے۔

صاحبِ کلام ایک مقام پر یوں فرماتے ہیں۔

(شعر ۴) چوں بسے ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نشاید داد دست

ترجمہ: چونکہ بہت سے ابلیس آدمی کی صورت رکھتے ہیں پس بیعت کے لیے ہر ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیئے (مبادا کوئی ابلیس ہو)۔

مذکورہ شعر میں مولانا تنبیہاً کہہ رہے ہیں اے انسان راہِ حق کی منازل کو عبور کرنے کے لیے با اعتماد راہبر چاہیئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ابلیس جو کہ بعیت سے انسانی روپ میں ہیں کسی کو راہبر و مرشد مان کر اپنے کو ہلاک و تباہ کر لے اسی طرح مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے شیطان جو کہ انسانی قلوب میں وسوسے ڈال کر اور اسے بُرائی کی طرف مائل کر کے اس کے جمع شدہ نیک اعمال کو ضائع کر ڈالتا ہے اسے اس چوہے سے تشبیہہ دے کر جو بوری وغیرہ میں سوراخ ڈال کر جمع شدہ گندم کو ضائع کر دیتا ہے اس کے شر سے بچنے کے لیے یوں تنبیہہ فرماتے ہیں۔

(شعر ۵) اوّل ایجاں دفع شرِ موش کن
وانگہ اندر جمع گندم جوشش کن

ترجمہ: اے جان پہلے وسواس کے چوہے کے شر کو دفع کر پھر اعمالِ صالحہ کی گندم جمع کرنے میں کوشش کر۔

(چہارم) دعویٰ اور اس پر دلیل کا بیان

مثنوی مولانا روم میں یہ بھی کمال ہے کہ جو صاحب کلام دعویٰ کرتے ہیں اسے ثابت کرنے کے لیے تمثیل قیاس کے انداز میں اس پر ایسی دلیل پیش کرتے ہیں جسے سمجھنا اور تسلیم کرنا عقل سلیم پر دشوار نہیں ہوتا۔ اب اس پر چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

اوّل یہ کہ مولانا مثنوی میں ایک صالح بادشاہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں جسکی ظاہری صورت یہ ہے کہ بادشاہ کنیز پر عاشق تھا اور اس نے ایک زرگر کو قتل کرا دیا جو اس کنیز کا محبوب تھا لیکن حقیقت میں اس کے قتل کرانے میں بادشاہ حرص و نفسانی خواہشات کا کچھ دخل نہیں تھا اسے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان فرماتے ہیں۔

(شعر ۱) پاک بود از شہوت و حرص و ہوا
نیک کرد او لیک نیک بد نما

ترجمہ: وہ نفسانی خواہش اور حرص سے پاک تھا اس نے جو کچھ کیا اچھا کیا لیکن ایسا اچھا جو بظاہر بُرا لگتا ہے۔

اس پر اعتراض ہو سکتا تھا کہ بادشاہ نے تو زرگر کو قتل کرایا جو کہ بہت بُرا کام تھا مگر مولانا دعویٰ کرتے ہیں کہ اس نے اچھا کیا ہے لیکن دیکھنے میں بُرا لگتا ہے تو مولانا اس ممکنہ اعتراض کے ارتفع کے لیے اور اپنے دعوے کے ثبوت کے لیے یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔

خضر علیہ السلام کے کشتی توڑنے میں بھی سو مرتبتیں پوشیدہ ہیں

(شعر ۲) خضر در بحر کشتی را شکست
صد درستی در شکست خضر ہست

ترجمہ: اگر حضرت خضر علیہ السلام نے دریا میں کشتی کو توڑ ڈالا تھا تو خضر کے توڑ ڈالنے میں بھی سینکڑوں مرتبتیں مخفی ہیں۔ اسی طرح مولانا فرماتے ہیں۔ (شعر ۳)

ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ
ہست فرقے درمیاں بے منتہیٰ

ترجمہ: مگر انہوں نے اپنی کور باطنی سے یہ نہ جانا کہ دونوں فریقوں کے درمیان بے انتہا فرق ہے۔ اس میں صاحب کلام نے دعویٰ کیا کہ جو لوگ انبیاء علیہم السلام و اولیائے کرام کے ظاہری وجود اور افعال کو دیکھ کر اپنے جیسا سمجھتے ہیں وہ جھوٹے اور دلوں کے اندھے ہیں۔ تو ظاہر بین و کور باطنوں کی طرف سے سوال ہو سکتا تھا کہ وہ حضرات ہماری طرح کھاتے پیتے سوتے جاگتے اور چلتے پھرتے باتیں کرتے شادیاں کرتے ہیں اگر وہ ہماری طرح نہیں تو ایسا کیوں کرتے ہیں۔ تو مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ اس سوال کے جواب کے لیے اور اپنے دعوے کے ثبوت کے لیے مندرجہ ذیل دلیلیں پیش فرما رہے ہیں۔

بھڑ اور شہد کی مکھی دونوں نے ایک ہی جگہ سے رس

چوسا مگر ایک سے شہد بنا اور ایک سے ڈنگ پیدا ہوا

(شعر ۴) دو گوں زنبور خوردند از محل
لیک شد زاں نیش وزاں دیگر عسل

ترجمہ: مثلاً دو رنگ کی زنبوروں (یعنی بھڑ اور شہد کی مکھی) نے پھولوں اور شگوفوں کا رس ایک ہی جگہ سے چوسا مگر اس سے ڈنگ پیدا ہوا اور دوسری سے شہد۔

شعر (۵) ہر دو آہو گیا خوردند و آب
زیں یکے سرگیں شد وزاں مشک ناب

ترجمہ: دونوں قسم کے ہرنوں نے ایک ہی طرح کی گھاس کھائی اور ایک ہی گھاٹ سے پانی پیا (لیکن) اس سے تو مینگیاں بن گئیں اور اس دوسرے سے خالص کستوری۔

شعر (۶) ہر دو نے خوردند از یک آب خور
آں یکے خالی وآں پُر از شکر

ترجمہ: دونوں قسم نے ایک ہی گھاٹ سے سراب ہوتے (لیکن) ایک کھوکھلا ہے اور وہ دوسرا شکر بننے والے رس سے پُر ہے۔

آگے مولانا اختصار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں۔

شعر (۷) صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں
فرق شاں ہفتاد سالہ راہ بیں

ترجمہ: ایسی ہی لاکھوں نظیریں دیکھو گے (مگر) ان کے درمیان ۰، برس کی راہ کا فرق جانو گے۔

شعر (۸) ایں خورد گردد پلیدی زو جدا
واں خورد گردد ہمہ نور خدا

ترجمہ: یہ غذا کھاتا ہے تو اس سے نجاست نکلتی ہے اور وہ (دوسرا) جو کھاتا ہے تو نور خدا یعنی معرفت کا نور بن جاتا ہے۔

شعر (۹) ایں خورد زاید ہمہ بخل و حسد
وایں خورد زاید ہمہ نورِ احد

ترجمہ: یہ کھائے تو سراسر بخل و حسد پیدا ہوتا ہے اور وہ کھاتا ہے تو نور خدا یعنی معرفت کا نور پیدا ہوتا ہے۔

پنجم طرزِ افہام

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ہی مؤثر و دل پذیر طریقہ سے مشکل و دقیق مسائل کو مثالوں سے سمجھا دیا ان میں سے چند کو بطور نمونہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

شعر (۱) چوں کسے را خار در پایش خلد
پائے خود را بر سرِ زانو نہد

ترجمہ: جب کسی کے پاؤں میں کانٹا چبھتا ہے تو وہ اپنے پاؤں کو گھٹنے پر رکھتا ہے۔

شعر (۲) واز سر سوزن ہمیجو یدہ سرش
ور نیابد میکند بالب ترش

ترجمہ: اور اس کانٹے کا سر سوئی کی نوک سے تلاش کرتا اور اگر وہ نہیں ملتا تو اسے لب سے تر کرتا ہے۔

پاؤں کا کانٹا تلاش کرنا دشوار ہے تو
دل کا کانٹا تلاش کرنا کیوں نہ دشوار ہو

شعر (۳) خار در پا شد چنیں دشوار یاب۔ خار در دل چوں بود؟ وادہ جواب۔

ترجمہ: اب یہ بتاؤ کہ پاؤں میں چبھا ہوا کانٹا جب اس قدر مشکل سے ملتا ہے تو وہ کانٹا جو دل میں چبھا ہوا ہو گرفت میں لانا کتنا مشکل ہوگا۔

اسی طرح ایک امر کو یوں سمجھاتے ہیں۔

شعر (۴) چونکہ اسرارت نہاں در دل شود
آں مرادت زود تر حاصل شود

ترجمہ: جب تمہارے بھید دل میں چھپے رہیں گے تو تمہاری وہ مُراد بہت جلد حاصل ہوگی۔

جو شخص اپنا بھید پوشیدہ رکھتا ہے
وہ جلد مُراد پاتا ہے..... ارشادِ نبویؐ

شعر (۵) گفت پیغمبر ہر آنکہ نہفت
زود گردد با مراد خویش جفت

ترجمہ: پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص اپنا بھید چھپاتا ہے وہ جلد اپنی منزل کو جا ملتا ہے۔

شعر (۶) دانہ چوں اندر زمین پنہاں شود
بعد ازاں سر سبزی بستاں شود

ترجمہ: دیکھو دانہ جب زمین میں دب جاتا ہے تو اس کے بعد اپنے چھپ جانے کی بدولت وہ پودے کی صورت میں نکل کر باغ کی سر سبزی کا باعث بن جاتا ہے۔

شعر (۷) زر نقرہ اگر نبودندے نہاں
پرورش کے یافتندے زیر کاں

ترجمہ: اسی طرح سونا اور چاندی اگر پوشیدہ نہ ہوتے تو کان کے نیچے پرورش کس طرح پاتے۔ اسی طرح صاحب کلام مندرجہ ذیل مسئلہ کو مثال دے کر یوں واضح فرماتے ہیں۔

شعر (۸) بود شاہ در جہوداں ظلم ساز
دشمن عیسیٰ و نصرانی گداز

ترجمہ: یہودیوں میں ایک بادشاہ تھا جو ظلم کا موجد عیسیٰ علیہ السلام کا دشمن اور نصرانیوں کو برباد کرنے والا تھا۔

شعر (۹) عہدِ عیسیٰ بود و نوبت آن او
جان موسیٰ او و موسیٰ جان او

ترجمہ: اس بادشاہ کا زمانہ اور عیسیٰ کا زمانہ ایک ہی تھا۔ وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) موسیٰ علیہ السلام کی جان اور موسیٰ ان کی جان تھے۔

شعر (۱۰) شاہ احول کرد در راہ خدا
آں دو دمساز خدائی را جدا

ترجمہ: مگر بادشاہ جو (چشم بصیرت سے) بھینگا تھا ان دونوں خدائی رفیقوں کو خدا کے راستہ میں جدا تصور کیا۔

اب مولانا مندرجہ ذیل اشعار میں یہ بتا رہے ہیں کہ اس بادشاہ کا ان دونوں اللہ کے نبیوں میں فرق کرنا ایک سے تو عداوت اور دوسرے سے اظہارِ ہمدردی کرنا بے وقوفی اور اندھا پن تھا جس کی مثال یوں ہے۔

شعر (۱۱) گفت استاد احولے را کاندراں
رو بروں آر از وثاق آں شیشہ را!

ترجمہ: اس کی وہی مثال ہوئی کہ ایک استاد نے اپنے بھینگے شاگرد سے کہا کہ جا مکان کے اندر میں سے وہ بوتل لا۔

شعر (۱۲) چوں دَرُونِ خانہ اَحْول رفت
زود شیشہ پیش چشم او دو مینمود

ترجمہ: بھینگا جب فوراً مکان کے اندر گیا تو اسے ایک بوتل کی جگہ دو نظر آئیں۔

شعر (۱۳) گفت واحول زاں دو شیشہ تا کدام
پیش تو آرم بکن شرحے تمام

ترجمہ: وہ بھینگا بولا۔ اچھی طرح کھول کر بتاؤ کہ ان دونوں بوتلوں میں سے کونسی تمہارے پاس لاؤں؟

شعر (۱۴) گفت استاد آں دو شیشہ نیست
رو احولی بگذار و افزوں بیں مشو

ترجمہ : استاد نے کہا دو بوتلیں نہیں چل بھینگا پن چھوڑ اور اصلیت سے زیادہ دیکھنے والا نہ بن۔

شعر (۱۵) گفت اے استاد مرا طعنہ مزن
گفت استاد زاں دو یک را بر شکن

ترجمہ : وہ بولا اے استاد مجھے طعنہ نہ دو (میں تو سچ کہتا ہوں) استاد نے کہا اگر سچ کہتے ہو تو ان دونوں میں سے ایک کو توڑ دو۔

شعر (۱۶) چوں یکے بشکست ہر دو شد ز چشم
مرد احول گردد از میلان و خشم

ترجمہ : جب اس نے ایک بوتل کو توڑا تو دونوں بوتلیں نظر سے غائب ہو گئیں۔ اسی طرح آدمی کبھی طرفداری اور غصے سے بھی اندھا بن جاتا ہے کہ حقیقت واحدہ کو کچھ کا کچھ دیکھتا ہے۔

شعر (۱۷) شیشہ یک بود و بچشمش دو نمود
چوں شکست آں شیشہ را دیگر نبود

ترجمہ : بوتل حقیقت میں ایک ہی تھی اور اس کی نظر میں دو بوتلیں دکھائی دیں۔ جب اس بوتل کو توڑا تو دوسری بھی نہ تھی۔

صاحب کلام کا اس بیان سے مقصد یہ سمجھانا تھا کہ تمام انبیاء علیہم السلام ایک ہی راستہ کے رفیق سفر ہیں اور سب کی منزل و مقصود ایک ہی ہے لیکن جو اس یہودی بادشاہ کی طرح کسی سے محبت کا دعویٰ کرے اور کسی سے عداوت وہ اس اندھے کی طرح ہے جسے حقیقت واحدہ دو نظر آئیں۔ اسی طرح مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ ایک حقیقت کو مثال کے ذریعے یوں واضح فرماتے ہیں۔

شعر (۱۸) گفت لیلےٰ را خلیفہ کاں توئی
کز تو مجنوں شد پریشاں و غوی

ترجمہ: خلیفہ وقت نے لیلےٰ سے کہا کیا تو ہی وہ لیلےٰ ہے جس کے عشق سے مجنوں پریشان و کج فہم بن رہا ہے؟

شعر (۱۹) از دیگر خوباں تو افزوں نیستی
گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

ترجمہ: تو کچھ دوسرے حسینوں سے بڑھ کر حسینہ نہیں۔ وہ یعنی لیلیٰ بولی خاموش رہو جب تو خود ہی مجنوں نہیں ہے۔

شعر (۲۰) دیدہ مجنوں اگر بودے تُرا
ہر دو عالم بے خطر بودے تُرا

ترجمہ: اگر تیرے پاس مجنوں کی آنکھ دیکھنے کی ہوتی تو تیرے نزدیک دو عالم میری قیمت کے نہ ہوتے۔

اے بادشاہ آپ خود کو دیکھتے ہیں
اور مجنوں میں خودی ہے ہی نہیں

شعر (۲۱) با خودی تو لیک مجنوں بیخود ست
در طریق عشق بیداری بد ست

ترجمہ: آپ تو خود کو دیکھتے ہیں لیکن مجنوں میں خودی ہے ہی نہیں۔ راہِ عشق میں اس قسم کی بیداری معیوب ہے۔

مولانا نے خلیفہ اور لیلےٰ کا مکالمہ بطور مثال پیش کیا اور یہ سمجھایا کہ

انانیت و خودی بھی معرفت حق اور اہلِ اللہ کی پہچان کے درمیان ایک حجاب ہے۔

ششم طریقہ استدال

استدال کے تین طریقے ہیں:۔

(۱) قیاس (۲) استقراء (۳) تمثیل

صاحب مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ تر قیاس تمثیلی سے کام لیا ہے اور حقیقت میں عام طبائع کے افہام و تفہیم کا آسان اور اقرب الی الفہم یہی طریقہ ہے۔ اب اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

شعر (۱) کز چہ اے کل با کلاں آمیختی
تو مگر از شیشہ روغن ریختی

ترجمہ: طوطے نے کہا اے گنجے کس سبب سے تو گنجوں میں شامل ہوا؟ شاید تو نے بھی بوتل سے تیل گرا دیا ہوگا۔

شعر (۲) از قیاسش خندہ آمد خلق را
کو چو خود پنداشت صاحب دلق را

ترجمہ: اس طوطے کے اس قیاس سے لوگوں کو ہنسی آئی کہ اس نے کملی پوش کو اپنے پر ہی قیاس کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ طوطے سے اپنے مالک کی دکان سے تیل کی شیشی گرنے سے تیل گر گیا تھا جس کی وجہ سے اس کے مالک نے اسے کچھ مارا جس کی ضرب سے اس کا سر گنجا ہو گیا تھا لہٰذا جب اس طوطے نے ایک کمل پوش درویش کا سر گنجا دیکھا تو اس نے اپنے فعل اور اس کی سزا پر قیاس کرتے

ہوئے اسے پوچھا کہ اے گنجے تو کس سبب سے گنجا ہوا، شاید تو نے بھی کسی کا بوتل سے تیل گرا دیا ہے۔
اس مذکورہ مثال سے مولانا یوں استدلال کرتے ہیں۔

پاکوں کے کام کو اپنے پر قیاس نہ کرو

شعر (۳) کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

ترجمہ: اے مخاطب پاک لوگوں کے معاملہ کو اپنے پر قیاس نہ کر (شیر البن) اگرچہ لکھنے میں شیر یعنی دودھ کا ہم شکل ہے (مگر دونوں کے طعم اور خواص میں بڑا فرق ہے)۔

شعر (۴) شیر آں باشد کہ مرد اورا خورد
شیر آں باشد مردم را درد

ترجمہ: یعنی اگرچہ شیر اور شیر کتابت میں یکساں نظر آتے ہیں مگر شیر یعنی دودھ وہ چیز ہے کہ آدمی اسے کھاتے ہیں اور شیر وہ درندہ ہے جو آدمیوں کو چیر پھاڑ دیتا ہے۔

شعر (۵) ہمزبانی خویشی و پیوندی است
مرد با نامحرماں چوں بندی است

ترجمہ: اے مخاطب بہتیرے دو ترک ہمزبان نہ ہونے کے سبب گویا ایک دوسرے سے بیگانے ہیں۔

ہمدلی ہمزبانی سے بہتر ہے

شعر (۶) پس زبان محرمی خود دیگر ست

ہم دلی از ہمزبانی بہتر ست

ترجمہ: یہ تو زبان مقال کا خیال تھا پس واضح ہوا کہ محرمی کی زبان اور ہی چیز ہے۔ ہمدلی ہمزبانی سے بہتر ہے۔

شعر (۷) غیر نطق و غیر ایماو سجل

صد ہزاراں ترجماں خیزد زدل

ترجمہ: (اگر ہمدلی یعنی باطنی ہمزبانی حاصل ہو تو) بولے بغیر اور اشارہ و تحریر کے بدون لاکھوں ترجمان دل سے پیدا ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا اشعار سے مولانا نے استدلال یہ کیا کہ جب لوگ جن کے وطن اور قومیں الگ الگ ہیں صرف ہمزبانی کی وجہ سے ہمراز و محرم بن جاتے ہیں تو جن کے دل ایک ہو جائیں انہیں تو زیادہ ہمراز و محرم ہونا چاہیے اس لیے کہ ہمدلی ہمزبانی سے محرم بنانے میں زیادہ مؤثر ہے لہٰذا جب معنوی و باطنی ہمزبانی حاصل ہو جائے تو پھر بغیر بولے اور بغیر اشارہ و تحریر کے ہزار ہا ترجمان دلوں میں پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر قرب و بعد کا فرق بھی باقی نہیں رہتا۔ اسی طریقہ استدلال کے موضوع پر جو آخری مثال پیش کر رہا ہوں اس کے ضمن میں مثنوی کے اشعار تو متعدد ہیں مگر ان کا مختصر یہ ہے کہ ایک ہُد ہُد نامی پرندہ جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے حضرت سلیمان علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک دن عرض کرتا ہے کہ اے اللہ کے نبی اللہ تعالیٰ نے ایک خوبی سے مجھے بھی نوازا ہے اور وہ یہ کہ جب میں بلندی پر ہوتا ہوں تو زیر زمین

پانی کا پتہ لگالیتا ہوں لہذا جب فوج سفر پر ہو تو مجھ خادم کو ساتھ رکھیے تاکہ بوقت ضرورت ان کو پانی پر مطلع کر سکوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی بات کو پسند فرمایا اور اسے مذکورہ خدمت پر مامور فرمادیا بعدازیں ایک حاسد کوا کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو بطور فریب و بد باطنی حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہنے لگا۔ یا حضرت ہُدہُد نے یہ دعویٰ غلط کیا ہے کہ اسے بلندی پر سے زیر زمین پانی کا پتہ لگ جاتا ہے اگر وہ اپنے دعویٰ پر سچا ہے تو ایک مشت خاک کے نیچے چھپے ہوئے جال کو کیوں نہ دیکھتا اور اس میں کیوں پھنستا۔

اس کی بات سنتے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد کو طلب فرمایا اور کہا اے ہُدہُد تو نے مجھ سے یہ جھوٹ کیوں بولا تو ہُدہُد نے یوں عرض کیا۔

اے شاہ میرے متعلق میرے مخالف کی بات پر توجہ نہ دیں، ہُدہُد

شعر (۸) گفت اے شہ برمن عور و گدا
قول دشمن مشنو از بہرِ خدا

ترجمہ: ہُدہُد نے عرض کی اے بادشاہ خدا کے لیے مجھ نادار و فقیر کے برخلاف میرے دشمن کی بات پر توجہ نہ دیجیے۔

شعر (۹) گر بطلان ست دعویٰ کردنم
پیک نہادم سر ببُرانز گردنم

ترجمہ: اگر میرا دعویٰ باطل ہے تو یہجیے میں سر رکھ دیتا ہوں حضور گردن سے

جدا کردیں۔

شعر (۱۰) زاغ کو حکم خدا را منکر ست

گر ہزاراں عقل دارد کافر ست

ترجمہ: کوا جو کہ قضائے الٰہی کا منکر ہے اگر اس کے پاس ہزار عقلیں ہوں تو پھر بھی اس سوئے اعتقاد کی وجہ سے وہ کافر ہے۔

شعر (۱۱) من بہ بینم دام اندر ہوا

اگر نپوشد چشم عقلم را قضا

ترجمہ: میں جب زیر زمین آب کو دیکھ سکتا ہوں تو ہوا میں اڑتا اڑتا زیر خاک جال کو بھی دیکھ سکتا ہوں بشرطیکہ قضائے الٰہی میری چشم عقل کو بند نہ کر دے۔

شعر (۱۲) چوں قضا آید شود دانش بخواب

مہ سیہ گردد بگیرد آفتاب

ترجمہ: جب قضا آتی ہے تو عقل سو جاتی ہے چاند سیاہ پڑ جاتا ہے اور سورج گرہن لگ جاتا ہے۔

القصہ مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہُدہُد اور کوا کے بیان سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خاصان خدا کا علوم غیبیہ پر مطلع ہونا ایک اٹل حقیقت ہے لیکن اس پر یہ اعتراض کرنا کہ اگر انہیں غیب پر اطلاع ہے تو اپنے کو ناخوش واقعات و حادثات سے کیوں نہیں بچا سکتے۔ یہ درحقیقت قضاء و قدر الٰہیہ سے انکار ہے۔

باب یازدہم

اس میں تین فصلیں آئیں گی۔ اوّل میں وہابیوں کے رسالہ مجلۃ الدعوۃ کی عبارت لکھی جائے گی اور دوم میں اس کا تنقیدی جائزہ لیا جائے گا اور سوم میں جس حدیث کو انہوں نے موضوع کہا ہے اسے حدیث صحیح ثابت کیا جائے گا۔

(فصل اوّل)

وہابیوں کے مذکورہ رسالہ کی عبارت کے بیان میں۔

س: لَوْ لَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ

ترجمہ: اے محمد اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو جہانوں کو ہی پیدا نہ کرتا۔

یہ روایت عام طور پر کئی علماء حضرات بیان کرتے ہیں اس کی تحقیق درکار ہے۔ ایک بندۂ خدا۔

ج: یہ روایت موضوع ہے جیسا کہ امام صنعانی نے اپنی کتاب الاحادیث الموضوعۃ صے۔ اور امام شوکانی نے الفوائد فی الاحادیث الموضوعہ میں ذکر کیا ہے۔ اس میں سے چند سطریں آگے چل کر لکھتے ہیں۔

قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ نے جن وانس کی پیدائش کی حکمت بیان کی کہ.....

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔

(جن وانس کی پیدائش کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ میری عبادت کریں)

گویا اس مقصد کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے جن وانس کی پیدائش کا کوئی اور مقصد نہیں بتایا۔ کہیں یہ ثابت نہیں کہ اللہ نے یہ سب کچھ اس کے لیے

پیدا کیا۔ (مجلۃ الدعوہ ص۲۶ شمارہ مارچ ۱۹۹۵ء)

(فصل دوم)

وہابیوں کے مذکورہ رسالہ کی مسطور بالا عبارت پر تنقیدی جائزہ میں۔
وہابیوں کے رسالہ کی مذکورہ عبارت پر کیے گئے سوال میں کہا گیا ہے کہ عام طور پر علماء یہ حدیث لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ بیان کرتے ہیں۔ اس سے یہ شبہ پڑ سکتا ہے کہ وہابی جو اس حدیث کے بیان کرنے میں مجمل طور پر علماء کا ذکر کر رہے ہیں ان میں شاید وہابی دیوبندی بھی شامل ہوں تو لہٰذا واضح کر دیتا ہوں کہ وہابیوں اور دیوبندیوں کو یہ سعادت نصیب نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی شان بیان کریں بلکہ ان کو تو ہر ایسی دلیل پر اعتراض ہوتا ہے جس سے انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کی شان و عظمت کا اظہار ہوتا ہو اور ہر ایسی نص جس میں ان نفوس قدسیہ کی رفعت و عظمت کا ثبوت ہو اس میں انہیں تحریفات و من گھڑت تاویلات کی فکر ہوتی ہے اور ایسے دلائل کی تلاش میں جن سے ان کو انبیاء علیہم السلام و اولیاء عظام کی نقص شان و توہین کا موقعہ ملتا ہو اپنی راتوں کی نیند و دن کا چین برباد کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ یہاں بھی ہے کہ جو کچھ الفاظ کے اختلاف سے متحد المعنی و مقصد حدیث کو متعدد کتب حدیث و دیگر کتب میں محدثین علماء نے بیان کیا ہے اسے یہ وہابی جواب ناصواب میں سرے سے ہی موضوع کہہ رہے ہیں اور صنعانی و شوکانی کا قول بطور دلیل پیش کر رہے ہیں۔ ان میں شوکانی تو ان وہابیوں کا اپنا ہی پیشوا ہے جس نے انہیں اس حدیث سے انکار کا یہ راستہ بتایا اور صنعانی کے اس قول کا رد ملا۔
علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الموضوعات الکبریٰ میں کیا ہے

جسے آگے بیان کیا جائے گا اور ان وہابیوں کا یہ کہنا کہ ۔۔۔۔ کہیں یہ ثابت نہیں کہ اللہ نے یہ سب کچھ اس لیے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے) پیدا کیا ہے۔

برادرانِ اسلام آپ ان نجدیوں کی عقل اور دینی سوجھ بوجھ کا اندازہ لگائیں کہ یہ تو ہر ایک مسلمان جسے ادنیٰ سا تعلق کلام اللہ سے ہے یا علمائے دین کی صحبت اسے میسر ہے جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشیائے کائنات کو انسان کے لیے پیدا کیا ہے بریں وجہ کہ قرآن مجید کی متعدد آیات اس پر دلالت کرتی ہیں جن میں سے کچھ کو بطور ثبوت یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

آسمانوں اور زمین کی سب اشیاء

کو اللہ نے انسان کے لیے پیدا کیا ہے

(اوّل) اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

وہ ذات جس نے زمین کو تمہارے لیے بچھونا بنایا اور آسمان کو عمارت اور آسمان سے پانی اُتارا تو اس سے تمہارے کھانے کو کچھ پھل نکالے پس اللہ کے لیے جان بوجھ کر برابر والے نہ ٹھہراؤ۔

(دوم) هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔

وہی ہے جس نے تمہارے لیے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے سب۔

(سوئم) تیسویں پارہ کی ابتداء میں انسان پر اپنی نعمتوں کا یوں

ذکر فرمایا۔

اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا وَّبَنَیْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ط۔

کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہ کیا اور پہاڑوں کو میخیں اور تمہیں جوڑے بنایا اور تمہاری نیند کو آرام کیا اور رات کو پردہ پوش کیا اور دن کو روزگار کے لیے بنایا اور تمہارے اوپر سات مضبوط چنائیاں چنیں اور ان میں ایک نہایت چمکدار چراغ رکھا اور بدلیوں سے زور کا پانی اتارا کہ اس سے پیدا فرمائیں اناج اور سبزہ اور گھنے باغ۔

مذکورہ بیان کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ ان وہابیوں کا یہ کہنا یہ کہیں ثابت نہیں کہ اللہ نے یہ سب کچھ انسان کے لیے پیدا کیا ہے۔ درحقیقت اُن کا یہ کہنا قرآن کا ہی انکار ہے۔

اپنے مدعیٰ کو بیان کرنے کے لیے قرآن و حدیث و تفسیر اور دیگر کتب سے دلائل تو بے شمار موجود ہیں مگر اختصار کے پیش نظر آخر میں صرف وہابیوں کے امام و مجدد ابن تیمیہ کی عبارت پر ہی اکتفا کروں گا۔ زیر تفسیر مندرجہ ذیل آیت۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔

یوں بیان کرتے ہیں۔

وَالْخِطَابُ لِجَمِیْعِ النَّاسِ لِافْتِتَاحِ الْکَلَامِ بِقَوْلِہٖ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَوَجْہُ الدَّلَالَۃِ اَنَّہٗ اَخْبَرَ اَنَّہٗ خَلَقَ جَمِیْعَ مَا فِی الْاَرْضِ لِلنَّاسِ مُضَافًا اِلَیْھِمْ بِاللَّامِ وَاللَّامُ حَرْفُ الْاِضَافَۃِ وَھِیَ تُوْجِبُ اِخْتِصَاصَ الْمُضَافِ بِالْمُضَافِ اِلَیْہِ وَاِسْتِحْقَاقَ اِیَّاہُ مِنَ الْوَجْہِ الَّذِیْ یَصْلُحُ لَہٗ وَھٰذَا الْمَعْنٰی یَعُمُّ مَوَارِدَ اِسْتِعْمَالِہٖ لِقَوْلِھِمْ اَلْمَالُ لِزَیْدٍ وَالسَّرْجُ لِلدَّابَّۃِ وَمَا اَشْبَہَ ذٰلِکَ فَیَجِبُ اِذًا اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ مُمَلَّکِیْنَ مُمَکَّنِیْنَ لِجَمِیْعِ مَا فِی الْاَرْضِ فَضْلًا مِنَ اللّٰہِ وَنِعْمَۃً وَخُصَّ مِنْ ذٰلِکَ بَعْضُ الْاَشْیَاءِ وَھِیَ الْخَبَائِثُ لِمَا فِیْھَا مِنَ الْاِفْسَادِ لَھُمْ فِیْ مَعَاشِھِمْ وَمَعَادِھِمْ فَتَاوٰی اِبْنِ تَیْمِیَّۃَ۔

(جلد ۲۱ ص ۹)

اور اس میں تمام لوگوں کو خطاب ہے اس لیے کہ کلام کو اس قول سے شروع کیا۔

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو اور وجہ دلالت یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے باخبر کیا اس پر کہ جو کچھ اس نے زمین میں پیدا کیا۔ سب لوگوں کیلئے ہے اسے ان کی طرف لام کے ساتھ مضاف کیا اور حرف لام اضافت ہے اور یہ مضاف کا اختصاص مضاف الیہ کے لیے لازم کرتا ہے اور اس کا استحقاق اس کے لیے اس لیے خاص ہے کہ وہ اس کے موافق ہوتا ہے اور یہ معنی اس کے موارد استعمال کو شامل ہے جیسے کہ ان کا قول مال زید کے

لیے اور زمین چوپائے کے لیے اور جو بھی اس کے مشابہ ہے۔ پس لازم ہے کہ ہوں لوگ مالک وغالب سب پر جو زمین میں ہے اللہ کے فضل اور عطا سے اور خاص کیا اس سے بعض اشیاء کو اور وہ خبائث ہیں اس وجہ سے کہ اس میں ان کے لیے فساد ہے دنیاوی زندگی میں یا آخرت میں۔

وہابی جس حدیث کو موضوع کہہ رہے ہیں وہ صحیح المعنی ہے

(فصل سوم)

اس کے بیان میں کہ یہ حدیث شریف لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔ جسے وہابی موضوع کہہ رہے ہیں، معنوی اعتبار سے بلاشبہ و بلاریب بالیقین صحیح و حق ہے۔

وضاحت: صحیح المعنی سے مراد یہ ہے کہ مذکورہ حدیث جو کہ مختلف کتب میں مختلف رواۃ سے روایت کی گئی ہے اس کے متنی الفاظ مختلف ہیں لیکن معنی و مقصد سب جگہ ایک ہی ہے۔

وضاحت کے بعد اب اپنے مدعیٰ کے ثبوت کے لیے چند حوالے پیش کرتا ہوں۔

(اوّل) علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الموضوعات الکبریٰ میں مذکورہ حدیث شریف کو صحیح المعنی ثابت کرنے کے لیے جو حوالے پیش کیے ہیں وہ یہاں ملاحظہ ہوں۔

فَقَدْ رَوَى الدَّيْلَمِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا

مَرْفُوْعاً اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ لَوْلَاکَ مَا خُلِقَتِ الْجَنَّةُ لَوْلَاکَ مَا خُلِقَتِ النَّارُ۔ وَفِیْ رِوَایَةِ ابْنِ عَسَاکِرْ لَوْلَاکَ مَا خُلِقَتِ الدُّنْیَا۔

دیلمی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس جبریل آیا پس عرض کی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر اللہ کا مقصود تجھے پیدا کرنا نہ ہوتا تو جنت ہی پیدا نہ کی جاتی۔ اگر آپ نہ ہوتے تو آگ ہی پیدا نہ کی جاتی اور ابن عساکر کی ایک روایت میں ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو دنیا ہی پیدا نہ کی جاتی۔

اب دو حدیثیں علامہ ابن جوزی کی الوفا کے باب اول سے ملاحظہ ہوں۔

اے آدم اگر محمد کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو تجھے بھی پیدا نہ کرتا... حدیثِ قدسی

(۱) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَصَابَ آدَمَ الْخَطِیْئَةُ رَفَعَ رَأْسَہٗ فَقَالَ رَبِّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ فَاَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلَیْہِ وَمَا مُحَمَّدٌ وَمَنْ مُحَمَّدٌ فَقَالَ رَبِّ اِنَّکَ لَمَّا اَتْمَمْتَ خَلْقِیْ رَفَعْتُ رَأْسِیْ اِلٰی عَرْشِکَ فَاِذَا عَلَیْہِ مَکْتُوْبٌ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ فَعَلِمْتُ اَنَّہٗ اَکْرَمُ خَلْقِکَ عَلَیْکَ اِذْ قَرَنْتَ اِسْمَہٗ مَعَ اِسْمِکَ قَالَ نَعَمْ قَدْ غَفَرْتُ لَکَ وَھُوَ آخِرُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ ذُرِّیَّتِکَ وَلَوْ

لَاهُ مَا خَلَقْتُكَ۔

اللہ کی بارگاہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرنا حضرت آدم کی سنّت ہے

عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی اس نے اپنا سر اٹھایا تو عرض کی اے میرے پروردگار بطفیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے معاف کر۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے وحی کی کہ محمد کیسے ہے اور محمد کون ہے تو عرض کی کہ اے میرے رب جب تو نے میری تخلیق کو مکمل کیا اس وقت میں نے اپنا سر اٹھا کر تیرے عرش کو دیکھا پس جبھی اس پر لکھا تھا لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو میں سمجھ گیا کہ بلا شبہ وہ تیرے حضور میں تیری سب مخلوق سے مکرم ہے جب ہی تو نے اس کا نام اپنے نام سے ملا رکھا ہے۔ فرمایا ہاں ایسا ہی ہے تو اب میں نے تجھے معاف کیا اور وہ تیری اولاد سے تمام نبیوں کے آخری ہیں اور (اے آدم) اگر اسے پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔

عرش کو اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے سکون ملا

(۲) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی عِیْسٰی عَلَیْہِ

السَّلَامُ لَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ آدَمَ وَلَقَدْ خَلَقْتُ الْعَرْشَ فَاضْطَرَبَ فَكَتَبْتُ عَلَيْهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَسَكَنَ۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسٰی علیہ السلام کو وحی کی اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ ہوتے تو آدم کو بھی پیدا نہ کرتا اور البتہ جب میں نے عرش کو پیدا کیا تو وہ لرزنے لگا پس میں نے اس پر لکھا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو وہ ساکن ہو گیا۔

اے آدم تو نے محمد کو کیسے جانا؟

یا اللہ میں نے عرش پر تیرے نام کے ساتھ اس کا نام لکھا ہوا دیکھا

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيْئَةَ قَالَ رَبِّ أَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ لِيْ فَقَالَ اللّٰهُ يَا آدَمُ وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ أَخْلُقْهُ قَالَ لِأَنَّكَ يَا رَبِّ لَمَّا خَلَقْتَنِيْ بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُّوْحِكَ رَفَعْتُ رَأْسِيْ فَرَأَيْتُ عَلٰى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوْبًا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تُضِفْ إِلٰى إِسْمِكَ إِلَّا أَحَبَّ الْخَلْقِ إِلَيْكَ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى صَدَقْتَ يَا آدَمُ إِنَّهُ لَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَيَّ وَإِذْ سَأَلْتَنِيْ بِحَقِّهِ قَدْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ رَوَاهُ

اَلْبَیْہَقِیُّ وَرَوَاہُ الْحَاکِمُ وَصَحَّحَہٗ وَالطِّبْرَانِیُّ وَزَادَ فِیْہِ وَھُوَ آخِرُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ ذُرِّیَّتِکَ رحمۃ اللعلمین ص۲۱)

یا اللہ میں نے جان لیا کہ تو نے اسی کے نام کو

اپنے نام سے ملایا جو تجھے سب سے پیارا ہے، آدم علیہ السلام

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی عرض کیا اے میرے پروردگار میں بطفیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے معافی چاہتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تو نے محمد کو کیسے جانا اور ابھی تو میں نے اسے ظاہر نہ کیا۔ عرض کی اے میرے رب تحقیق جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنے حکم سے روح ڈالی میں نے اپنے سر کو اٹھایا تو عرش کے کناروں پر میں نے لکھا ہوا دیکھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پس میں نے سمجھ لیا کہ تو نے اپنے نام سے نہیں ملایا مگر اسے جو تجھے سب مخلوق سے محبوب تر ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تو نے سچ کہا بلا شبہ وہ مجھے سب مخلوق سے زیادہ پیارا ہے اور اب جبکہ تو نے اس کے نام پر مجھ سے معافی مانگی تحقیق میں نے تجھے معافی دے دی اور اگر محمد پیدا نہ ہوتے میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔

اسے بیہقی نے روایت کیا اور حاکم نے اسے روایت کیا اور اس کو صحیح کہا۔ طبرانی نے روایت کیا اور اس میں یہ الفاظ زیادہ کیے کہ وہ تیری اولاد سے سب نبیوں کے بعد آئے گا۔

اسے ضرورتِ دنیا اپنی طرف کیسے مائل کر سکتی ہے جو نہ ہوتے تو دُنیا ہی نہ ہوتی۔ علامہ بوصیری

مداح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علامہ شرف الدین محمد بن سعید بوصیری رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ بردہ شریف میں اپنے ایک شعر میں مذکورہ بالا حدیث کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔

وَكَيْفَ تَدْعُوْا اِلَى الدُّنْيَا ضَرُوْرَةُ مَنْ لَوْلَاهُ لَمْ
تَخْرُجِ الدُّنْيَا مِنَ الْعَدَمِ۔

اور اس مقصود کائنات کو ضرورت دنیا کی طرف مائل کیسے کر سکتی ہے وہ جو نہ ہوتے تو دنیا عدم سے وجود ہی نہ پاتی۔

اسی بالا شعر کی شرح کرتے ہوتے علامہ عمر بن احمد خرپوتی رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں۔

وَفِیْ هٰذَا الْبَیْتِ تَلْمِیْحٌ اِلٰی مَا نُقِلَ فِیْ حَدِیْثِ الْقُدْسِیِّ
(لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ)

اور اس بیت میں جو حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے اس کی طرف اشارہ ہے کہ اے محبوب اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو آسمانوں کو بھی پیدا نہ کرتا۔

اسی طرح علامہ الحافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ خصائص الکبریٰ صفحہ پر ایک روایت یوں بیان کرتے ہیں۔

اے عیسیٰ اپنی اُمّت کو حکم دو کہ جو اُن سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں اُس پر ایمان لائیں

وَاَخْرَجَ الْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى عِيْسٰى اٰمِنْ بِمُحَمَّدٍ وَمُرْ مَنْ اَدْرَكَهُ مِنْ اُمَّتِكَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِهٖ فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ اٰدَمَ وَلَا الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ وَلَقَدْ خَلَقْتُ الْعَرْشَ عَلَى الْمَآءِ فَاضْطَرَبَ فَكَتَبْتُ عَلَيْهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

حاکم نے اسے لکھا اور اس کو صحیح کہا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ خود بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مان اور حکم کر جو بھی تیری اُمت میں سے اسے پائے اس پر ایمان لائیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آدم کو بھی پیدا نہ کرتا اور نہ جنت اور نہ جہنم کو، البتہ میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ لرزنے لگا پس میں نے اس پر لکھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اب خود منکرین کے پیشوا نواب صدیق حسن سے اسی حدیث کی تائید پر ایک حوالہ ملاحظہ ہو۔ اگر وہ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ آسمان و زمین وما فیہا کو اور آدم وجملہ انبیاء ورسل کو پیدا نہ کرتا۔ (تکریم المومنین بتقویم مناقب الخلفاء الراشدین صفحہ ۱۱۱)

تصریح: مذکورہ روایات میں کسی میں یہ فرمایا کہ اگر مقصود کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کو پیدا نہ کرتا تو افلاک کو پیدا نہ کرتا اور

کسی میں ارشاد ہوا کہ اے محبوب اگر تجھے پیدا نہ کرتا تو حضرت ابوالبشر آدم کو بھی پیدا نہ کرتا اور کہیں فرمایا کہ اے محبوب اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو جنت و نار کو بھی پیدا نہ کرتا اور کسی میں ارشاد فرمایا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو دنیا بھی پیدا نہ ہوتی۔

جب کہ مقصد تمام احادیث کا یہی ہے کہ اے مقصودِ کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تجھے پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو ہم کائنات کی کسی چیز کو بھی معرضِ وجود میں نہ لاتے۔

ایک سوال کے دو جواب

اب رہا یہ سوال کہ مذکورہ احادیث میں ارکان کائنات کا فرداً فرداً ذکر کیا گیا ہے کسی میں افلاک کا کسی میں جنت و دوزخ کا کسی میں دنیا کا اور کسی میں آدم علیہ السلام کا سب کائنات کا مجموعی طور پر نام کیوں نہ لیا؟ اس کا جواب دو طرح دیا جاتا ہے۔

اولاً اس لیے انہیں اجزا و ارکان کائنات کے ذکر پر ہی اکتفا کیا اور پھر انہیں الگ الگ بیان کیا کہ یہ ارکان و اجزائے کائنات آپس میں بھی لازم و ملزوم اور ایک دوسرے کی ضرورت ہیں اور کائنات کے باقی اجزاء ان کے تابع اور یہ ان غیر مذکورین کے لیے لازم ہیں اب اس کی وضاحت یوں کی جاتی ہے کہ دیکھیں آدم علیہ السلام انسان کی اصل ہیں ان کا نہ ہونا سب انسانوں کے نہ ہونے کو لازم ہے' اسی طرح قرآن و حدیث کے دلائل کثیرہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے افلاک و زمین کو اور جنت و نار کو اور دنیاوی اسباب و سامان کو انسان کے لیے پیدا کیا۔ اسے یوں جانئے کہ اگر

انسان نہ ہوتا تو ان اشیاء کا ہونا بے مقصد تھا اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ کسی چیز کو بے مقصد و عبث پیدا کرے۔ اسی طرح حضور سید کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اصلِ کائنات اور مقصودِ کائنات ہیں تو بلا اصل فروعات کا ہونا ناممکن اور بغیر مقصد کائنات کا ہونا باطل ہے۔

ثانیاً: احادیث میں مذکورہ اجزاء وارکانِ کائنات کو خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا کہ یہ کائنات میں سب سے اعظم وافضل ہیں اور یہ اعتبار قرآن واحادیث اور عرفاً بھی ثابت ہے کہ اعظم کو اصغر پر اور افضل کو مفضول پر غلبہ دے کر صرف اعظم وافضل کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن اس میں اجزاء وافراد اصاغر و مفضولین کے بھی حکماً شامل ہوتے ہیں۔

اب مذکورہ احادیث میں جو معنی و مقصد مشترک بیان ہوا یعنی کائنات کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے پیدا کیا کہ جانِ کائنات اور مقصودِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنا تھا اس کے مؤیدات کو بیان کیا جاتا ہے۔

مؤیدات و مؤکدات حدیث کا بیان

(۱) اس ضمن میں کتب حدیث سے مختلف اسناد اور متعدد طُرق سے جو احادیث بیان ہو چکی ہیں وہ اس معنی کے لیے یعنی اگر محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو کائنات کی کوئی چیز بھی پیدا نہ ہوتی مؤید ہیں اور اس کی صحت پر شواہد ہیں۔

(۲) یہ احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ وسلم کائنات کی اصل ہیں تو یہ عقلِ سلیم پر بدیہہ و واضح ہے کہ بغیر

اصل فروعات کا ہونا ممکن نہیں۔

(۳) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمتِ کونین ہیں اور سب کائنات آپکی رحمت کی محتاج ہے لہٰذا آپ محتاج الیہ ٹھہرے تو محتاج الیہ کا محتاج سے اوّل ہونا لازم ہے۔

(۴) کونین میں انبیاء علیہم السلام عنداللہ سب سے اقرب و افضل ہیں اور یہ قرآن پاک سے ثابت ہے کہ انہیں بھی یہ شان وعظمت اور اس قدر بلند مرتبہ و مقام حاصل ہوا تو نبی آخرالزمان جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہی ملا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۔ (سورۃ آل عمران پ۳)

ترجمہ: اور یاد کرو جب پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرماتے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

تو اس آیۃ مبارکہ کے یہاں بیان سے مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ اگر کسی شان والے کو شان ملی اور کسی مرتبہ والے کو مرتبہ ملا تو وہ سب پیغمبر آخرالزماں

جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے ہی ملا۔ تو جن کے صدقہ سے ملا وہ کیوں نہ مقصودِ کائنات ہو۔

(۵) قرآن مجید کی جو آیات ابھی اسی باب کی فصل دوم میں لکھی جاچکی ہیں ان سے واضح طور پر ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان و مافیہا کو انسان کے لیے پیدا فرمایا تو انسانوں میں اہلِ ایمان بھی ہیں اور کفار و منافقین اور فاسق وفاجر بھی ہیں اور مطیع وفرمانبردار بھی تو یہاں یہ بتانا مقصد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین و مافیہا کو انسانوں کے لیے پیدا کیا ہے مگر پھر بھی اس کی ملک میں کوئی نقصان نہیں ہوا تو پھر جس کی غلامی کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے وہ کیوں نہ مقصود کائنات ہو۔

تو اس بیان کا مقصد یہ تھا کہ کوئی نقلی و عقلی اعتبار سے ایسی وجہ نہیں جس کی بنا پر منکرین اس حدیث لولاک لما خلقت الافلاک کا انکار کر رہے ہیں بلکہ اس کی صحت وتائید پر قرآن وحدیث سے اور عقلی کثیر دلائل اور مؤیدات ومقویات مؤکدات موجود ہیں مگر انہیں دیکھنے کے لیے چشمِ بینا اور قلب پاک از کینہ چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ سب کو چشم بینا اور سینہ پاک از کینہ عطا فرماتے آمین ثم آمین۔
یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ بجاہ نَبِیِّ الرَّحْمَتِ لِلْعٰلَمِیْنَ۔

تَمَّتْ بِالْخَیْرِ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ بحرمت رَسُوْلِکَ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ۔

تاریخ اختتام

۲۴ جنوری ۱۹۹۶ء : مطابق ۳ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

ماشاء اللہ اللھم علم الکتاب والحکمۃ والفراسۃ الایمانیہ

فقیر ابوالعلا محمد عبداللہ قادری قصور

قبل ازیں اس کتاب الدلائل القاطعہ فی رد مجلۃ الدعوۃ للوہابیہ میں بیان کیا گیا کہ وہابیوں کی جس تنظیم نا مسلیم نام نہاد الدعوۃ والارشاد کے زیرِ اہتمام رسالہ مجلۃ الدعوۃ نامی شائع ہوتا ہے۔ یہ لوگ دہشت گرد اور ان کے عزائم ملک و امتِ مسلمہ کے لیے ناپاک و خطرناک ہیں تو ممکن تھا کہ بعض لوگ مصنف کتاب کی ان باتوں پر مطمئن نہ ہوتے یا مخالفین الزام لگاتے کہ مصنف نے تعصب و عداوت کی بنا پر ہم پر الزام لگا دیا ہے لہذا لوگوں کے اطمینان و یقین کے لیے اور مخالفین کے مذکورہ الزام کے ازالہ کے لیے خود انہیں کے ہم مسلک و ہم مشرب وہابیوں کے بیانات و تحریرات سے انہیں دہشت گرد اور امتِ مسلمہ کے لیے مضر و خطرناک ثابت کرتا ہوں۔

واضح رہے کہ جو وہابیوں کی تحریرات و بیانات آگے آرہے ہیں، جب راقم الحروف خادم علمائے حق اہل سنت و جماعت اور ادنیٰ خادم از خدامِ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ و رضی اللہ عنہ اسی کتاب کی تصحیح و تقریظ لکھانے کے لیے ترجمان اہلِ سنت محترم مولانا ابو داؤد محمد صادق مد اللہ ظلہ العالی خطیب جامع مسجد زینۃ المساجد گوجرانوالہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے مذکورہ بیان والے صفحات دیئے اور حکم کیا کہ انہیں اس کتاب کے آخر میں لگا دیں۔ اب وہ ملاحظہ ہوں۔

نام نہاد "الدعوۃ والارشاد" کے مرکز طیبہ کی دہشت گردی

کے خلاف "اہلحدیث" عالم کا احتجاج

(ماھنامہ "صراط مستقیم" سے قاری عبدالحفیظ کے انٹرویو کا اقتباس)

سوال : قاری عبدالحفیظ صاحب! آپ عوامی اجتماعات میں سخت اور نامناسب الفاظ میں ضیاء الحفیظ شہید کے قتل کا ذمہ دار مرکز الدعوۃ اور اسکی قیادت کو ٹھہراتے رہے ہیں۔ آپ کے پاس کیا ثبوت ہے؟

جواب : میں پوری ذمہ داری اور اعتماد کے ساتھ اس سوال کا جواب دے رہا ہوں۔ آپ اگر شائع کر دیں گے تو میں سمجھوں گا آپ میرے دکھ میں شریک ہیں اور میں آپ کے اس دعوے پر یقین بھی کروں گا کہ آپ اہلحدیث جماعت کے خلاف ہونے والی ہر سازش کو بے نقاب کریں گے۔

سوال : قاری صاحب! آپ جواب دیں۔ ہماری کوشش ہوگی کہ ہم من وعن شائع کریں۔

جواب : اصل واقعہ یہ ہے کہ ۲۵ اگست ۱۹۹۱ء کو ان لوگوں نے میرے بیٹے ضیاء الحفیظ کو قتل کیا۔ جس جگہ ان لوگوں نے اپنا معسکر بنا لیا ہے اور جہاں یہ لوگ رہ رہے ہیں وہاں کسی مخالف سے دو بدو جھڑپ کا کوئی خدشہ نہیں۔ دھوکا ہے دھوکا۔ عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکی جا رہی ہے۔ کاروباری مقاصد کے لیے کی جانے والی جدوجہد کو جہاد کا نام دیا جا رہا ہے۔ ناول نگاری اور افسانہ نگاری کی طرز پر جھوٹی ٹیبل سٹوریاں اپنے رسالہ میں شائع کرتے ہیں۔ قطعاً کوئی دشمن کی گولی لگ کر شہید نہیں ہوتا۔ یہ دھوکا دیتے ہیں۔

• عطاءاللہ نامی لڑکے کو دریا میں اٹھا کر لے گئے اور بیچ منجدھار میں لے جا کر چھوڑ دیا کہ تقریباً شہید ہوا • مولانا عبدالرشید راشد کے بچے عبدالرؤف جانباز کو اس طرح مارا کہ وہ کتاب پڑھتے ہوتے جا رہا تھا۔ ان کی اپنی ایک چھوٹی سی توپ ہے اس میں سے چھوٹا سا گولہ نکلتا ہے اس کے لگتے ہی وہ دریا میں گر جاتا ہے • اسی طرح مولانا عبدالرفیق سلفی کے بچے اور دیگر بچوں کو یہ مارتے رہے ہیں۔

سوال: اگر آپ کی بات صحیح بھی مان لیں تو ان بچوں کے قتل سے ان کو کیا فائدہ پہنچ رہا ہے؟

جواب: یہ وسائل گاڑیاں ائر کنڈیشن دفاتر، دولت یہ سب انہی شہداء کے قتل کی قیمت ہی تو ہے جو انہوں نے عربوں اور پاکستان کے سادہ لوح "اہلحدیثوں" سے وصول کی ہے، یہی فائدہ ہے۔ بچوں کے قتل کا مسقط بحرین، کویت اور دیگر بیرون ممالک ان کے بینک بیلنس موجود ہیں حقیقت یہ بھی کہ احمد مسعود نامی انہی کے ایک لڑکے کی فائرنگ سے میرا بچہ شہید ہوا۔ اس نے دو فائر کیے آپ بھی سمجھتے ہیں کہ اگر ایک فائر ہو تو اسے قتل خطا کہا جاتا ہے لیکن دو فائر سے تو قتل خطا والی بات نہیں رہی۔

سوال: آپ کو کس ذریعے سے پتہ چلا کہ آپ کا بیٹا احمد مسعود نامی لڑکے کی فائرنگ سے ہلاک ہوا ہے؟

[جو]اب: بعد میں "الدعوۃ" کے ہی کچھ افراد ان کے بڑے لیڈروں کے کرتوت دیکھ کر ان سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ ان میں معسکر طیبہ کے امیر یاسین اثری اور معسکر اقصیٰ کے امیر محمد اشتیاق اور ایک دو اور افراد شامل تھے انہوں نے مجھے حقیقتِ حال سے آگاہ کیا۔ یہ لوگ وہیں ہوتے تھے جہاں میرا

بیٹا شہید ہوا ہے۔ یہ ساری صورتِ حال سے واقف تھے۔ لیکن جب مجھے حقیقتِ حال کا علم ہوا تو میرے دل کو شدید دھچکا لگا۔ میں نے پروفیسر سعید صاحب (سربراہ مرکز طیبہ۔ مریدکے) سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ کہنے لگے قاری صاحب وہ بچہ بڑا نیک ہے جس کے ہاتھ سے سہواً فائر ہو گیا جو ضیاء الحفیظ کو لگ گیا۔ وہ کہتا ہے مجھے نہیں پتہ کس طرح مجھ سے فائر ہو گیا۔

سوال : حافظ سعید صاحب نے آپ کے سامنے اس بات کا اعتراف کیا کہ ضیاء الحفیظ کمیونسٹ کی گولی سے نہیں مرکز الدعوۃ ہی کے کسی لڑکے کے فائر سے شہید ہوا جو غلطی سے چل گیا تھا؟

جواب : ہاں بالکل! پروفیسر سعید صاحب نے اس بات کا اقرار کیا اور جس لڑکے سے گولی لگی اس کا نام بتایا۔ براہِ مہربانی آپ اسی طرح لکھیں جس طرح میں کہہ رہا ہوں۔ اگر قوم کا ایک بچہ بھی ظلم و بربریت سے بچ جاتا ہے تو آپ کا بہت بڑا احسان ہو گا۔

سوال : کیا ابتداً میں مرکز الدعوۃ والوں کو بھی واقعہ کا صحیح علم نہیں تھا جس کی وجہ سے انہوں نے مجلہ الدعوۃ میں حقیقت کے برعکس رپورٹ شائع کی؟

جواب : پتہ کیوں نہیں تھا، جناب سب پتہ تھا۔ مجلہ الدعوۃ میں جان بوجھ کر جھوٹی رپورٹ بڑی مہارت سے بنا کر چھاپی گئی۔ یہ مجلہ "الدعوۃ" والوں کی عادت ہے۔ وہ عوام کو کیش کرانے کے لیے جھوٹے اور من گھڑت شہادتوں کے واقعات بالکل افسانوی انداز میں لکھ کر چھاپتا ہے۔ یہاں آپ مجلہ الدعوۃ میں چھپنے والی رپورٹوں کی صحت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ جب وہ ایک عالم دین کے بیٹے سے متعلق جھوٹی اور من گھڑت رپورٹ

شائع کر سکتے ہیں تو عام اہلحدیث خاندان کیا حیثیت رکھتے ہیں۔؟

سوال : اس بات میں کہاں تک صداقت ہے کہ مرکز الدعوۃ نے آپ کو بطور دیت کچھ رقم ادا کر دی ہے؟

جواب : یہ جھوٹ ہے۔ انتہا کر دی ہے چالبازی کی۔ انہوں نے ۴۰ ہزار روپے کا ڈرافٹ چھپوا کر ہزاروں کی تعداد میں پنجاب اور کراچی میں بھی تقسیم کیے ہیں۔ مجھے بتائیں ایسا دنیا میں کون سا بینک ہے جو مجھے پیسے دیدے اور چیک اُن کے حوالے کر دے۔ کتنا بڑا مذاق ہے اس شخص کے ساتھ جس کا کلیجہ چھید اگیا ہے۔ ضیاء الحفیظ کی والدہ اس غم میں پاگل ہو گئی ہے۔

سوال : الدعوۃ والوں کی شرعی عدالت میں بھی اس مسئلے کو اٹھایا گیا؟

جواب : ایسی شرعی عدالت جس کے جج مفتی عبدالرحمٰن صاحب تھے جو اُن کے اپنے آدمی تھے جن کو میں قتل میں ملوث کہتا ہوں اُن کا کھا کر اُن کا پی کر ان سے تنخواہ لے کر ان کے اے سی کمروں میں بیٹھ کر فیصلہ کریں ہم مقتولوں کا، کہاں کا انصاف ہے؟ مفتی عبدالرحمٰن (صاحب) نے راولپنڈی میں یہ جھوٹ بولا کہ میں نے قاری عبدالحفیظ کو پانچ لاکھ یا غالباً دس لاکھ کہا تھا) دس لاکھ روپے دیئے ہیں۔ اسی طرح مرکز الدعوۃ کے ہی آدمی عبدالغفار اعوان (صاحب) نے میرے داماد کو کہا کہ اگر ہم نے اسے مارا ہے تو اس کی قیمت بھی ادا کر دی ہے۔

سوال : شرعی اصطلاح میں لفظ جہاد کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے؟

جواب : جد و جہد کے معنوں میں، کوشش کے معنی میں۔ ہاتھ سے تلوار سے زبان سے قلم سے کی جانے والی ہر وہ کوشش جس کا مقصد اللہ کے دین کی سربلندی ہو جہاد ہے۔ جہاد کے مفہوم کو ایک خاص مقصد کے

کے تحت محدود کیا جا رہا ہے۔ وہ خاص مقصد دولت اکٹھی کرنا ہے۔ مرکز الدعوۃ اور اس کے لیڈر خود اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں جہاد وہاد نہیں بلکہ یہ ان کا کاروبار ہے۔ اگر یہ جہاد کشمیر کو واقعی جہاد سمجھتے تو ان میں سے کسی کا بچہ وہاں شہید ہوا ہوتا، کوئی زخمی ہوا ہوتا لیکن اپنے بچوں کو بچا کر رکھتے ہیں دوسروں کے بچوں کو مرواتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود اس کام میں مخلص نہیں ہیں۔ عوام اہلحدیث بڑی سادہ لوح ہے۔ انہوں نے گہرائی میں جا کر نہیں دیکھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ کوئی لمبی داڑھی رکھ لے اور شلوار ٹخنوں سے اوپر کر لے بس اس پر اعتماد کر لیں گے۔ باقی خواہ وہ لڑکیاں بیچتا رہے یا پوری جماعت کو بیچ کر کھا جائے اس کو کچھ نہیں کہیں گے۔

سوال: قرآن، ہمیں کسی کی مخالفت میں حد سے آگے نکلنے سے منع کرتا ہے۔ آپ عوامی اجتماعات میں ان کے خلاف بڑی سخت زبان استعمال کرتے ہیں۔ ایسا کیوں کرتے ہیں؟

جواب: میرے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ میرا حق ہے کہ جن لوگوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے ان کے خلاف آواز بلند کروں یہ میرا وہ حق ہے جو قرآن نے مجھے دیا ہے۔ (ترجمہ: "اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کو اعلانیہ برا کہے، مگر وہ جو مظلوم ہوا") اگر میں عوامی اجتماعات میں اعلانیہ مخالفت کرتا ہوں تو میرا یہ عمل قرآن کے عین مطابق ہے۔

ان لوگوں نے اپنی شلواریں پنڈلیوں تک لوگوں کو دکھانے کے لیے کی ہیں۔ ان کے نزدیک بس سارا تقویٰ اسی میں ہے۔"

(ماہنامہ صراط مستقیم (اہلحدیث) اکتوبر ۱۹۹۴ء کراچی)

مرکز "الدعوۃ" دہشت گردی

کی علامت بن کر ابھر رہا ہے

اغوا کی کارروائی

اہلحدیث جانباز فورس کے ترجمان نے تفصیلات بتاتے ہوتے کہا کہ ۱۸ اکتوبر ۹۴ء کی شب خالد جاوید علوی کی نگرانی میں ایک ٹیم لاہور گوجرانوالہ جی ٹی روڈ پر ماہنامہ صراط مستقیم اور اہلحدیث جانباز فورس کی چاکنگ کر رہی تھی کہ مرکز الدعوۃ والارشاد کی دو گاڑیاں ان کے قریب آکر رکیں اور ان میں سے برآمد ہونے والے افراد خالد جاوید علوی اور جانباز کارکنان پر ٹوٹ پڑے اور انہیں زبردستی اغوا کرکے مرکز طیبہ ننگل سلدان مریدکے میں واقع ٹارچر سیل لے گئے جہاں انہیں بدترین تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

اہلحدیث جانباز فورس کے ترجمان کے مطابق ماہ اکتوبر کے صراط مستقیم میں مولانا اختر محمدی کی جہاد پالیسی منظر عام پر آنے کے بعد اس پالیسی کو جس طرح علماء اہلحدیث اور عوام اہلحدیث میں زبردست پذیرائی حاصل ہوئی ہے اس سے مرکز الدعوۃ الارشاد بوکھلاہٹ کا شکار ہے کیونکہ ان کے پاس اپنی جہاد پالیسی کے دفاع کا کوئی مدلل اور مؤثر جواب نہیں ہے۔

اہلحدیث جانباز فورس کے ترجمان کے مطابق یہ بات بھی کوئی غیر معمولی نہیں کہ جب کسی کے پاس اپنے موقف کے دفاع کے لیے دلائل نہ ہوں تو پھر وہ تشدد کے ذریعے اپنی بات صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے چنانچہ مرکز الدعوۃ والارشاد بھی اس وقت اسی کیفیت کا شکار ہے کیوں کہ اہلحدیث

جانباز فورس کی جہاد پالیسی کے آئینے میں انہیں اپنے پلڑے میں سوائے وسائل اور توانائیوں کے ضیاع کے اور کچھ نظر نہیں آرہا۔

اہلحدیث جانباز فورس کے ترجمان کے مطابق خالد جاوید علوی کو عرصہ دراز سے قتل کی دھمکیاں دی جارہی تھیں۔ خالد جاوید علوی کا جرم یہ تھا کہ وہ مرکز الدعوۃ کے متعدد سرکردہ رہنماؤں کو مختلف موضوعات پر مباحثوں میں لاجواب کردیتے ہیں، دلائل کے میدان میں شکست کے بعد تشدد کا راستہ اپنایا گیا یہاں تک کہ انہیں واجب القتل قرار دیا گیا۔ چند ماہ پہلے مرکز الدعوۃ کے ہیڈکوارٹر میں خالد علوی کے ساتھ انتہائی نامناسب رویہ اپنایا اور انہیں زبردستی مرکز الدعوۃ سے باہر نکال دیا اور اب اغوا جیسی شرمناک حرکت کا ارتکاب کیا۔ (مبینہ طور پر تشدد کرنے والوں میں ابو نصر جاوید، شبیر احمد، ابو شعیب، عبدالرحمٰن نمایاں تھے) تشدد کے بعد زخمی حالت میں خالد جاوید علوی اور چار کارکنان کو جی ٹی روڈ پر چھوڑ دیا گیا۔ شدید زخمی حالت میں خالد علوی کو میو ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں داخل کردیا گیا۔

اہلحدیث جانباز فورس کے ترجمان کے مطابق مرکز الدعوۃ والارشاد کی جانب سے اغوا اور تشدد کی کارروائی کا ایک افسوسناک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ کارروائی مرکز الدعوۃ والارشاد کے امیر پروفیسر حافظ محمد سعید صاحب کی ہدایت پہ ہوئی۔ مرکز طیبہ میں موجود ایک اشال والے کے بقول حافظ سعید صاحب نے پندرہ بیس کارکنان کا قافلہ بذات خود روانہ کیا . . . "کہ انہیں ایک مرتبہ پکڑ کر یہاں لے آؤ۔"

مذمت

دریں اثناء جماعت اہلحدیث پاکستان کے سرپرست حافظ عبدالقادر

روپڑی نے اپنے اخباری بیان میں خالد جاوید علوی اور اہلحدیث جانباز فورس لاہور کے چار کارکنان کے اغوا اور تشدد کی شدید مذمت کی ہے اور اسے انتہائی شرمناک قرار دیا۔

علاوہ ازیں متحدہ جمعیت اہلحدیث پاکستان کے امیر حافظ یحییٰ عزیز میر محمدی صاحب جماعت اہلحدیث پاکستان کے امیر مولانا محمد حسین شیخوپوری، مرکزی جماعت اہلِ حدیث پاکستان کے امیر حافظ زبیر احمد ظہیر صاحب، جمعیت علماء اہلحدیث کے سربراہ قاضی عبدالقدیر خاموش صاحب، مرکزی جمعیت اہلحدیث کے پاکستان کے رہنما قاری عبدالحفیظ فیصل آبادی سمیت متعدد علماء اور اہم جماعتی شخصیات نے اغوا اور تشدد کی اس کارروائی کی شدید مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ جماعتی اختلافات میں تشدد کا رجحان پوری اہلحدیث جماعت کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

اتفاق سے اہلحدیث یوتھ فورس کے ایک کارکن کے ہاتھ میں موجود ماہنامہ "صراطِ مستقیم" اجتماع کے منتظمین کی نظر میں آ گیا۔ عینی شاہدین کے مطابق اجتماع کے منتظمین نے "صراطِ مستقیم" کا وہ شمارہ یوتھ فورس کے کارکن سے چھینا اور آیات واحادیث کی بے حرمتی کا خیال کیے بغیر اسے پرزہ پرزہ کر کے زمین پر پھینک دیا اور ساتھ ہی ساتھ فورس کے کارکن کی خاصی مرمت بھی کی گئی۔

ایک اور مصدقہ افسوس ناک رپورٹ یہ بھی ہے کہ مرکزی جمعیت اہلحدیث کے ناظم دفتر الدعوۃ کے تربیتی اجتماع میں "ہفت روزہ اہلحدیث" مفت تقسیم کر رہے تھے کہ الدعوۃ کے منتظمین نے نہ صرف ان سے وہ شمارے چھین لیے بلکہ انہیں زدوکوب بھی کیا۔

ماہنامہ صراطِ مستقیم، مرکز الدعوۃ والارشاد کے ذمہ داران کو انتہائی مخلصانہ مشورہ دیتا ہے کہ خدارا آپ اہلحدیث عوام اور اہلحدیث جماعتوں کے لیے اپنائی گئی اپنی پالیسی پر نظر ثانی کریں۔ ہر کسی کو اصولی اختلاف کا حق دیں۔ اپنی دعوت کی سچائی اور دلائل کے ذریعے لوگوں کے دل و دماغ کو مسخر کرنے کی جدوجہد کرنا ہر ایک کا حق ہے اسے استعمال کرنا چاہیئے لیکن تشدد کے ذریعے اہلحدیث جماعت یا اہلحدیث عوام پر تسلط قائم کرنے کی کوشش کرنا کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے۔

۱۸ ستمبر کو لاہور میں ممتاز عالم دین قاری عبدالحفیظ فیصل آبادی پر قاتلانہ حملہ، جامع مسجد اہلحدیث کورٹ روڈ کراچی میں ایک اہلحدیث نوجوان کا تشدد کر کے قتل اور اب اہلحدیث جانباز فورس کے کارکنوں کے اغوا اور تشدد سے مرکز الدعوۃ اہلحدیثوں میں دہشت گردی کی علامت بن کر ابھر رہا ہے۔

ماہنامہ صراطِ مستقیم کو مرکز الدعوۃ والارشاد کے خلاف بہت سے خطوط اور تحریریں موصول ہوتی رہی ہیں جن میں سے بعض کے ساتھ اپنے موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لیے دستاویزی ثبوت بھی تھے لیکن تاحال قارئین جانتے ہیں کہ ایسی کوئی تحریر شائع نہیں کی گئی۔

(ماہنامہ صراطِ مستقیم (اہلحدیث) نومبر ۹۴ء کراچی)

رسالہ "اہلحدیث" بنام "دعوت وارشاد" مریدکے

مریدکے میں دعوت وارشاد کے ساتویں سالانہ اجتماع کے موقع پر جمعیت "اہلحدیث" کے ترجمان ہفت روزہ "اہلحدیث" لاہور نے لکھا ہے کہ اب جبکہ اجتماع کے نام پہ ایک اور موقع پیدا کیا گیا ہے جماعت میں انتشار کو مستحکم

کرنے کا ● اور موحدین کو کُفر و شرک بکنے کا ● جہاد کے نام پر اہلحدیث عوام کو ورغلانے کا اور کشمیری مجاہدین کے خلاف لڑانے کا ● صرف یہی نہیں بلکہ مدیر " الدعوۃ " امیر حمزہ (جن کے بیان شہید زندہ گھروں کو آجاتے ہیں) نے "عربستان سے نورستان تک" نامی کتاب میں شیخ جمیل الرحمٰن کے متعلق لکھا،

"سلفیت کے روپ میں سلفیت کا بھیانک دشمن"

سوال یہ ہے کہ حافظ میر محمدی صاحب سے وہ کیا "کفر بواح" ہوا ہے کہ حافظ سعید اینڈ کمپنی نے ان کی " شرعی امارت " چھوڑی ہے اور خود کو امیر لکھنے لگے ہیں۔ میر محمدی اب بھی امیر ہیں، پھر حضرت حافظ سعید بتلائیں گے کہ ایک امیر کے ہوتے ہوتے امیر بننے والے کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟ کیا امیر کے ہوتے ہوتے دوسرا امیر بننے والا امیر واجب القتل نہیں؟

(ہفت روزہ اہلحدیث ۲۱ ر اکتوبر ۹۴ء)

لمحۂ فکریہ

نام نہاد " الدعوۃ والارشاد کے مرکز طیبہ " (مریدکے) کے متعلق انہی کے ہم مسلک رسالہ " اہلحدیث " لاہور، "صراطِ مستقیم" کراچی کے انکشافات حکومت و برادرانِ وطن کے لیے لمحۂ فکریہ ہیں۔

سبب اندراج مندرجہ ذیل صفحات

ابھی آگے آنے والے صفحات کے یہاں اندراج کا سبب یہ بنا کہ جب خادم العلماء حق اہل سنت و جماعت مصنف غفرلہٗ اللہ تعالیٰ اسی کتاب کو دکھا کر اس پہ تقریظ لکھانے مناظر اہل سنت فاتح نجدیت حضرت علامہ مولانا ابومحمد محمد

عبد الرشید مہتمم دار العلوم غوثیہ رضویہ مظہر اسلام آف سمندری مدظلہ العالی کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اپنے تحریر شدہ مختلف موضوعات پر صفحات کو اس کتاب کے آخر میں لکھنے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ یہ اہل سنت کے افراد کے لیے نہایت مفید رہیں گے تو بندہ نے علامہ موصوف کے اس مشورہ کو حکم سمجھ کر جو صفحات اس کتاب کے موضوعات کے مطابق تھے انہیں یہاں الحاق کا فیصلہ کر لیا لہٰذا ملاحظہ ہوں۔

غیر اللہ سے امداد کا بیان

(از فیضان علامہ ابو محمد محمد عبد الرشید صاحب دام ظلہ)

دیوبندیوں وہابیوں نجدیوں کا اعلان

حاجت روا حاجت روا، ایک خدا ایک خدا اور یا اللہ مدد، باقی سب شرک و بدعت۔

یاد رہے نجدی وہابی دیوبندی انبیاء و اولیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) سے امداد کے تو منکر ہوئے کہ جن کی امداد در حقیقت رب تعالیٰ کی امداد ہے اور امریکہ و برطانیہ کے کافروں مشرکوں سے مدد طلب کی جو اصل میں "دون اللہ" ہیں اب بھی ان سے مدد لے رہے ہیں اور آئندہ بھی مدد لینے کا عزم رکھتے ہیں نیز انہوں نے اپنی گاڑیوں میں سٹکر لگائے ہوتے ہیں "صرف اور صرف یا اللہ مدد" ساتھ ہی تین چار مضبوط قسم کے باڈی گارڈز BODY GUARDS اور کافی مقدار میں اسلحہ گنیں رائفلیں کلاشنکوف وغیرہا رکھے ہوتے ہیں تاکہ مشکل وقت میں ان سے مدد لی جا سکے۔

مسلمانوں کے مددگار بہت ہیں

بعونہٖ تعالیٰ۔ (قرآنی آیات سے ثبوت)

(۱) اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ ۝
تمہارے دوست (مددگار) نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور ایمان والے کہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوتے ہیں (کنز الایمان) (پ۶ ع ۱۲)
اس آیت سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا مددگار ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے اس کا حبیب مختار (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور مومنین بھی مددگار ہیں ؎

مومن ہوں مومنوں پہ رؤف و رحیم ہو
سائل ہوں سائلوں کو خوشی لا نہر کی ہے
(حدائق بخشش)

بیٹھتے اٹھتے مدد کے واسطے
یا رسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا
(حدائق بخشش)

(۲) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (پ۲ ع ۳)
اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد چاہو بے شک اللہ صابروں کے

ساتھ ہے (کنزالایمان)

صبر اور نماز اللہ نہیں غیر اللہ ہیں' اللہ تعالیٰ ان سے مدد لینے کا حکم فرما رہا ہے۔ جن کے صدقے صبر اور نماز ملے کیا ان سے مدد لینا شرک ہے؟

(۳) وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص (پ ۶ ع ۵)

اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو (کنزالایمان)

اگر غیر خدا سے مدد لینا شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کی مدد کرنے کا ہرگز حکم نہ فرماتا کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک کی تعلیم نہیں دیتا۔

(۴) فَاَعِيْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ (پ ۱۶ ع ۲) تو میری مدد طاقت سے کرو (کنزالایمان)

حضرت ذوالقرنین (علی نبینا الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم) نے اپنی رعایا سے مدد مانگی۔ وہابیہ کے نزدیک تو وہ مشرک ہوئے (معاذ اللہ)۔

(۵) لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط (پ ۳ ع ۱۷) (کنزالایمان)

تو تم ضرور بہ ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔

اگر غیر خدا کی امداد شرک ہوتی تو اللہ تعالیٰ انبیاء ورسل سے کیوں فرماتا کہ جب سرور انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) تشریف لائے تو اس کی مدد کرنا۔

(۶) فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ج وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۰ (پ ۲۸ ع ۱۹)

تو بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے (مددگار ہیں) اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں (کنزالایمان)

(۷) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ

یُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ (پ ۲۶ ع ۵)

اے ایمان والو اگر تم دین خدا کی مدد کرو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔ (کنزالایمان)

پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی مدد شرک نہیں جب رب غنی ہو کر اپنے بندوں سے مدد مانگ رہا ہے تو بندہ مدد مانگنے سے کیسے بے پرواہ ہو سکتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کی مدد سے مراد اللہ تعالیٰ کے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور اس کے دین کی مدد ہے۔ رب کا مدد فرمانا مسلمانوں کو کامیابی دینا ہے۔

(۸) فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ہ (پ ۱۴ ع ۱)

تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔ (کنزالایمان)

پتہ چلا علم والے بھی مددگار ہیں۔

ف : اس سے تقلید کا وجوب ثابت ہوا کیونکہ جو چیز معلوم نہ ہو وہ جاننے والے سے پوچھنا لازم ہے لہٰذا غیر مجتہد کو اجتہادی مسائل مجتہدین سے پوچھنا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ انہیں خود اجتہاد کرنا حرام ہے۔ (نورالعرفان)

حضور نبی کریم (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) رؤف رحیم دافع بلا حاجت روا ہیں۔ (قرآنی آیات)

(۱) وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ط (پ ۹ ع ۱۸)

ف : اللہ تعالیٰ اپنے محبوب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے صدقے دنیا والوں سے عذاب کی بلا دفع فرما رہا ہے۔

اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جب تک اے محبوب (علیہ

الصلوٰۃ والسلام) تم ان میں تشریف فرما ہو۔ (کنزالایمان)

؎ نجدی اس نے تجھ کو مہلت دی کہ اس عالم میں ہے
کافر و مرتد پر بھی رحمت رسول اللہ کی (حدائق بخشش)

(۲) يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ (پ ۹ ع ۹)

ف: نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام بوجھ اور گلے کے پھندے اتار کر بلا دفع فرماتے ہیں۔

وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا۔ (کنزالایمان)

؎ حاکم حکیم داد و دوا دیں یہ کچھ نہ دیں
مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے (حدائق بخشش)

(۳) وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِن فَضْلِهِ ۚ (پ ۱۰ ع ۱۶)

اور انہیں کیا برا لگا (کفار و منافقین کو) یہی نہ کہ اللہ و رسول نے (مسلمانوں کی امداد کر کے انہیں) اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ (کنزالایمان)

(۴) أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ (پ ۲۲ ع ۲)

اللہ نے نعمت دی اور (اے نبی) تم نے اسے نعمت دی۔ (کنزالایمان)

؎ لا و رب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی (حدائق بخشش)

بے ایمانوں کا کوئی مددگار نہیں

(قرآنی آیات)

(۱) وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ (پ۳ ع ۵)

اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ (کنزالایمان)

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے دنیا و آخرت میں رب نے بہت مددگار مقرر فرمائے۔

(۲) وَمَا لَهُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝ (پ۱۰ ع ۱۴)

اور زمین میں نہ ان کا کوئی حمایتی ہوگا نہ مددگار۔ (کنزالایمان)

پتہ چلا بے یار و مددگار ہونا کفار و منافقین کے لیے ہے، مسلمانوں کے بہت مددگار ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے۔

(۳) وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا ۝ (پ۱۵ ع ۱۷)

اور جسے گمراہ کرے تو ہرگز اس کا کوئی حمایتی راہ دکھانے والا (مرشد) نہ پاؤ گے۔ (کنزالایمان)

معلوم ہوا گمراہ کا نہ کوئی مددگار ہے نہ کوئی مرشد و رہبر، مسلمانوں کے لیے دونوں ہیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ۔

تفسیر روح البیان میں ہے وَمَنْ لَّمْ یَكُنْ لَهٗ شَیْخٌ فَشَیْخُهُ الشَّیْطَانُ اور جس کا کوئی شیخ مرشد نہ ہو اس کا شیخ شیطان ہوتا ہے۔ (روح البیان ص ۲۲۴)

مشرکین کفار سے مدد طلب کرنا حرام ہے

آیت: یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

الْمُؤْمِنِیْنَ ٥ (پ۱ ع ۴)

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) اللہ تمہیں کافی ہے اور یہ جتنے مسلمان تمہارے پیرو ہوئے (یہ تمہیں کافی ہیں)۔ (کنز الایمان)

حدیث ۱: جب حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام) غزوہ بدر کو تشریف لے چلے تو ایک بہادر شخص نے دو مقامات پر ساتھ چلنے کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے فرمایا: فَارْجِعْ فَلَنْ نَّسْتَعِیْنَ بِمُشْرِكٍ (تو واپس چلا جا ہم ہرگز کسی مشرک سے مدد نہ چاہیں گے) دونوں مقامات پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی ارشاد فرمایا۔ تیسرے مقام پر پھر وہ شخص آیا اور اجازت مانگی آپؐ نے اس سے ایمان کے بارے میں وہی سوال فرمایا۔ اس نے عرض کی: ہاں۔ فرمایا: فَنَعَمْ إِذَنْ (ہاں اب چلو)۔ مسلم (مسائل رضویہ)

حدیث ۲: حضرت خبیب بن اضاف رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں اور میری قوم کے ایک شخص نے کسی غزوہ میں شرکت کے لیے اجازت مانگی آپ نے فرمایا: کیا تم دونوں مسلمان ہوئے؟ کہا نہیں۔ فرمایا: فَاِنَّا لَا نَسْتَعِیْنُ بِالْمُشْرِکِیْنَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ (تو ہم مشرکوں سے مشرکوں کے خلاف مدد نہیں لیتے نہ ہی آئندہ لیں گے) اس پر ہم دونوں مسلمان ہوئے اور آپؐ کے ہمراہ جہاد میں شریک ہوئے (طبرانی احمد)

نتیجہ: وہابیوں دیوبندیوں رافضیوں مرزائیوں اور دیگر گستاخوں سے مدد طلب کرنا حرام اور حضرات انبیاء و اولیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استعانت قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مطابق ہے۔ (بحمدہٖ تعالیٰ)

غلام عبدالرشید غفرلہ الحمید ۲۱ رمضان ۱۴۱۵ھ

مدرسہ غوثیہ رضویہ مظہر اسلام رجسٹرڈ سمندری فیصل آباد

غیر اللہ سے امداد کا اعلان ۲

(از فیضان علامہ ابو محمد محمد عبد الرشید صاحب دامت برکاتہم العالیہ)

وہابی بخدیوں کی بولی

تجھ سوا مانگے جو غیروں سے مدد
فی الحقیقت ہے وہی مشرک اشد

(تذکیر الاخوان، تقویۃ الایمان کا تتمہ اسمٰعیل دہلوی وہابی دیوبندی)

(احادیث مبارکہ)

(۱) مَنْ قَضٰی لِاَحَدٍ مِنْ اُمَّتِیْ حَاجَۃً یُرِیْدُ اَنْ یَّسُرَّہٗ بِھَا فَقَدْ سَرَّنِیْ وَمَنْ سَرَّنِیْ فَقَدْ سَرَّ اللّٰہَ وَمَنْ سَرَّ اللّٰہَ اَدْخَلَہُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ (مشکوٰۃ ۴۲۵)

جس (مسلمان) نے میرے کسی امتی کی (جائز) حاجت کو پورا کیا اور وہ اس مسلمان کی حاجت پوری کر کے اس کو خوش کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو یقیناً اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (مشکوٰۃ)

نہ کیوں کر کہوں یا حبیبی اغثنی
اسی نام سے ہر مصیبت ٹلی ہے (حدائق بخشش)

(۲) اَللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَادَامَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ الْمُسْلِمِ۔ (کنوز الحقائق ص ۱۴۹)

اللہ تعالیٰ بندے کی امداد فرماتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے مسلمان

بھائی کی امداد کرتا ہے۔

(۳) مَنْ اَغَاثَ مَلْهُوفًا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ ثَلَاثًا وَّسَبْعِيْنَ مَغْفِرَةً وَاحِدَةٌ فِيْهَا صَلَاحُ اَمْرِهٖ كُلِّهٖ وَثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ لَهٗ دَرَجَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (الجامع الصغیر ۱۶۲/۲)

جس نے غمگین فریادی کی امداد کی (اس کا غوث مددگار بنا) اللہ تعالیٰ اس کے لیے ۷۳ بخششیں لکھ دے گا ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے تمام کام سنور جائیں گے اور ۷۲ مغفرتیں قیامت والے دن اسے درجات کی صورت میں ملیں گی ۔

نارِ دوزخ سے بچائے گا سہارا غوث کا
لے چلے خلد میں ادنیٰ اشارہ غوث کا

(۴) اَنَا غِيَاثٌ لِمَنْ اَكْثَرَ الصَّلَاةَ عَلَيَّ (تنبیہ الغافلین)

سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: میں بہت زیادہ مدد کرنے والا ہوں اس شخص کی جو مجھ پر زیادہ درود شریف پڑھے۔

(۵) اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى عِبَادًا اِخْتَصَّهُمْ بِحَوَائِجِ النَّاسِ يَفْزَعُ النَّاسُ اِلَيْهِمْ فِيْ حَوَائِجِهِمْ اُولٰئِكَ الْاٰمِنُوْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ (الجامع الصغیر ص ۹۲/۱)

بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو لوگوں کی حاجت روائی کے لیے خاص (مقرر) کیا ہے لوگ اپنی حاجتیں پوری کرنے کے لیے بیقرار ہو کر ان کی طرف جاتے ہیں یہ (حاجت روا بندے) اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچے (اس میں) ہوتے ہیں۔

(۶) اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا صَيَّرَ حَوَائِجَ النَّاسِ اِلَيْهِ

(الجامع الصغیر ص۱۹)
جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو لوگوں کی حاجتوں کو اس کی طرف پھیر دیتا ہے۔ (اسے لوگوں کا حاجت روا بنا دیتا ہے)۔

(۷) مَنْ یَکُنْ فِیْ حَاجَتِ اَخِیْہِ یَکُنِ اللّٰہُ فِیْ حَاجَتِہٖ۔
(الجامع الصغیر ص۱۸۲)
جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی (جائز) حاجت پوری کرنے میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس حاجت روائی کرنے والے کی حاجت پوری فرماتا ہے۔

(۸) مَنْ قَضٰی لِاَخِیْہِ الْمُسْلِمِ حَاجَۃً کَانَ لَہٗ مِنَ الْاَجْرِ کَمَنْ حَجَّ وَاعْتَمَرَ (الجامع الصغیر ص۱۶۹)
جس مسلمان نے کسی مسلمان بھائی کی جائز حاجت پوری کی (گویا اس نے حج اور عمرہ کیا) اسے حج اور عمرے کا ثواب ملے گا۔

جو مقصد زیارت کا بر آئے پھر تو
نہ کچھ قصد کیجیے یہ قصد دل ہے

(۹) نِعْمَ الْعَوْنُ عَلَی الدِّیْنِ طَلَبُ الْعِلْمِ (کنوز الحقائق ص۱۳۰)
بہترین دین کی امداد یہ ہے کہ علم دین حاصل کیا جائے۔

(۱۰) مَنْ بَکَّرَ یَوْمَ السَّبْتِ فِیْ طَلَبِ حَاجَۃٍ فَاَنَا ضَامِنٌ لِقَضَائِھَا۔ (کنوز الحقائق ص۹۹)
جس نے ہفتے کے دن صبح جائز حاجت طلب کی (نبی مختار علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں) تو اس حاجت کے پورا کرنے کا میں ذمہ دار ہوں۔

؎ آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا (حدائق بخشش)

(۱۱۱) مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ (اصرفی سندہ)
(کنوز الحقائق ص۱۱۷ ج۲)

جس کا میں مددگار ہوں اس کے علیؓ مددگار ہیں (اللّٰھم صلّ وسلّم وبارک علیہ والحمد للّٰہ رب العٰلمین)

؎ حاکم حکیم داد و دوا دیں یہ کچھ نہ دیں
مردود یہ مُراد کس آیت خبر کی ہے

(۱۱۲) رَحِمَ اللّٰهُ وَالِدًا اَعَانَ وَلَدَهٗ عَلٰى بِرِّهٖ (کنوز الحقائق ص۱۳۷ ج۱)
اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ایسے (ماں) باپ پر جو اپنی اولاد کی امداد کریں اس کے نیک کام پر۔

(۱۱۳) وَاِنْ اَرَادَ عَوْنًا فَلْيَقُلْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِيْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِيْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِيْ (حصن حصین ص۲۰۲)
اور جب مدد لینا چاہے تو کہے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو! (تین بار)

(۱۱۴) قَلْبٌ شَاكِرٌ وَلِسَانٌ ذَاكِرٌ وَزَوْجَةٌ صَالِحَةٌ تُعِيْنُكَ عَلٰى اَمْرِ دُنْيَاكَ وَدِيْنِكَ خَيْرُ مَا اكْتَنَزَ النَّاسُ (الجامع الصغیر ص۸۶ ج۲)

دل شکر کرنے والا اور زبان ذکر کرنے والی اور نیک بیوی جو تیری دنیا و آخرت کے نیک کاموں میں امداد کرتی رہے (یہ تین چیزیں) لوگوں کے خزانہ جمع کرنے سے بہتر ہیں۔ ا بیوی امداد کر سکتی ہے تو کیا حبیب خدا (علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم) کونین کے بادشاہ امداد نہیں کر سکتے؟

(۱۵) مَنْ اَعَانَ ظَالِماً سَلَّطَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ (الجامع الصغیر ص۱۶۴)
جس نے ظالم کی امداد کی اللہ تعالیٰ اسی ظالم کو اس امداد کرنے والے پر (مسلط) غالب کر دے گا۔
(۱۶) لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ رَأَى مَظْلُوماً فَلَمْ يَنْصُرْهُ۔
(کنوز الحقائق ص۲۶)
اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس پر جس نے مظلوم کو دیکھا اور اس کی امداد نہ کی۔

اللہ تعالیٰ کے بعض بندے دافع بلا کا سبب ہیں

(۱۷) اَهْلُ بَيْتِيْ اَمَانٌ لِاُمَّتِيْ فَاِذَا ذَهَبَ اَهْلُ بَيْتِيْ اَتَاهُمْ مَا يُوْعَدُوْنَ (حاکم)
میرے اہلِ بیت میری امت کے لیے امان ہیں جب اہلِ بیت نہ رہیں گے اُمت پر وہ آئے گا جو اُن سے وعدہ ہے۔
(۱۸) حدیثِ قدسی:
قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنِّيْ لَاَهُمُّ بِاَهْلِ الْاَرْضِ عَذَابًا فَاِذَا نَظَرْتُ اِلٰى عُمَّارِ بُيُوْتِيْ وَالْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ صَرَفْتُ عَذَابِيْ عَنْهُمْ (بیہقی) الامن والعلیٰ از علیٰ حضرت قدس سرہٗ۔
رب العزت جل و علیٰ فرماتا ہے میں زمین والوں پر عذاب اتارنا چاہتا ہوں جب میرے گھر آباد کرنے والے اور میرے لیے باہم محبت کرنے والے اور پچھلی رات کو استغفار کرنے والے دیکھتا ہوں اپنا عذاب ان سے پھیر دیتا ہوں۔

(۱۹) لَوْلَا عِبَادُ اللّٰهِ رُكَّعٌ وَصِبْيَةٌ رُضَّعٌ وَبَهَائِمُ رُتَّعٌ تُصَبُّ عَلَيْكُمُ الْعَذَابُ صَبًّا ثُمَّ رُصَّ رَصًّا (طبرانی)
اگر اللہ تعالیٰ کے نمازی بندے نہ ہوتے اور دودھ پیتے بچے اور گھاس چرتے چوپائے نہ ہوتے تو بے شک عذاب تم پر سختی کے ساتھ ڈالا جاتا، پھر مضبوط و محکم کر دیا جاتا۔ (الامن والعلی)

(۲۰) هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ (بخاری)
تمہارے ضعیفوں کے وسیلے سے ہی تمہاری امداد کی جاتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔

(غلام عبد الرشید غفر لہ الحمید، ۲۲ رمضان ۱۴۱۵ھ پنجشنبہ)
مدرسہ غوثیہ رضویہ مظہر اسلام رجسٹرڈ سمندری ضلع فیصل آباد۔

ایصالِ ثواب اور فاتحہ کا ثبوت

(از فیضان نائب محدث اعظم علامہ ابو محمد محمد عبد الرشید مدظلہ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔
ترجمہ: اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔ (کنز الایمان پ ۲۸ ع)
حدیث شریف میں ہے اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ (ابو داؤد) (دعا عبادت ہے) اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (کنز الاعمال) (دعا عبادت کا مغز ہے) جب ثابت ہو گیا کہ دعا عبادت بلکہ عبادت کا مغز ہے تو معلوم ہوا

کہ زندوں کی عبادت یعنی دعا سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

یہ آیت ایصال ثواب کی دلیل ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ فرشتے جو عرش کو اٹھانے والے ہیں اور اس کے اردگرد ہیں وہ ہماری تسبیح تمہید کے ساتھ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (پ۲۴ ع ۷) اور مسلمانوں کی بخشش (مغفرت مانگتے ہیں۔ (کنزالایمان)

ثابت ہوا کہ فرشتوں کی عبادت یعنی دعائے بخشش کا فائدہ مسلمانوں کو پہنچتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتوں کا عقیدہ اہلِ سنت وجماعت بریلوی عقیدہ کے موافق ہے کہ وہ ایصال ثواب کے قائل ہیں۔

احادیث مبارکہ

(۱) وَفِی الْحَدِیْثِ یَا اَصْحَابِیْ لَا تَنْسُوْا اَمْوَاتَکُمْ فِیْ قُبُوْرِهِمْ خَاصَّةً فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَاِنَّ اَرْوَاحَهُمْ یَاْتُوْنَ بُیُوْتَهُمْ، فَیُنَادِیْ کُلُّ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اَلْفَ مَرَّةٍ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ اِعْطِفُوْا عَلَیْنَا بِدِرْهَمٍ اَوْ بِرَغِیْفٍ اَوْ بِکِسْرَةِ خُبْزٍ اَوْ بِدَعْوَةٍ اَوْ بِقِرَاءَةِ اٰیَةٍ اَوْ بِکِسْوَةٍ کَسَاکُمُ اللّٰهُ مِنْ لِبَاسِ الْجَنَّةِ۔ (روح البیان ج ۴ ص ۲۶۲)

اور حدیث میں ہے حضور سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں، اے میرے اصحاب (اے میرے امتیو) اپنے مردوں کو اپنی قبروں میں بھلا نہ دینا۔ خصوصاً رمضان شریف میں، اس لیے کہ یقیناً ان کی روحیں اپنے اپنے گھروں میں ہمیشہ آتی رہتی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک روح اپنے گھر والوں کے مردوں عورتوں کو ہزار مرتبہ پکارتی ہے کہ ہم پر مہربانی کرو ایک درہم دے کر

(اس کا ثواب پہنچا کر) یا ایک روٹی کا ثواب پہنچا کر ہم پر رحم کرو، یا روٹی کا ایک لقمہ دے کر یا دعا کر کے ہم پر مہربانی کرو یا ایک آیت پڑھ کر اس کا ثواب پہنچا کر) یا ایک کپڑا دے کر، تمہیں اللہ تعالیٰ جنت کا لباس پہنائے۔ سنی مُردوں کو ختم پڑھ کر ہمیشہ ثواب پہنچانا سنت ہوا۔ ان کی روحیں بھی اپنے گھروں میں آتی ہیں۔

(۲) مَنْ لَقَّمَ اَخَاهُ لُقْمَةً حُلْوَةً صَرَفَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرَارَةَ الْمَوْقِفِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (ایضاً) روح البیان صفحہ ۳۹۹

جس نے اپنے مسلمان بھائی کو ایک میٹھا لقمہ کھلایا تو اللہ تعالیٰ اس کھلانے والے سے قیامت کی تکلیف دور کر دے گا۔

(۳) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ علیک الصلوٰۃ والسلام میری والدہ کا انتقال ہو گیا۔

فَاَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ الْمَاءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ۔ (ابوداؤد) تو کون سا صدقہ افضل ہے (جو ماں کے لیے کروں) فرمایا پانی۔ تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کنواں کھدوا دیا اور کہا کہ یہ سعد کی ماں کے لیے ہے۔ صحابی نے کنواں لگا دیا ہم ایصال ثواب کی خاطر تھوڑا سا پانی رکھ لیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ صدقہ و خیرات و نیاز پر جسے ایصال ثواب کرنا ہو تو اس کا نام لیا جائے تو اس چیز کا کھانا پینا حرام نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "یہ کنواں سعد کی ماں کے لیے ہے"

؎ روشن کر قبر بے کسوں کی اے شمع جمالِ مصطفائی
اللہ نہ چھوٹے دستِ دل سے دامانِ خیالِ مصطفائی (حدائق بخشش)

سہ نہ ہو مایوس آتی ہے صدا گورِ غریباں سے
نبی اُمت کا حامی ہے خدا بندوں کا والی ہے (حدائقِ بخشش)

(۴) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھا ذبح کر کے یہ پڑھا:
اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاُمَّۃِ مُحَمَّدٍ

(علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) (مسلم ابوداؤد)

"اے اللہ تعالیٰ اس کو میری اور میری آل کی طرف سے اور میری اُمت کی طرف سے قبول فرما" جس کو ثواب پہنچانا ہے اس کا نام لینا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے سہ

مرقد میں بندوں کو تھپک کر
میٹھی نیند سلاتے ہیں یہ (حدائقِ بخشش)

تیری دوزخ سے تو کچھ چھینا نہیں
خُلد میں پہنچا رضا پھر تجھ کو کیا

(۵) مَنْ قَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ. فَكَأَنَّمَا قَرَأَ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ ۔ الجامع الصغیر (حص) جس نے قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ (پورا) ایک بار پڑھا گویا اس نے ایک تہائی قرآن پڑھ لیا۔ ہر ختم پر کم از کم تین مرتبہ قل ہو اللہ احد (پورا) پڑھا جاتا ہے جس سے پورے ختم قرآن کا ثواب ملتا ہے۔ (الجامع الصغیر)

(۶) إِذَا خَتَمَ الْعَبْدُ الْقُرْاٰنَ صَلّٰى عَلَيْهِ عِنْدَ خَتْمِهٖ سِتُّوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ ۔ (حص) جب بندہ قرآن ختم کرے تو اس کے ختم قرآن کے وقت ساٹھ ہزار فرشتے اس کی بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ (الجامع الصغیر)

(۷) عِنْدَ كُلِّ خَتْمَةٍ دَعْوَةٌ مُّسْتَجَابَةٌ ۔ (کج) کنوز الحقائق۔

(۸) مَنْ مَرَّ عَلَى الْمَقَابِرِ وَقَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اِحْدٰى عَشَرَةَ مَرَّةً ثُمَّ وَهَبَ اَجْرَهٗ لِلْاَمْوَاتِ اُعْطِيَ مِنَ الْاَجْرِ بِعَدَدِ الْاَمْوَاتِ ۔ (دار قطنی۔ درمختار)

جو شخص قبروں پر گزرا اور اس نے سورۂ اخلاص (قل ہو اللہ احد پوری سورت) کو گیارہ مرتبہ پڑھا پھر اس کا ثواب مُردوں کو بخشا تو اس کو مُردوں کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا۔ (شرح الصدور ص۱۳۰)

(۹) مَنْ دَخَلَ الْمَقَابِرَ ثُمَّ قَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ قَدْ جَعَلْتُ ثَوَابَ مَا قَرَأْتُ مِنْ كَلَامِكَ لِاَهْلِ الْمَقَابِرِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كَانُوْا شُفَعَاءُ لَهٗ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى ۔ (شرح الصدور ص۱۳۰)

جو شخص قبرستان جائے پھر سورۂ فاتحہ اور قل ہو اللہ احد اور الہاکم التکاثر پڑھ کر کہے، عرض کرے اے اللہ! جو کچھ میں نے تیرے کلام سے پڑھا ہے اس کا ثواب میں نے ان قبروں والے مومنین اور مومنات کو بخشا تو وہ قبروں والے تمام مومنین و مومنات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے لیے شفیع بنتے ہیں (سفارش کر کے جنت میں لے جاتے ہیں)

اسمٰعیل دہلوی دیوبندی وہابی نے تقویۃ الایمان میں نبی کریم رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو شفیع وجیہہ ماننے والے کو مشرک کہا۔ یہاں سارے قبروں والے شفیع بن رہے ہیں۔

(۱۰) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ اَهْلِ مَيِّتٍ يَمُوْتُ مِنْهُمْ مَيِّتٌ فَيَتَصَدَّقُوْنَ عَنْهُ بَعْدَ مَوْتِهٖ اِلَّا اَهْدَاهَا لَهٗ جِبْرِيْلُ عَلٰى طَبَقٍ مِنْ نُوْرٍ ثُمَّ يَقِفُ عَلٰى شَفِيْرِ الْقَبْرِ فَيَقُوْلُ يَا صَاحِبَ الْقَبْرِ الْعَمِيْقِ هٰذِهٖ هَدِيَّةٌ اَهْدَاهَا اِلَيْكَ اَهْلُكَ فَاَقْبِلْهَا فَتَدْخُلُ عَلَيْهِ فَيَفْرَحُ بِهَا وَيَسْتَبْشِرُ وَيَحْزَنُ جِيْرَانُهُ الَّذِيْنَ لَمْ يُهْدٰى اِلَيْهِمْ شَيْئٌ

(شرح الصدور ص۱۲۹)

جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کے مرجانے کے بعد اس کے گھر والے اس کے لیے صدقہ و خیرات کرتے رہتے ہیں (تیجہ ساتا چالیسواں سالانہ ختم دلاتے رہتے ہیں) تو جبریل امین اس صدقہ و خیرات کو ایک نورانی طبق میں رکھ کر مرنے والے کی قبر پر جا کر کہتے ہیں، اے گہری قبر والے یہ ہدیہ و تحفہ تیرے گھر والوں نے تجھے بھیجا تو اس کو قبول کر۔ تو وہ ہدیہ قبر والے کے جسم پر داخل ہو جاتا ہے تو وہ قبر والا اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے (دل سے بھی خوش ہوتا ہے اور اوپر سے بھی) اور اس قبر والے کے ہمسائے جن کی طرف اُن کے گھر والوں (ایصال ثواب کے منکروں) کی طرف سے کوئی ہدیہ نہیں پہنچا، غمگین و افسردہ ہوتے ہیں۔

(۱۱) مَا الْمَيِّتُ فِى الْقَبْرِ اِلَّا كَالْغَرِيْقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِيْقٍ فَاِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيُدْخِلُ اِلٰى اَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدِيَّةَ الْاَحْيَاءِ اِلَى الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ (مشکوۃ ص۲۰۶)

مُردہ کی حالت قبر میں ڈوبتے ہوئے فریاد کرنے والے کی طرح ہوتی ہے وہ ہمیشہ دُعا کا منتظر رہتا ہے کہ اس کے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے اس کو دُعا پہنچے اور جب اس کو کسی کی دُعا پہنچتی ہے تو وہ دُعا کا پہنچنا اس کو دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اہلِ زمین کی دُعا سے اہلِ قبور کو پہاڑوں کی مثل اجر و ثواب رحمت عطا کرتا ہے اور بے شک زندوں کا تحفہ مُردوں کی طرف یہی ہے کہ ان کے لیے بخشش کی دُعا مانگی جائے۔

(مدرسہ غوثیہ رضویہ مظہر السلام سمندری)

غلام عبدالرشید غفرلہٗ ۱۱/۲/۱۴۱۵ھ

ایصالِ ثواب اور گیارہویں شریف

وغیرہا کا ثبوت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ (پ ۸ ع ۱)

ترجمہ: تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو۔ (کنز الایمان)

مختصر تشریح: اس آیت میں نزول خاص ہے کہ جس جانور کے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا اسے کھاؤ وہ حلال ہے بشرطیکہ ذبح کرنے والا مسلمان یا اہلِ کتاب ہو لیکن حکم عام ہے یعنی جس چیز پر بھی اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے (بشرطیکہ شرع کے مطابق ہو) اسے کھانا جائز ہے لہٰذا تیجہ، ساتا،

دسواں، گیارہویں شریف، بارہویں شریف، شب برات، چالیسویں کا ختم وغیرہا کے کھانے جائز ہوتے کیونکہ ان کھانوں پر قرآن شریف درود شریف اور ذکر و اذکار پڑھے جاتے ہیں۔ جن چیزوں پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے وہ کھانا حلال و جائز ہیں اور جو انہیں حرام سمجھے وہ شریعت پر زیادتی کرتا ہے۔

حدیث شریف

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ (مسلم۔ مشکوٰۃ ۳۲)

جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے مگر تین عمل (مرنے کے بعد بھی ان کا ثواب پہنچتا رہتا ہے) صدقہ جاریہ اور علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور نیک اولاد جو اس کے لیے ہمیشہ دعا کرتی رہے۔

پتہ چلا کہ (مسلمان) میت کے لیے دعا کرنا (مسلمان کا) اسے میت کو ہمیشہ نفع دیتا ہے۔

حدیث شریف

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سید عالم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے دریافت کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَتَصَدَّقُ عَنْ مَوْتَانَا وَنَحُجُّ عَنْهُمْ وَنَدْعُوْ لَهُمْ فَهَلْ يَصِلُ ذٰلِكَ اِلَيْهِمْ ؟

اے اللہ کے رسول (علیک الصلوٰۃ والسلام) ہم اپنے مُردوں کے واسطے صدقہ دیتے رہتے ہیں (تیجہ، ساتا، دسواں چالیسواں وغیرہ) ان کے لیے حج کرتے ہیں ہم ان کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں، کیا یہ انہیں پہنچتا ہے؟
فَقَالَ نَعَمْ اِنَّہٗ لَیَصِلُ وَیَفْرَحُوْنَ بِہٖ کَمَا یَفْرَحُ اَحَدُکُمْ بِالطَّبَقِ اِذَا اُھْدِیَ اِلَیْہِ۔
رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ہاں بے شک ضرور پہنچتا ہے اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جیسا کہ تم میں سے کوئی ایک طبق (ٹرے) (سینی جس میں کھانے وغیرہ ہوں) پر خوش ہو جبکہ اس کو ہدیہ کیا جائے۔
(ابو حفص۔ مراقی الفلاح ص۲۷۶ شرح نور الایضاح)

کھانے پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا سنتِ رسول ﷺ ہے

حدیث شریف میں ہے: ثُمَّ رَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدَیْہِ وَھُوَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَاتَکَ وَرَحْمَتَکَ عَلٰی سَعْدِ بْنِ عُبَادَۃَ قَالَ ثُمَّ اَصَابَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الطَّعَامِ (ابو داؤد)
یعنی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا فرمائی اس کے بعد کھانا تناول فرمایا۔

دعا یہ فرمائی: (اے اللہ تعالیٰ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو برکت اور رحمت عطا فرما)۔

کھانا سامنے رکھ کر اس پر کلام پڑھنا

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی پاک

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اَيْنَ اَنْتَ مِنْ اٰيَةِ الْكُرْسِيِّ مَا تَلَيْتَ عَلٰى طَعَامٍ وَ لَا اِدَامٍ اِلَّا اَنْمَى اللّٰهُ بَرْكَةَ ذٰلِكَ الطَّعَامَ وَالْاِدَامَ۔

تو آیت الکرسی سے کہاں غافل رہا تو کھانے اور سالن پر آیت الکرسی پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کھانے اور سالن میں برکت بڑھا دے گا۔

(تفسیر در منثور صـ۳۲۳ (از علامہ جلال الدین السیوطی قدس سرہٗ)

میت کیلئے صدقہ و خیرات کرنا

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے عرض کی: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ يَنْفَعُهَا اَنْ اَتَصَدَّقَ عَنْهَا۔ اے اللہ کے رسول (علیک الصلوٰۃ والسلام) یہ کہ میں اس کیطرف سے صدقہ کردوں کیا اس کو نفع دے گا؟

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ آپ نے فرمایا، ہاں پہنچے گا! فَقَالَ حَائِطٌ كَذَا وَكَذَا صَدَقَةٌ عَنْهَا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تو پھر میرا فلاں باغ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔ (بخاری۔ نسائی)

ایسوں کو نعمت کھلاؤ دودھ کے شربت پلاؤ
ایسوں کو ایسی غذا تم پہ کروڑوں درود (حدائق بخشش)

پڑی ہے اندھے کو عادت کہ شوربے ہی سے کھائے
بٹیر ہاتھ نہ آئی تو زاغ لے کے چلے

سہ گھیرا اندھیریوں نے دہائی ہے چاند کی
تنہا ہوں کالی رات ہے منزل خطر کی ہے (حدائق بخشش)

ازفیضان نائب محدث اعظم
پاکستان علامہ ابو محمد محمد عبدالرشید صاحب دام ظلہٗ

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی نے پھلوں کا باغ ہی اپنی ماں کو ایصال ثواب کے لیے خیرات کر دیا۔ ہم ان کے غلام جب ختم دلواتے ہیں (تیجہ ساتا دسواں چالیسواں وغیرہ) تو کچھ پھل ہی رکھ لیتے ہیں۔ انھوں کا پانی کا کنواں کھدوا دیا تھا ہم تھوڑا سا پانی ہی رکھ لیتے ہیں۔ نیز حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باغ پر بھی فرمایا: صَدَقَةٌ عَنْهَا (یہ میری ماں کا صدقہ ہے) اور کنویں پر بھی فرمایا: هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ (یہ سعد کی ماں کا کنواں ہے)۔

وہابیو، دیو بندیو، نجدیو! تم کہتے ہو کہ جس چیز پر غیر خدا کا نام آ جائے وہ حرام ہو جاتی ہے تو تمہارے نزدیک تو باغ کے پھل اور کنویں کا پانی حرام ہی تھا نا! جسے کھانے پینے والے صحابہ و تابعین جیسے مقدس حضرات تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔

دن مقرر کرنا ثابت ہے

حسنات کے لیے دن مقرر کرنا صحابہ کرام کی سنت ہے (علیہم الرضوان)

وَعَنْ شَقِيْقٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ (رضی اللہ عنہ) يُذَكِّرُ النَّاسَ فِيْ كُلِّ خَمِيْسٍ (مشکوٰۃ ص۳۳)

حضرت شقیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعرات کو لوگوں کو وعظ کیا کرتے تھے۔

ختم کا ثواب مسلمان کو پہنچتا ہے

عاص بن وائل (جو کہ کافر تھا) نے وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کر دیئے جائیں تو اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کر دیئے پھر اس کے بیٹے عمرو نے چاہا کہ باقی پچاس اس کی طرف سے وہ آزاد کر دیں۔ بولے میں تو آزاد نہ کروں گا تا آنکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھ لوں۔ چنانچہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا یارسول اللہ علیک الصلوٰۃ والسلام میرے باپ نے وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کر دیئے جائیں اور ہشام نے اس کی طرف سے پچاس آزاد کر دیتے ہیں اور اس پر پچاس غلام باقی ہیں، تو اس کی طرف سے میں آزاد کر دوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّہٗ لَوْ کَانَ مُسْلِمًا فَاَعْتَقْتُمْ عَنْہُ اَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْہُ اَوْ حَجَجْتُمْ عَنْہُ بَلَغَہٗ ذٰلِکَ۔

اگر وہ مسلمان ہوتا پھر تم اس کی طرف سے آزاد کرتے یا اس کی طرف سے خیرات کرتے یا اس کی طرف سے حج کرتے، یہ سب کچھ اسے پہنچ جاتا۔
(ابوداؤد مشکوٰۃ ص۲۹۶)

معلوم ہوا کہ کافر کو کوئی صدقہ نفع و نجات نہیں دیتا۔ مُردہ کو کوئی دوا فائدہ نہیں پہنچاتی، کافر کو کوئی دُعا عذاب سے نہیں بچاتی اور یہ کہ مسلمان کو مالی اور بدنی ہر قسم کی عبادت کا ثواب پہنچتا ہے۔

وہابیوں دیوبندیوں کا اعتراض ۱

جس چیز پر غیر خدا کا نام آجائے وہ حرام ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ (جس چیز پر اللہ کے غیر کا نام لیا جائے وہ حرام ہے) لہٰذا تیجہ ساتا چالیسواں گیارہویں بارہویں کے ختم کا کھانا حرام ہے۔

الجواب

اُھِلَّ اِھْلَال سے ہے جس کا معنیٰ ہے آواز بلند کرنا۔ ذبح کے وقت آواز بلند کرنے کو بھی اہلال کہا جاتا ہے۔ آیت کے اس حصے کا مفہوم یہ ہے کہ "وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا اس کا کھانا حرام ہے" اگر اس سے محض غیر خدا کا نام لینا مراد لیا جائے (نسبت مراد لی جائے) تو دنیا میں کوئی شے بھی حلال نہیں رہے گی جیسے مسلمانوں کا ملک، سعید کا بکرا، حمید کا کرتہ، وہابی کا سر وغیرہا۔ جب گنگا کا پانی اور گائے جو مشرکین کی معبود ہے حرام نہ ہوئی تو صرف نسبت کیسے حرام کردے گی؟ وَلٰکِنَّ الْوَھَابِیَّۃَ لَا یَعْقِلُوْنَ۔

اعتراض ۲

شیعو! بائیس رجب کو تمہارا کونڈا ہوگا (کونڈا (پنجابی) بمعنی ہلاکت) کیونکہ تم اس تاریخ کو کونڈوں کا ختم دلاتے ہو!

الجواب

بخاری شریف کی حدیث ہے، کَانَ النَّبِیُّ یُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَ

العَسَل (رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حلوہ اور شہد ہمیشہ ہی پسند تھا) جس نے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسندیدہ چیز سے پیار کیا اس کی تو ہو گئی عید! اسے سو شہید کا درجہ ملا اور جس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسند کو ٹھکرایا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کر کے دوزخی بنا کونڈا اس کا ہوا۔ اور حدیث شریف میں ہے جو کسی مسلمان کا جائز طریقے سے دل خوش کرے خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ ذَالِکَ السُّرُوْرِ مَلَکاً (اس خوشی کا اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے) جو موت قبر حشر پل صراط ہر تکلیف سے بچا کر جنت میں داخل کرے گا (شرح الصدور صفحہ ۲۶)

حلوہ کھلا کر مسلمانوں کا دل خوش کرنے والی کی نجات کا سامان بن گیا۔ اس کی تو ہو گئی عید! اور جو خود بھی غمگین ہوا ساتھیوں کو بھی غمگین رکھا پاکیزہ طیب کھانوں کو حرام کہہ کر خدا و رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مخالف ہوا کونڈا اس کا ہوا۔ اگر مقرر کرنا شرک ہے تو مقرر تو تم نے بھی کیا۔ ہم نے حلوہ پکانے کے لیے مقرر کیا تم نے یہ دن حلوہ نہ پکانے کے لیے مقرر کیا۔ ہم نے حلوہ کھانے کھلانے اور خوشی منانے کے لیے مقرر کیا تم نے نہ کھانے نہ کھلانے اور جلنے کے لیے مقرر کیا! لہٰذا دیوبندیو وہابیو نجدیو بتاؤ پھر کونڈا تمہارا ہوا یا سنیوں کا؟

؎ قبر میں لہرائیں گے تا حشر چشمے نور کے
جلوہ فرما ہو گی جب طلعت رسول اللہ کی

(حدائق بخشش)

؎ گورے گورے پاؤں چمکا دو خدا کے واسطے
نور کا تڑکا ہو پیارے گور کی شب تار ہے

(مدرسہ غوثیہ رضویہ مظہر السلام رجسٹرڈ سمندری ضلع فیصل آباد)
غلام عبدالرشید غفرلہ المجید۔ ۲۰ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ سہ شنبہ۔

بعد دفن میت کی قبر پر اذان کہنے کا ثبوت ا؎

(از فیضان صدر المدرسین فخر المفسرین علامہ ابو محمد محمد عبدالرشید دام ظلہ)

آیت ۱: فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ○ (پ۲ ع ۷)
ترجمہ: پھر تو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے۔ (کنز الایمان)
آیت ۲: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (پ۶ ع ۵)
ترجمہ: اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ (کنز الایمان)

احادیث مبارکہ سے ثبوت

حدیث میں ہے: اَللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ۔ (مسلم، ترمذی، ابوداؤد)
"اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہے جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں ہے۔"

بہ نسبت زندوں کے قبروں والے امداد کے زیادہ محتاج ہیں کیونکہ قبر کے اندر میت جو عذاب الٰہی میں غرق ہو يَنْتَظِرُ دَعْوَةً (ہمیشہ دعا کی منتظر رہتی ہے) اذان بھی دعا ہے کیونکہ ذکر اللہ ہے اور ہر ذکر دعا ہے بعض علماء

دین نے میت کو قبر میں اُتارتے وقت اذان کہنے کو سنت فرمایا۔ معتبر کتب میں ہے کہ قبر پر اذان کا جواز یقینی ہے۔ ہرگز شرع مطہر سے اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں اور جس امر سے شرع منع نہ فرمائے اصلاً ممنوع نہیں ہو سکتا۔

امام ترمذی رح نے نوادر الاصول میں امام اجل سفیان ثوریؒ سے روایت کیا ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور نکیرین سوالات پوچھنا شروع کر دیتے ہیں تو شیطان آکر قبر میں بھی بہکاتا ہے چنانچہ سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اِنَّ الْمَیِّتَ اِذَا سُئِلَ مَنْ رَّبُّکَ تَرَاءٰی لَهُ الشَّیْطَانُ فَیُشِیْرُ اِلٰی نَفْسِهٖ اَنِّیْ اَنَا رَبُّکَ فَلِھٰذَا وَرَدَ سُؤَالُ التَّثْبِیْتِ لَهٗ حِیْنَ یُسْئَلُ۔

جب مردے سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے ؟ شیطان اس پر ظاہر ہوتا ہے اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں اس لیے حکم آیا کہ میت کے لیے جواب میں ثابت قدم رہنے کی دعا کریں۔"

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام میت کو دفن کرتے وقت دعا فرماتے اَللّٰھُمَّ اَجِرْهُ مِنَ الشَّیْطَانِ (اے اللہ میت کو شیطان سے بچا) اگر شیطان کا قبر میں دخل نہ ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ دعا کیوں فرماتے۔ اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے۔ سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

اِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ اَدْبَرَ الشَّیْطَانُ وَلَهٗ حُصَاصٌ۔

(بخاری مسلم) "جب موذن اذان کہتا ہے شیطان پیٹھ پھیر کر زناں رہوا نکالتا ہوا

بھاگتا ہے"

نیز صحیح مسلم میں ہے کہ (اذان سے شیطان ۳۶ میل تک بھاگ جاتا ہے)
بعض علمائے حق نے فرمایا کہ قبر پر سات مرتبہ اذان پڑھو تاکہ شیطان ملک
چھوڑ کر بھاگ جائے۔ نیز خود حدیث میں حکم آیا کہ (جب شیطان کا کھٹکا
ہو فوراً اذان کہو کہ وہ دفع ہو جائے گا)

مشکوٰۃ شریف میں ہے جب سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن ہو
چکے اور قبر درست کردی گئی نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام دیر تک سبحان اللہ
سبحان اللہ فرماتے رہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ساتھ کہتے رہے
پھر حضورؐ اللہ اکبر اللہ اکبر فرماتے رہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کہتے رہے پھر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے
عرض کی یا رسول اللہ علیک الصلوٰۃ والسلام حضور تسبیح پھر تکبیر کیوں فرماتے
رہے۔ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ تَضَايَقَ عَلٰى هٰذَا الرَّجُلِ الصَّالِحِ قَبْرُهٗ حَتّٰى
فَرَّجَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ"۔ اس نیک مرد پر قبر تنگ ہوئی تھی یہاں تک
کہ اللہ تعالیٰ نے وہ تکلیف اس سے دور کی اور قبر کشادہ فرمادی۔

علامہ طیبی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: اَىْ مَازِلْتُ اُكَبِّرُ وَ
تُكَبِّرُوْنَ وَاُسَبِّحُ وَتُسَبِّحُوْنَ حَتّٰى فَرَّجَ اللّٰهُ۔ یعنی حدیث
کے معنی یہ ہیں کہ میں اور تم برابر سبحان اللہ اللہ اکبر کہتے رہے۔
یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس تنگی سے انہیں نجات بخشی (طبرانی بیہقی احمد)

نکیرین کرتے ہیں تعظیم میری
فدا ہو کے تجھ پہ یہ عزت ملی ہے (حدائق بخشش)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور سید عالم اور صحابہ کرام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام نے میت کی آسانی اور قبر کی کشادگی کے لیے سبحان اللہ اور اللہ اکبر بار بار پڑھا۔ اللہ اکبر اذان میں چھ بار ہے تو بعد دفن قبر پر پڑھنا عین سنت ہوا۔ حدیث متواتر میں ہے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (اپنے مُردوں کو لا الٰہ الا اللہ سکھاؤ) (مسلم۔ ابوداؤد) اب جو نزع میں ہے مجازاً مُردہ ہے اسے کلمہ اسلام سکھانے کی حاجت کہ بحول اللہ تعالیٰ خاتمہ اس کلمہ پر ہو اور شیطان لعین کے بہلاوے میں نہ آجاوے اور جو دفن ہو چکا حقیقتاً مردہ ہے اور اسے بھی کلمہ پاک سکھانے کی حاجت کہ بعون اللہ تعالیٰ جواب یاد ہو جاوے اور شیطان رجیم کے بہکاوے میں نہ آئے اور بے شک ان میں یہی کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تین جگہ موجود بلکہ اس کے تمام کلمے جواب نکیرین بتاتے ہیں ان کے سوال تین ہیں: مَنْ رَّبُّکَ (تیرا رب کون ہے) مَادِیْنُکَ (تیرا دین کیا ہے؟) مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ حَقِّ ھٰذَا الرَّجُلِ (تو اس مرد یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے کیا اعتقاد رکھتا تھا؟)

اب اذان کی ابتداء میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ اور آخر میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ سوال مَنْ رَّبُّکَ کا جواب سکھائیں گے۔ ان کے سننے سے یاد آجائے گا کہ میرا رب اللہ ہے۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ سوال مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ کا جواب تعلیم کریں گے کہ میں انہیں اللہ کا رسول جانتا تھا اور حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ جواب مَا

دِیْنُکَ کی طرف اشارہ کریں گے کہ میرا دین وہ تھا جس میں نماز رکن وستون ہے اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ تو بعد دفن اذان دینا عین ارشاد کی تعمیل ہے جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث صحیح متواتر میں مذکور فرمایا۔

ان حدیثوں سے جس طرح ثابت ہے عیاذاً باللہ شیطان رجیم کا دخل ہوتا ہے یونہی یہ بھی واضح ہوا کہ اس کے دفع کی تدبیر سنت ہے۔ حدیث سے واضح ہوا کہ اذان دفع شیطان کی ایک عمدہ تدبیر ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَطْفِئُوا الْحَرِیْقَ بِالتَّکْبِیْرِ۔ (ابو یعلی) (آگ کو تکبیر سے بجھاؤ)۔

نیز حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا رَاَیْتُمُ الْحَرِیْقَ فَکَبِّرُوْا فَاِنَّہٗ یُطْفِئُ النَّارَ۔ (ابن عدی۔ ابن عساکر) (جب آگ لگی دیکھو اللہ اکبر اللہ اکبر کی بکثرت تکرار کرو وہ آگ کو بجھا دیتا ہے)۔

مولانا علی قادری علیہ رحمۃ الباری اس حدیث کی شرح ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر کے پاس دیر تک اللہ اکبر اللہ اکبر فرماتے رہے۔ لکھتے ہیں کہ "اب یہ اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا غضب الٰہی بجھانے کو ہے لہٰذا آگ لگی دیکھ کر دیر تک تکبیر مستحب ٹھہری"۔

وسیلۃ النجات میں حیرت الفقہ سے منقول ہے "جب قبر کا عذاب آگ کا ہے تم قبر میں اس کو بجھانے کی طاقت نہیں رکھتے چاہیئے کہ اللہ اکبر اللہ اکبر پڑھا جائے تا کہ مُردے دوزخ کی آگ سے آزاد ہوں"۔

یہاں سے بھی ثابت ہے کہ قبرِ مسلم پر تکبیر کہنا فردِ سنت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب دفن میت سے فارغ ہوتے قبر پر وقوف فرماتے اور

ارشاد فرماتے: اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِیْکُمْ وَاسْئَلُوْا لَہٗ بِالتَّثْبِیْتِ فَاِنَّہُ الْاٰنَ یُسْئَلُ۔ (ابوداؤد حاکم) اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے جواب نکیرین میں ثابت قدم رہنے کی دعا مانگو کہ اب اس سے سوال ہوگا۔

جب مردہ دفن ہوکر قبر درست ہوجاتی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قبر پر کھڑے ہوکر دعا فرماتے، اَللّٰھُمَّ نَزَلَ بِکَ صَاحِبُنَا وَخَلَفَ الدُّنْیَا خَلْفَ ظَھْرِہٖ اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ عِنْدَ الْمَسْئَلَۃِ نُطْقَہٗ وَلَا تَبْتَلِہٖ فِیْ قَبْرِہٖ بِمَا لَا طَاقَۃَ لَہٗ بِہٖ۔ (رواہ سعید بن منصور فی سننہ ہکذا فی ایذان الاجر)

الٰہی ہمارا ساتھی تیرا مہمان ہوا اور دنیا اپنے پس پشت چھوڑ آیا۔ الٰہی سوال کے وقت اس کی زبان درست رکھ اور قبر میں اس پر وہ بلا نہ ڈال جس کی اسے طاقت نہ ہو۔

؎ قبر میں لہرائیں گے تا حشر چشمے نور کے
جلوہ فرما ہوگی جب طلعت رسول اللہ کی
(حدائق بخشش)

؎ کھڑے ہیں منکر نکیر سر پر نہ کوئی حامی نہ کوئی یاور
بتا دو آکر مرے پیمبر کہ سخت مشکل جواب میں ہے

(مدرسہ غوثیہ رضویہ مظہر الاسلام رجسٹرڈ سمندری)
غلام عبدالرشید غفرلہ الحمید ۲/۲/۱۴۱۵ ہجری

بعدِ دفنِ میّت قبر پر اذان کہنے کا ثبوت ۲

(از فیضان استاذ المدرسین نائب محدث اعظم علامہ ابو محمد محمد عبد الرشید)

آیت نمبر ۱ : یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا (پ ۲۲ ع ۳)

ترجمہ : اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کرو بکثرت ذکر کرنا۔ (کنز الایمان)

آیت نمبر ۲ : وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○ (پ ۳۰ ع ۱۹)

ترجمہ : اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔ (کنز الایمان)

اذان ذکرِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے اور ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باعثِ نزولِ رحمت۔ اوّلاً حضور کا ذکر عین ذکرِ خدا ہے۔ امام ابنِ عطا پھر امام قاضی عیاض وغیرہما ائمہ کرام وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں جَعَلْتُكَ ذِكْرًا مِّنْ ذِكْرِیْ فَمَنْ ذَكَرَكَ فَقَدْ ذَكَرَنِیْ میں نے تمہیں اپنی یاد میں سے ایک یاد کیا جو تمہارا ذکر کرے وہ میرا ذکر کرتا ہے اور ذکرِ الٰہی بلا شبہ رحمت اُترنے کا باعث۔

ثانیاً ہر محبوبِ خدا کا ذکر محلِ نزولِ رحمت امام سفیان بن عیینہ رح فرماتے ہیں عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِیْنَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ نیکوں کے ذکر کے وقت رحمت اُترتی ہے۔

ابو جعفر بن ہمدان نے ابو عمرو بن نجید سے اسے بیان کر کے فرمایا فَرَسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) رَأْسُ الصَّالِحِیْنَ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو سب صالحین کے سردار ہیں۔ پس بلا شبہ جہاں اذان ہو گی رحمتِ الٰہی اُترے گی اور بھائی مسلمانوں کے لیے وہ فعل جو باعث نزولِ رحمت ہو شرع کو پسند ہے نہ کہ ممنوع۔

احادیثِ مبارکہ

(۱) سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم صحیح حدیث میں ذکر کرنے والوں کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں: حَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ۔ عن ابی ہریرہ و ابی سعید رضی اللہ عنہما (مسلم ترمذی) انہیں ملائکہ گھیر لیتے ہیں اور رحمتِ الٰہی ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینہ اور چین اُترتا ہے۔

(۲) اَكْثِرُوْا ذِكْرَ اللّٰهِ حَتّٰى يَقُوْلُوْا مَجْنُوْنٌ۔ (احمد۔ حاکم) اللہ کا ذکر اس درجہ بکثرت کرو کہ لوگ مجنون بتائیں۔

(۳) اُذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ كُلِّ حَجَرٍ وَّشَجَرٍ (احمد طبرانی) ہر سنگ شجر کے پاس اللہ کا ذکر کر۔

تو ذکرِ الٰہی ہمیشہ ہر جگہ محبوب و مرغوب و مطلوب و مندوب ہے جس سے ہرگز ممانعت نہیں ہو سکتی جب تک کسی خصوصیت کے ساتھ نہی شرعی نہ آئی ہو۔ اور اذان بھی قطعاً ذکرِ خدا ہے۔ پھر خدا جانے کہ ذکرِ خدا سے ممانعت کی وجہ کیا ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ ہر سنگ و درخت کے پاس ذکرِ الٰہی کریں۔ قبرِ مومن کے پتھر کیا اس حکم سے خارج ہیں؟ خصوصاً بعد دفن ذکرِ خدا کرنا تو خود حدیثوں سے ثابت اور بتصریح ائمۂ دین مستحب ہے۔

(۴) مَا مِنْ شَيْءٍ اَنْجٰى مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (احمد، بیہقی) کوئی چیز ذکرِ خدا سے زیادہ عذابِ خدا سے نجات بخشنے والی نہیں۔

(۵) اِذَا اُذِّنَ فِيْ قَرْيَةٍ اٰمَنَهَا اللّٰهُ مِنْ عَذَابِهٖ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ۔ (طبرانی) عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

کسی بستی میں کوئی شخص اذان پڑھے اور وہ بستی زندوں کی ہو یا مُردوں کی تو اللہ تعالیٰ اس بستی کو اس دن عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

(۶) ثِنْتَانِ لَا تُرَدَّانِ الدُّعَاءُ عِنْدَ النِّدَاءِ وَعِنْدَ الْبَاسِ (ابوداؤد حاکم) دو دعائیں رد نہیں ہوتیں ایک[۱] اذان کے وقت اور ایک[۲] جہاد میں جب کفار سے لڑائی ہو رہی ہو۔

(۷) اِذَا نَادَی الْمُنَادِیْ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَاسْتُجِیْبَتْ الدُّعَاءُ۔ (حاکم، ابوداؤد) جب اذان دینے والا اذان دیتا ہے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دُعا قبول ہوتی ہے۔

لحد میں عشقِ رخِ شاہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

(حدائق بخشش)

رضا کا خاتمہ بالخیر ہوگا!
تیری رحمت اگر شامل ہے یا غوث رضی اللہ عنہ

ثابت ہوا کہ اذان اسباب اجابت دعا سے ہے اور یہاں دعا شارع جل وعلا کو مقصود تو اس کے اسباب اجابت کی تحصیل قطعاً محمود۔

(۸) يُغْفَرُ لِلْمُؤَذِّنِ مُنْتَهٰى اَذَانِهٖ وَيَسْتَغْفِرُ لَهٗ كُلُّ رَطْبٍ وَّيَابِسٍ سَمِعَهٗ۔ (احمد۔ طبرانی)

اذان کی آواز جہاں تک جاتی ہے موذن کے لیے اتنی ہی وسیع مغفرت آتی ہے اور جس تر و خشک چیز کو اس کی آواز پہنچتی ہے اذان دینے والے کے لیے استغفار کرتی ہے۔

پتہ چلا کہ اذان باعثِ مغفرت ہے اور بے شک مغفور کی دعا زیادہ قابلِ

قبول ہے اور خود حدیث میں وارد ہے کہ مغفوروں سے دعا منگوانی چاہیے۔

(۹) إِذَا لَقِيتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَكَ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بَيْتَهُ فَإِنَّهُ مَغْفُورٌ لَهُ۔ (احمد)

جب تو حاجی سے ملے اسے سلام کر اور اس سے مصافحہ کر اور قبل اس کے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو اس سے اپنے لیے استغفار کرا کہ وہ بخشا ہوا ہے (مغفور)۔

پس اگر اہلِ اسلام بعد دفن میت اپنے کسی بندہ صالح سے اذان کہلوائیں تاکہ بحکم احادیث صحیحہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی مغفرت ہو۔ پھر میت کے لیے دعا کرے کہ مغفور کی دعا میں زیادہ رجائے اقبولیت کی امید) اجابت ہو تو کیا گناہ ہوا؟ بلکہ عین مقاصد شرع کے مطابق ہوا۔

(۱۰) نَزَلَ آدَمُ بِالْهِنْدِ وَاسْتَوْحَشَ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَنَادَى بِالْأَذَانِ۔ (ابو نعیم۔ ابن عساکر)

جب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت سے ہند میں اترے انہیں گھبراہٹ ہوئی تو جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اتر کر اذان دی۔ پھر ہم اس غریب کی تسکین خاطر و دفع توحش کو اذان دیں تو کیا برا کریں۔

(۱۱) عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ رَآنِي النَّبِيُّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حَزِيْنًا فَقَالَ يَا ابْنَ أَبِي طَالِبٍ إِنِّي أَرَاكَ حَزِيْنًا فَمُرْ بَعْضَ أَهْلِكَ يُؤَذِّنُ فِي أُذُنِكَ فَإِنَّهُ دَرْءٌ لِلْهَمِّ۔

(مسند الفردوس) یعنی مجھے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غمگین دیکھا۔ ارشاد فرمایا: اے علی میں تجھے غمگین پاتا ہوں۔ اپنے کسی گھر

والے سے کہہ کر تیرے کان میں اذان کہے۔ اذان غم و پریشانی کی دافع ہے۔ مولا علی اور مولا علی تک جس قدر اس حدیث کے راوی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب نے فرمایا فَجَرَّبْتُہٗ، فَوَجَدْتُہٗ، کَذٰلِکَ۔ ہم نے اسے تجربہ کیا تو ایسا ہی پایا۔ (ابن حجر۔ مرقاۃ) اگر قبر میں میت کے غم اور پریشانی کو دور کرنے کے لیے اذان پڑھی جائے تو یہ عین سنت کے مطابق ہے۔

اذان میں انشاء اللہ الرحمٰن میت اور احیا کیلئے منافع

سات فائدے میت کے لیے:

۱۔ بحولہٖ تعالیٰ شیطان رجیم کے شر سے پناہ۔
۲۔ بدولت تکبیر عذاب نار سے امان۔
۳۔ جواب سوالات کا یاد آجانا۔
۴۔ ذکر اذان کے باعث عذاب قبر سے نجات پانا۔
۵۔ بہ برکت ذکر مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نزولِ رحمت۔
۶۔ بدولت اذان دفع وحشت۔
۷۔ زوالِ غم وحصولِ سرور و فرحت۔

پندرہ فائدے احیاء کے لیے

۷۔ تو یہی سات منافع اپنے بھائی مسلمان کو پہنچانا کہ ہر نفع رسانی جُدا حسنہ اور ہر حسنہ کم از کم دس نیکیاں۔ پھر نفع رسانی مسلم کی منفعتیں خدا ہی جانتا ہے۔

۸۔ میت کے لیے تدبیرِ دفعِ شیطان سے اتباع سنت۔
۹۔ تدبیر آسانی جواب سے اتباع سنت۔

۱۰۔ دعا عند القبر سے اتباعِ سنت۔

۱۱۔ بقصد نفع میت قبر کے پاس تکبیریں کہہ کر اتباع سنت۔

۱۲۔ مطلق ذکر کے فوائد ملنا جن سے قرآن و حدیث مالا مال۔

۱۳۔ ذکر مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سبب رحمتیں پانا۔

۱۴۔ مطلق دعا کے فضائل ہاتھ آنا جسے حدیث میں مغز عبادت فرمایا گیا۔

۱۵۔ مطلق اذان کے برکات ملنا جن میں منتہائے آواز تک مغفرت اور ہر تر و خشک کی استغفار و شہادت اور دلوں کو صبر و سکون و راحت ہے۔

اور لطف یہ کہ اذان میں اصل کلمے سات ہی ہیں۔ اللہ اکبر۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اشہد ان محمد رسول اللہ۔ حیّ علی الصلوٰۃ۔ حیّ علی الفلاح اللہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللہ۔ اور مکررات کو گنیے تو پندرہ ہوتے ہیں۔ میت کے لیے وہ سات اور احیا کے لیے پندرہ انہیں سات اور پندرہ کے برکات ہیں والحمدُ للہ رب العالمین۔

منکرین کا اعتراض

منکرین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اذان تو اعلام نماز کے لیے ہے یہاں کون سی نماز ہو گی جس کے لیے اذان کہی جاتی ہے؟

الجواب: یہ ان کی جہالت انہی کو زیب دیتی ہے وہ نہیں جانتے کہ اذان میں کیا کیا اغراض و منافع ہیں اور شرع مطہر نے نماز کے سوا کن مواضع میں اذان مستحب فرمائی ہے۔ دس جگہ اذان کہنا سنت ہے۔

(۱) نماز پنجگانہ کے لیے (۲) بچہ کے کان میں (۳) آگ لگنے کے وقت (۴)

جبکہ جنگ واقع ہو (۵) مسافر کے پیچھے (۶) جن کے ظاہر ہونے پر (۷) غصہ والے پر (۸) جو مسافر کہ راستہ بھول جائے (۹) مرگی والے کے لیے (در تار شامی) بچہ کے کان کی اذان کو نماز جنازہ کی اذان بتانا جیسی جہالت فاحشہ ہے خود ظاہر ہے۔ مگر اُن کا جواب ترکی بہ ترکی یہ ہے کہ یہ از جنازہ جس طرح صرف قیام سے ہوتی ہے جو ادنیٰ افعال نماز ہے۔ ایک نماز روز محشر صرف سجود سے ہوگی جو اعلیٰ افعال نماز ہے جس دن کشف ساق ہوگا اور مسلمان سجدے میں کریں گے منافق سجدہ نہ کرسکیں گے جس کا بیان سورۂ ق میں ہے۔ قبر پر اذان اس نماز کی اذان ہے۔

ہے کون کہ گریہ کرے یا فاتحہ کو آئے !!
بے کس کے اٹھائے تیری رحمت کے بھرن پھول
(حدائق بخشش)

(مدرسہ غوثیہ رضویہ مظہر اسلام سمندری)
غلام عبدالرشید غفرلہٗ ۵/۲/۵ ۱۴۱ھ

جنازہ کے بعد دُعا کا ثبوت

آیت ۱: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝ (پ۲۴ ع۱۱)

ترجمہ: اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ بے شک وہ جو میری عبادت سے اونچے کھنچتے ہیں (بعد جنازہ دعا کرنے سے تکبر کرتے ہیں) عنقریب جہنم میں جائیں گے ذلیل ہو کر۔ (کنز الایمان)

رب فرماتا ہے ہمیشہ دُعا کرو، وہابی دیو بندی نجدی کہتے ہیں جنازے

کے بعد دعا نہ کرو۔

آیت ۲: اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (پ۲ ع ۷)

ترجمہ: دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے (کنز الایمان)

آیتِ کریمہ میں اِذَا کا کلمہ ہے۔ صاف بتا دیا کہ دعا مانگنے کا کوئی وقت مقرر نہیں خواہ وہ جنازہ کی نماز کے بعد ہو یا کوئی اور وقت۔ حدیث شریف میں اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ (دعا عبادت ہے) تو جو اس عبادت (جنازہ کے بعد دعا کرنے سے) تکبر کرتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں جائیں گے۔

نجدی وہابی دیوبندی جنازے کے بعد دعا نہیں کرتے کہتے ہیں کہ جنازہ خود دعا ہے۔

الجواب: (حدیث شریف) اَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (مشکوٰۃ) افضل دعا الحمد شریف ہے تو تم نماز کے بعد دعا کیوں کرتے ہو؟ افضل دعا تو نماز میں مانگ لی۔

احادیثِ مبارکہ

(۱) اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ابو داؤد۔ جص) (الجامع الصغیر)

"جب تم (مسلمان) میت پر نماز جنازہ پڑھ چکو تو فوراً اس کے لیے خالص دعا کرو۔"

(۲) مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً فَرِيْضَةً فَلَهٗ دَعْوَةٌ مُّسْتَجَابَةٌ۔ (جص) (الجامع الصغیر) "جس نے فرض نماز پڑھی اس کے لیے دعا مقبول ہے۔"

نمازِ جنازہ فرض پڑھنے کے بعد جو دعا مانگی جائے انشاءاللہ تعالیٰ مقبول ہو گی۔

(۳) حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ (کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے) آپ نے فرمایا، جَوْفُ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ وَدُبُرُ الصَّلَوَاتِ الْمَکْتُوْبَاتِ (یعنی آدھی رات کے وقت اور فرض نمازوں کے بعد جو دعا کی جائے قبول ہوتی ہے)۔ نمازِ جنازہ بھی فرض ہے۔

نمازِ جنازہ فرض ہے اگرچہ کفایہ ہی لہٰذا اس کے بعد جو دعا کی جائے ضرور قبول ہو گی انشاءاللہ تعالیٰ۔

(۴) سَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُّسْاَلَ (مشکوٰۃ)
"اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو اس لیے کہ وہ سوال سے خوش ہوتا ہے" لہٰذا جو نمازِ جنازہ کے بعد دعا مانگے اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔

(۵) مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ تَعَالٰی یَغْضَبْ عَلَیْہِ۔ (مشکوٰۃ)
"جو اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرمائے گا" پتہ چلا کہ جو جنازے کے بعد دعا کر کے نہ مانگے رب کا غضب لے کر آئے گا۔

(۶) تَرْکُ الدُّعَاءِ مَعْصِیَۃٌ (کج۔ کنوز الحقائق) "دعا کو چھوڑنا گناہ کا کام ہے" لہٰذا بعد جنازہ دعا کو چھوڑنا بھی سخت گناہ ہے۔

خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا
جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (حدائق بخشش)

ڈر تھا کہ عصیاں کی سزا اب ہو گی یا روزِ جزا
دی ان کی رحمت نے صدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں (حدائق بخشش)

سہ سائلو دامن سخی کا تھام لو
کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جائے گا (حدائق بخشش)

(۷) اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ۔ (مشکوٰۃ۔ ترمذی)

"دعا کرنا، وہ عبادت ہے۔"

(۸) اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔ (مشکوٰۃ۔ ترمذی)

"دعا عبادت کا مغز ہے۔" لہٰذا جنازے کے بعد دعا کرنا عبادت اور جنازے کا مغز ہے۔

(۹) لَيْسَ شَيْءٌ اَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنَ الدُّعَاءِ (مشکوٰۃ)

"دربارِ رب میں دعا سے بڑھ کر عزت والی کوئی چیز نہیں۔"

سہ بے مانگے دینے والے کی نعمت میں غرق ہیں
مانگے سے جو ملے کسے فہم اس قدر کی ہے (حدائق بخشش)

(۱۰) اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ وَعِمَادُ الدِّيْنِ وَنُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کح۔ کنوز الحقائق)

"دعا مومن کا اسلحہ (ہتھیار) ہے اور دین کا ستون اور آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔"

(۱۱) اِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ بِالدُّعَاءِ۔ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (حبص)

بے شک دعا نفع دیتی ہے جو کچھ (تقدیر میں) اُترا اور جو کچھ ابھی نہیں اُترا۔ پس اے اللہ کے بندو تم پر دعا کرنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندے تو بعد جنازہ میت کے لیے دعا کرتے ہیں لیکن نفس و دیو کے بندے دعا نہیں کرتے بلکہ روکتے ہیں۔

(۱۲) اَكْثِرُ مِنَ الدُّعَاءِ يَرُدُّ الْقَضَاءَ الْمُبْرَمَ۔ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جص۔ الجامع الصغیر)

"دعا بکثرت مانگ کہ دعا پختہ تقدیر کو ٹال دیتی ہے۔"

نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے سے امید قوی ہے کہ اس مرنے والے کی بخشش ہو جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۱۳) اَلدُّعَاءُ يَرُدُّ الْبَلَاءَ۔ عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جص) "دعا بلا کو ٹال دیتی ہے۔"

(۱۴) اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اَنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْرًا۔ (ترمذی۔ ابوداؤد)

بے شک تمہارا رب بہت زیادہ حیا اور بخشش والا ہے بندے سے حیا فرماتا ہے جب وہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرے تو اس کے ہاتھ خالی موڑ دے۔ (کیونکہ اس کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امتی ہے)۔

(۱۵) حدیث قدسی میں ہے لَئِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ۔ (بخاری۔ مشکوٰۃ)

اگر میرا پیارا بندہ (جو نفلی عبادت کے ذریعے میرا قرب حاصل کر لیتا ہے) مجھ سے کچھ مانگے تو ضرور ضرور میں اس کا سوال پورا کروں گا اور اگر مجھ سے (عذاب قبر، دوزخ، تکالیف سے) پناہ مانگے تو میں ضرور ضرور اسے پناہ دوں گا (اسے محفوظ رکھوں گا) لہٰذا جنازے کے بعد بھی عذاب قبر، دوزخ سے بچنے کی دعا کرے تو محبوب بندوں کی دعا ضرور قبول ہو گی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے حضرت محمد سعید و حضرت محمد معصوم رحمہا کے استاذ

مکرم مُلا طاہر لاہوری، پر حضرت مجدد قدس سرہٗ کی اچانک نظر پڑی کہ ان کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے ھٰذَا شَقِیٌّ (یہ بد بخت ہے) یہی بات حضرت مجدد قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ہم نے لوحِ محفوظ پر دیکھا تو لکھا ہوا تھا کہ مُلا صاحب شقی ہیں اور یہ ہے بھی قضا مُبرم جو نہ ٹلنے والی ہے لیکن صاحبزادوں نے کہا عرض کی ہم تو اپنے استاذ مکرم کی تقدیر بدلوا کر چھوڑیں گے چنانچہ حضرت مجدد رضہ صاحب فرماتے ہیں میں نے دعا مانگی۔

فرماتے ہیں جب میں نے دعا سے فراغت پائی تو ادھر لوح محفوظ سے اور ادھر مُلا طاہر کی پیشانی سے شَقِیٌّ (بدبخت) کا لفظ مٹا کر سَعِیدٌ (سعادت مند) لکھا جا رہا تھا۔ (تفسیر مظہری)

ہم نماز جنازہ کے بعد مل کر دعا کرتے ہیں کہ اگر اس بے چارے بندے کی تقدیر بُری ہے قدسی نفوس کے صدقے اس کی نجات ہو جائے اور وہابی دیوبندی نجدی اس کے منکر ہیں۔

ہم نے خطا میں نہ کی تم نے عطا میں نہ کی
کوئی کمی سرورا تم پہ کروروں درود
——— (حدائقِ بخشش)

(مدرسہ غوثیہ رضویہ مظہر اسلام سمندری)
غلام عبدالرشید غفرلہٗ ۱۴۱۵/۲/۲ھ

حق کی فتح

۱۸ جمادی الآخر ۱۳۹۲ھ بمطابق ۱۹ جولائی ۱۹۷۲ء بروز جمعرات
چک نمبر ۴۶۸ گ ب نزد سمندری سنی حنفی بریلویوں اور دیوبندی وہابی نجدیوں کے درمیان

مناظرہ ہوا

بحمد للہ تعالیٰ سنی بریلویوں کو فتح ہوئی اور دیوبندی وہابی نجدیوں کو شکست

یا جلیلے جل جلالہ: جو خدا اور رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے گستاخوں سے قطع تعلق فرمائے وہ خدا سے سات انعام پائے۔ ایمان دل میں جم جائے، اللہ مددگار ہو، جنت مقام ہو، اللہ والوں میں شمار ہو، مرادیں ملیں، خدا اس پر راضی ہو وہ خدا سے راضی۔ قرآن تمہید ایمان صـ۸ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

یا خاتم الرسل علی نبینا مکرم و علیہم صلوٰۃ وسلم: جو گستاخوں سے محبت فرمائے وہ غضبِ خدا کے سات کوڑے کھائے، وہ ظالم ہو، گمراہ ہو، کافر ہو، جہنمی ہو، آخرت میں ذلیل ہو، خدا کو ایذا دے، خدا دونوں جہان میں اس پر لعنت فرمائے۔ قرآن تمہید ایمان صـ۹ آنحضرت بریلوی۔

(دیوبندی وہابی اشتہاروں اور پمفلٹوں کے ذریعے جھوٹا اعلان کر رہے ہیں کہ دیوبندی حق پر ہیں اور جیت گئے سنی باطل پر تھے اور ہار گئے اگر اب بھی ان کی تسلی نہیں ہوئی تو دوبارہ طبع آزمائی کر سکتے ہیں)

سُنّی بریلوی ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کو سب کچھ ہمیشہ معلوم ہے) ہاں تم پر اللہ ضرور ظاہر کرے گا۔ ایمان والوں کو ضرور ظاہر کرے گا منافقوں کو۔ (سورۃ عنکبوت آیت ۱۱ پ ۲۰)

(سب نبی رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام بے خطا ہوتے ہیں) "تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے، تمہارے اگلوں اور تمہارے پچھلوں کے۔ (سورۃ فتح آیت ۲ پ ۲۶) مترجم مولانا شاہ احمد رضا اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ العزیز۔ نَفَسنَا مِن عَلومِہ۔

دیوبندی وہابی ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کو نہ پہلے معلوم نہ فی الحال معلوم) ہاں اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں کو معلوم کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا۔ (سورۃ عنکبوت آیت ۱۱ پ ۲۰)

(نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام آگے پیچھے خطائیں کرتے رہے) تاکہ اب اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے۔ (سورۃ فتح آیت ۲ پ ۲۶، مولوی اشرفعلی تھانوی دیوبندی وہابی)

حوالہ غلط ثابت کرنیوالے کو فی حوالہ ایک ہزار انعام

سُنّیوں بریلویوں نے دیابند وہابیہ کی کفریہ گستاخانہ عبارتیں دکھانے کے لیے مولانا محمد عبدالرشید سُنّی حنفی قادری بریلوی سلّمہ، خطیب سمندری ضلع فیصل آباد کو متعین کیا اور دیوبندیہ وہابیہ نے گستاخانہ کفریہ عبارتوں کو اسلامی ثابت کرنے کے لیے چھ دیوبندی وہابی مولویوں کو مقرر کیا (۱) مولوی محمد حسین صدر مدرس ضیاء العلوم سرگودھا (۲) محمد امین موضع اُترا (۳) محمد امیر میانوالی (۴) امداد الحسن تاندلیانوالہ (۵) عمر حیات فیصل آباد (۶) مولوی

عطاء اللہ بندیالوی سرگودہا۔

جن گستاخانہ کفریہ عبارتوں پر ساری رات مناظرہ ہوتا رہا ان میں سے چند درج کی جاتی ہیں تاکہ مسلمان خود فیصلہ فرمائیں کہ حق پر سُنی بریلوی ہیں جو ان عبارتوں کو کافرانہ قرار دیتے ہیں یا دیوبندی وہابی جو ان عبارتوں کو اسلامی اور ان کے قائلین کو رحمۃ اللہ کہتے ہیں ؟

جب مولوی عبدالرشید سلمہٗ نے دیوبندیوں وہابیوں کی گستاخیاں مندرجہ ذیل پڑھ کر لوگوں کو سنائیں تو لوگ حیران رہ گئے اور عقیدۂ باطلہ سے فوراً تائب ہوگئے۔ اسی وقت سینکڑوں لوگ پختہ سُنی بریلوی بن گئے۔ جس مسجد میں مناظرہ ہوا تھا اس مسجد کا امام محمد عبداللہ پہلے دیوبندی تھا پھر توبہ کرکے سُنی بریلوی بن گیا اور دیوبندی وہابی مولوی صبح کی اذان ہوتے ہی سب بھاگ گئے۔ اس مسجد پر سُنی قابض ہوگئے۔ الحمد للہ رب العلمین۔

دیوبندیوں وہابیوں کی گستاخیاں

۱۔ خُدا جھوٹ پر قادر ہے: "خدا تعالیٰ کذب، جھوٹ بولنے، پر قادر ہے"۔ "اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی مِنْ ھٰذِہٖ الْخُرَافَاتِ"۔ براہین قاطعہ صفحہ ۲۷۴ مصنفہ خلیل احمد انبیٹھوی ورشید احمد گنگوہی دیوبندی وہابی۔ مکتبہ دیوبند۔

۲۔ نبی چمار سے بھی زیادہ بُرے ہیں: "ہر مخلوق بڑا ہو (جیسے نبی رسول فرشتے) یا چھوٹا (جیسے ہم تم) وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے (زیادہ بُرا ہے)"۔ (تقویۃ الایمان مصنفہ اسمٰعیل دہلوی دیوبندی وہابی، چھاپہ دیوبند صفحہ ۱۲)

۳۔ سب نبی ذرّہ ناچیز ہیں: کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں، سب اس

کے رُو برو ہیں۔ سب انبیاء و اولیاء (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس کے روبرو ایک ذرّہ ناچیز سے بھی کمتر ہیں" (تقویۃ الایمان ص۴۶ مصنفہ اسمٰعیل دہلوی دیو بندی وہابی، چھاپہ دیو بند)

۴۔ جو نبی کو شفیع مانے مشرک ہے: "جو کوئی کسی نبی و ولی کو امام اور شہید کو یا کسی فرشتہ کو یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع وجیہہ سمجھے وہ اصل مشرک ہے اور بڑا جاہل" (تقویۃ الایمان ص۲۵ مصنفہ اسمٰعیل دہلوی دیو بندی وہابی، چھاپہ دیو بند)

۵۔ نبی کو کوئی اختیار نہیں: "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں" (تقویۃ الایمان ص۲۴ مصنفہ اسمٰعیل دہلوی دیو بندی وہابی، چھاپہ دیو بند)

۶۔ سوا رب کے کسی کو نہ مانو: "یعنی اللہ کے سوا کسی کو نہ مان" (تقویۃ الایمان ص۱۴/۱۵ مصنفہ اسمٰعیل دہلوی دیو بندی وہابی چھاپہ دیو بند)

۷۔ نبی بڑے بھائی ہم چھوٹے بھائی: "اولیاء انبیاء سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے ہم ان کے چھوٹے ہیں سو ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہیے" (تقویۃ الایمان ص۵ مصنفہ اسمٰعیل دہلوی دیو بندی وہابی چھاپہ دیو بند)

۸۔ نبیؐ کے علم شریف سے شیطان کا علم زیادہ ہے: "آپؐ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں، شیطان کو ساری زمین کا علم حاصل ہے (نص (قرآن و حدیث سے ثابت ہے) لیکن نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کے لیے کوئی بھی ثبوت نہیں" (براہین قاطعہ ص۵۱ چھاپہ دیو بند مصنفہ خلیل احمد انبٹھوی و معرکہ رشید گنگوہی دیو بندی وہابی)

۹۔ میلاد کرنے والے ہندوؤں سے بھی زیادہ برے ہیں : " میلاد کرنے والے (کافروں، مشرکوں، سکھوں) ہندوؤں سے بھی زیادہ بُرے ہیں " (براہین قاطعہ ص۱۴۸ چھاپہ دیوبند مصنفہ خلیل ورشید دیوبندی وہابی)

۱۰۔ اردو میں نبی دیوبند کے شاگرد ہیں : " ایک دیوبندی کو خواب آیا کہ نبی پاک کو مدرسہ دیوبند میں آمد ورفت "دیوبند سے تعلق رکھنے کی برکت" سے اردو زبان آگئی۔ سبحان اللہ اس سے رتبہ دیوبند کا معلوم ہوا "

(براہین قاطعہ ص۲۶ مصنفہ خلیل ورشید دیوبندی چھاپہ دیوبند)

۱۱۔ امتی عمل میں نبیوں سے بظاہر بڑھ بھی جاتے ہیں : " انبیاء اپنی امت سے ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات " بہت وقتوں میں " بظاہر امتی مساوی " برابر " ہو جاتے ہیں بلکہ امتی نبیوں سے عمل میں بڑھ جاتے ہیں " (تحذیر الناس ص۵ چھاپہ دیوبند مصنفہ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی وہابی بانی دیوبند)

۱۲۔ نبی کو پاگلوں اور حیوانوں جیسا علم ہے : " کل علم تو آپ کو نہیں " اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے۔ اس میں آپکی کون سی شان ہے، ایسا آپ جیسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی (بچے) مجنوں " پاگل " بلکہ جمیع حیوانات بہائم کو بھی حاصل ہے " (حفظ الایمان ص۸ چھاپہ دیوبند مصنفہ اشرف علی تھانوی دیوبندی وہابی)

۱۳۔ نماز میں بیل گدھے کے خیال سے رسالت مآب کا خیال زیادہ برا ہے : " صرف ہمت بسوئے شیخ وامثال آن از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ خر خود است۔ صراط مستقیم ضیائی ص۹۶ " نماز میں " اپنی ہمت کو لگا دینا شیخ یا اسی جیسے اور

بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ بُرا ہے۔" (صراطِ مستقیم ص۹۷ مطبوعہ دیوبند مصنف اسمٰعیل دہلوی دیوبندی وہابی)

۱۴۔ نبی مر کر مٹی میں مل گیا: "آپ مر کر مٹی میں ملنے والے، اب وہ مٹی میں مل گئے اسے آپ کا قول کہا۔" (تقویۃ الایمان ص۵ مطبوعہ دیوبند مصنف اسمٰعیل دہلوی دیوبندی وہابی)

۱۵۔ کروڑوں نبی آسکتے ہیں: "اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ کروڑوں نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر پیدا کر ڈالے۔" (تقویۃ الایمان ص۲۵ مصنف اسمٰعیل دہلوی دیوبندی وہابی مطبوعہ دیوبند)

۱۶۔ آخری نبی کہنے والے سب عوام جاہل ہیں: عوام یعنی "جاہلوں" کے خیال میں آپ سب ہی آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم عقل مندوں کے خیال میں آخر میں آنا کچھ فضیلت نہیں۔ (تحذیر الناس ص۳ چھاپہ دیوبند مصنف قاسم نانوتوی، دیوبندی وہابی دیوبند)

۱۷۔ آپ کے زمانہ میں یا بعد بھی کوئی نبی ہو تو پھر بھی آپ کے آخری نبی ہونے میں کوئی فرق نہ آئے گا: "اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔"

(تحذیر الناس ص۱۴ مصنف قاسم نانوتوی دیوبندی وہابی)

بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ کیا ہم اب یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہابی دیوبندی مرزائی آپس میں ہیں بھائی بھائی؟

(تحذیر الناس ص۲۵ چھاپہ دیوبند مصنف بانی دیوبند قاسم نانوتوی)

نتیجہ : مرزا قادیانی نے صرف آخری نبی کا انکار کیا تو جو اسے کافر نہ کہے وہ بھی کافر تو جو کہے کہ کروڑوں نبی آسکتے ہیں، وہ مٹی میں مل گئے، جو مٹی میں مل گیا اس کا عہدہ نبوۃ ورسالت ختم۔ جیسے صدر مر گیا عہدہ سلطنت ختم۔ اور جو کہ عام جاہلوں کا خیال ہے کہ وہ آخری نبی ہیں اہل فہم کا خیال نہیں۔ بلکہ الغرض آپ کے زمانہ میں یا بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو پھر بھی آپ کی ختم نبوۃ وآخری نبی ہونے میں کچھ فرق نہ آئے گا اور جو کہ تمام نبی کوئی حمتی نہیں۔ بتاؤ وہ کافر ہوا یا نہیں۔ پھر ایسے گستاخوں سے اتحاد کرنا حکم رحمٰن ہے یا حکم نفس وشیطان؟

ناظم دیوبند کا خود اپنوں پر فتوائے کفر

فرماتے ہیں جو مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ نے دیوبندیوں کو گستاخی کرنے کی وجہ سے کافر کہا ہے۔ تمام علمائے دیوبند فرماتے ہیں کہ خان صاحب بریلوی کا یہ حکم بالکل صحیح ہے جو ایسا کہے وہ کافر ہے، مرتد ہے، ملعون ہے بلکہ جو ایسے مرتدوں کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے یہ عقائد بیشک کفریہ ہیں۔ (اشد العذاب صـ ۱۲/۱۳ مصنف ورہنما حسن ناظم دیوبند مصدقہ اشرف علی تھانوی دیوبندی وکفایت اللہ دیوبندی وہابی)

فتوائے قرآن : خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نبی کی شان میں گستاخی نہ کی اور البتہ بے شک وہ یہ کفر کا بول بولے اور مسلمان ہو کر کافر ہوئے۔ (پ۱۰ آیۃ ۷۴ سورۃ توبہ)

فتویٰ فقہاء کرام : رحمہم رحمنا بہم شفا شریف اور درر وغرر وغیرہا میں ہے کہ تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ پاک میں گستاخی کرنے والا کافر

ہے اور جو اس کے معذب و کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔
(تمہید ایمان صفحہ ۲۵ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ و نفعنا بہ)

۱: دیو بندی مناظر کو دورانِ مناظرہ مجبور ہو کر لکھنا پڑا کہ اس کتاب صراطِ مستقیم و دیگر کتب دیو بندیہ وہابیہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گستاخی ضرور ہے۔ آپ کی شانِ پاک میں گستاخی کرنے والا کافر ہے۔
(دستخط محمد حسین غفرلہٗ صدر مدرس سرگودہا)

اکمآب شاہ احمد رضا صفحہ ۵ پر ہے) چالیس احادیث سے زائد میں ہے کہ تصویر جاندار حرام ناجائز ہے۔ اس لیے حکومت ہندوستان و سعودی عرب نے شہزادۂ اعلیٰ حضرت مصطفےٰ رضا خاں صاحب مفتی اعظم ہند رحمہا کو مع قافلہ عقیدتمندان پاسپورٹ پر فوٹو سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ (اسلامی جمہوریہ پاکستان)
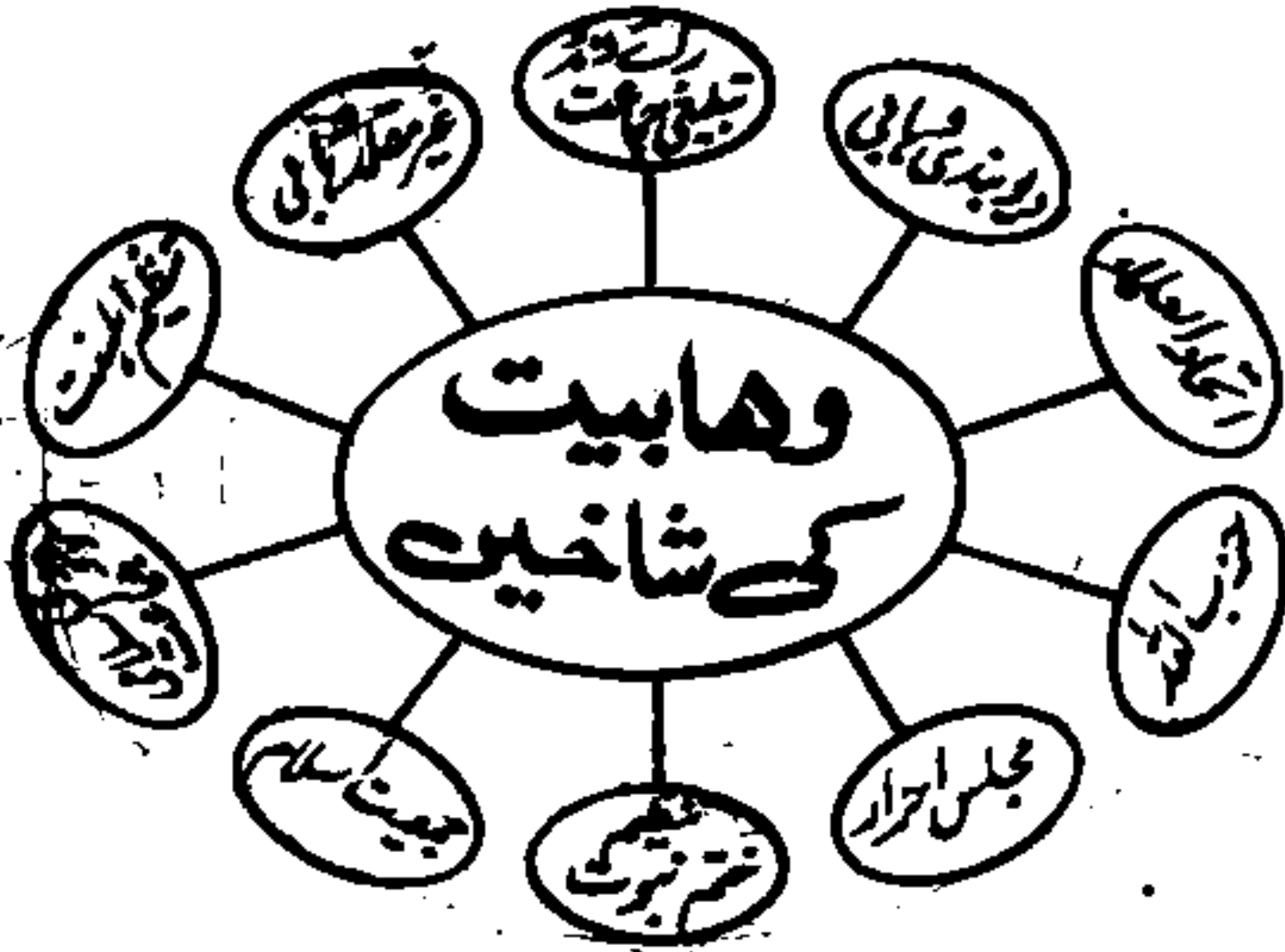
یاد رہے کہ حالدیہ برکت علی نے اپنے رسالۂ دارالاحسان جلد نمبر ا شمارہ ۵ جون ۱۹۷۱ء میں لکھا ہے کہ ہم دیو بندی ہیں ہم اہلحدیث ہیں ہم فلاں بھی ہیں۔ لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ہم اسے دیو بندی ہی سمجھیں (حال مقیم والو دال)

۵ انجمن سپاہ صحابہ = یکی دیو بندی نجدی وہابیہ لاکھوں کے جان و ایمان کا خون خرابہ

مصنّف کی دیگر کُتب

نصرت الحق
مکتبہ قادریہ سکندریہ

قرۃ الابصار
دقائق الاخبار
مکتبہ قادریہ سکندریہ

فضائل ذکر

الریحانین
مکتبہ قادریہ سکندریہ